صلاح الدّین

رشید اختر ندوی

○

احسن برادرز، چوک انارکلی، لاہور

اشاعت اول ستمبر ۱۹۵۴

قیمت چھ روپے آٹھ آنے

ریاض ہمایوں نے اتحاد پریس لاہور میں چھپوا کر احسن برادرز لاہور سے شائع کیا۔

موضوع

حرفِ اوّل

وہ ماں کتنی باعظمت، کتنی بزرگ اور کتنی اونچی تھی۔ جس کی کوکھ سے صلاح الدین ایوبی جیسا عظیم انسان پیدا ہوا۔ وہ اپنے وقت کا ایک بڑا تاجدار ہی نہیں۔ ایک مکمل انسان، ایک ذی حس مسلمان اور ایک فرض شناس مجاہد تھا۔ جس نے مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کی اس وقت ناخدائی کی۔ جب عیسائیت کا سیلاب، موج اندر موج اور طوفان اندر طوفان دمشق کے دروازہ تک آں پہنچا تھا۔ جب حلب کی چراگاہوں میں عیسائی لٹیرے تین ہلڑ مچانے اور وحشی گھوڑوں کو ہنکانے کے عادی ہو چکے تھے۔ اگر اس وقت صلاح الدین ایوبی آگے نہ آتا۔ اگر اس مجاہد کے بازو تلوار نہ اٹھاتے۔ اگر یہ مصر پر قناعت کر لیتا اور شام کی سرزمین پر قدم نہ رکھتا تو شام کی مسلمان ریاستیں دم توڑ گئی تھیں اور عیسائیت کے اُٹھتے ہوئے طوفان نے وہ سارے چراغ بُجھا دیئے تھے۔ جو پہلی صدی ہجری کے ربع اوّل سے لے کر چھٹی صدی ہجری کے نصف اوّل تک برابر جلتے آئے تھے۔

ابن شداد بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ اللہ نے صلاح الدین کو پیدا کر کے اسلام کی لاج رکھ لی۔ خدا کے اس بندے نے ہر طرح کے تعیش، آرام و آرائش سے منہ موڑ کر صرف اسلام کی سربلندی کے لئے پانچ سال خیمہ کی زندگی بسر کی۔ کئی سال تک رات کو پوری نیند نہ سویا۔ وہ گرجتے طوفانوں، برستے اولوں اور برف کی طرح ٹھنڈی ہواؤں میں گھوڑے کی پیٹھ پر دس دس بارہ بارہ گھنٹے سوار رہتا۔ اس نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی محلوں کے خواب نہ دیکھے۔ کبھی ایک لحظہ کے لئے گھر کا آرام یاد نہ کیا۔

تاریخ خوب جانتی ہے کہ اس مجاہد نے اسلام کے علم کو اُونچا رکھنے کے لئے، سازوسامان کی کمی اور حالات کی نامساعدت کے باوجود ساری دنیائے عیسائیت سے ہر بازی لڑی۔

اس نے اپنے آہنی عزم اور غیر معمولی استقلال کے بل پر، پہلے شام کے دروازوں سے عیسائیوں کو مار بھگایا۔ پھر ارضِ فلسطین سے انہیں نکال دیا اور اس تختۂ ارض پر، خدا کے سب سے پہلے گھر بیت المقدس کو عیسائیوں سے چھینا اور جب عکا کے میدان میں سارا عیسائی یورپ، ساری مغربی قومیں اسے شکست دینے اور اس کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے مجتمع ہو گئی تھیں۔ اس نے ان سب کا متواتر پانچ سال تک مقابلہ کیا۔ اس نے اس پانچ سال میں یورپ کی چھ لاکھ افراد پر مشتمل فوج کے تین حصے تباہی کے غار میں دھکیل دیئے۔ اس نے اس وقت کے تین بڑے یورپین تاجداروں شاہ فرانس، شاہ جرمنی اور بادشاہ انگلستان کو بیک وقت کئی شکستیں دیں۔

خدا کو خوب معلوم ہے کہ اگر وہ اپنے بندے صلاح الدین کو آگے نہ بڑھاتا۔ اگر صلاح الدین اپنی غیر معمولی دانائی، اپنی فرشتوں ایسی نرمی اور ہمالیہ ایسے عزم کے ساتھ مسلمانانِ شام، مسلمانانِ مصر اور عراق و موصل کی باگ اپنے ہاتھ میں نہ لیتا تو چھٹی صدی ہجری کی تاریخ بالکل اور ہوتی اور وقت کا نقیب اس قوم کی بربادی پر ایسا روتا جیسے اس وقت رویا جب ہلاکو نے اس کے دروازوں پر دستک دی تھی۔

حطین کی وادی فلسطین کی تاریخ ہی میں نہیں جنگِ صلیب کے سلسلہ میں ایک عجیب اہمیت رکھتی ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں صلاح الدین نے ارضِ فلسطین پر ایک سو سال سے جابرانہ و قاہرانہ حکومت کرنے والے عیسائی نائٹوں، ان کے تاجداروں، ان کے پیشواؤں، ان کی صلیبِ اعظم، اور اس کے جلو میں چلنے والے ہزاروں پادریوں کا غرور توڑا۔

پھر اس نے اس قوم کو قدم قدم پر ہرایا۔ لیکن کچھ عجیب بات ہے اور لین پول کیا اور آرنولڈ کیا، سارے کے سارے عیسائی مؤرخین بھی شہادت دیتے ہیں کہ صلاح الدین۔ نے اس قوم کی ہر دشمنی اور ہر شقاوت کے باوجود، اسے اس کے ہر شہر میں شکست دینے کے بعد اسے یوں امان دی، جیسے کوئی دوست کسی دوسرے دوست کو امان دیتا ہے۔ اس نے عیسائی شہر کے اعترافِ شکست کے بعد کبھی کسی سے دغا نہ کی۔ کبھی ایک فرد تک کے

خون سے ہاتھ نہ رنگا، کبھی ایک عورت کی عصمت پر حملہ نہ کیا۔ کبھی کسی ایک پادری کو سزا نہ دی۔ اس نے ان کے تاجداروں، ان کے امرا، ان کے پادریوں، ان کے عوام کو ان کی ہر خطا کے باوجود معافی دی۔ اس نے یقیناً ان سے خوب جی بھر کر لڑائی کی، مگر جب وہ ہار گئے تو اس نے ان کا خون بہانا اپنے اوپر حرام کر لیا۔ حتّٰی کہ اس نے ان میں کتنوں کو زادِ راہ دیا، سواریاں دیں اور اپنے سپاہی ساتھ کئے کہ انہیں جائے امن تک پہنچا آئیں۔

وہ اتنا شریف لڑاکا تھا کہ جب اس کے دشمن کی بیویاں، بیٹیاں اور بہنیں اس کے حضور اپنے عزیزوں کی جان بخشی کی درخواست کرتیں تو وہ یہ درخواست رد نہ کر سکتا۔

وہ اتنا بڑا آدمی تھا کہ اس نے کبھی کسی شخص سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔ کبھی کسی خادم کو اس کے جرم پر اپنے غصے کا نشانہ نہیں بنایا۔

وہ وقت کا سب سے بڑا تاجدار ہونے کے باوجود بہت معمولی لباس پہنتا۔ بہت معمولی کھانا کھاتا۔ اس کی کوئی ذاتی ملکیت نہ تھی۔ اس کے پاس کوئی ذاتی سرمایہ نہ تھا۔ کوئی جائداد نہ تھی۔ ریاست کے خزانہ میں اس نے اپنی موت کے وقت صرف چند درم چھوڑے تھے۔ اس کی زندگی میں مسلمانوں کے مال میں سے اس کے پاس جو کچھ آیا۔ اسے اس نے مسلمانوں ہی میں بانٹ دیا۔ کبھی کوئی رقم اپنے لئے بچا کر نہ رکھی۔ وہ علما کا دوست، نیکوکاروں کا ساتھی، غریبوں کا ہمدرد اور عورتوں کا حد درجہ احترام کرنے والا تھا۔

وہ یقیناً ایک شخصی تاجدار تھا۔ اس کی حکومت ایک شخص کی حکومت تھی لیکن اس شخصی حکومت میں اس نے کبھی رعایا کے کسی فرد پر ظلم نہیں کیا۔ کبھی کسی کی حق تلفی نہ کی۔ کبھی کسی کو دکھ نہ پہنچایا۔ لوگ اس کے خلاف کھلی عدالتوں میں حاضر ہونے کے مجاز تھے۔ وہ ایک ملزم کی طرح ان عدالتوں میں جواب دہی کے لئے جاتا اور اگر ان کا دعویٰ سچا ہوتا تو وہ بڑی سے بڑی سزا اپنے لئے تجویز کرتا۔

یہ کتاب اس اونچے تاجدار کی روح کے حضور اس دور کے ایک گنہگار مصنف کی طرف سے ایک حقیر نذر ہے جس نے اسے اس کی موت کے کوئی آٹھ سو سال بعد پڑھا، سمجھا اور اس کے حالات جاننے کے لئے پوری جستجو کی۔

رشید اختر ندوی

۲ میکلوڈ روڈ۔ لاہور
اگست ۱۹۵۴ء

ماخذ

ابن اثیر - جز ۱۰ - ۱۱ - ۱۲

ابن کثیر - جز ۱۱ - ۱۲

ابن خلکان - جز اوّل - جز دوم - جز رابع - جز سادس

ابن شداد - سیرت صلاح الدین

العماد الکاتب - الفتح القسی ۲ جزو

ابن خلدون - جز ۵

ابو شاما کتاب الروضتین

لین پول - رچرڈ کا سفرنامہ — اور ارنول

ابن شداد اور العماد الکاتب دونوں صلاح الدین کے مصاحب تھے۔ ان میں سے پہلے ابن شداد قاضی فوج اور دوسرے صلاح الدین کے میر منشی تھے۔ دونوں نے چشم دید حالات لکھے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کی وجہ سے صلاح الدین کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ ان دونوں کی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں۔ میں نے ان پر بہت بھروسہ کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں کے بعد مؤرخ ابنِ کثیر، ابن خلکان، ابن اثیر اور ابن خلدون سے مدد لی ہے جو تقریباً ایک دوسرے کے ہم عصر تھے۔ ابنِ خلدون سب سے آخر میں سامنے آئے۔ ان کا بیان قریب قریب وہی ہے جو مؤرخ ابن اثیر کا ہے۔ میں نے بڑے التزام سے ہر صفحہ پر ماخذوں کے حوالے دے دیئے ہیں۔ مجھے بھروسہ ہے کہ میں نے اس باب میں پوری دیانتداری اور محنت سے کام لیا ہے اور کوئی ایسی کتاب نظر انداز نہیں کی جو اس دور کی تاریخ سے متعلق ہے اور چھپ چکی ہے۔

آغاز داستان

خاندان

بچین

خاندان

اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد، ماوراءالنہر کے جن ذہین افراد نے شہرت و ناموری کی دولت سمیٹی، ان میں صلاح الدین ایوبی کے چچا، شیرکوہ اور باپ نجم الدین ایوب، دونوں ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ صلاح الدین اگر اس خاندان میں پیدا نہ ہوتے تو یہ تاریخ کا ایک بڑا موضوع نہ بنتا۔ لیکن یہ ایک امرِ واقعہ ہے کہ شیرکوہ اور نجم الدین اپنے وقت کے آفتاب و مہتاب تھے۔ خصوصیت سے شیرکوہ نے مصر فتح کرنے کے بعد مصر کی تاریخ میں ایک ناقابلِ فراموش باب کا اضافہ کیا تھا۔

ہم یہ تفصیل آگے چل کر عرض کریں گے۔ یہاں صرف اتنا کہنا مقصود ہے کہ شیرکوہ اور نجم الدین ایوب، بھی تاریخِ اسلام کے دو بڑے افراد تھے۔ ان کی بڑائی گو ذاتی بڑائی تھی۔ گو ان کے باپ شاذی نے انہیں ورثہ میں کوئی بزرگی عطا نہ کی تھی۔ لیکن ان کے سیاسی ارتقا کا پہلا زینہ خود شاذی ہی تھا۔

مورخ ابنِ خلکان نے جو صلاح الدین سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ شاذی کے آباؤ و اجداد کے بارے میں بڑی جستجو سے کام لیا تھا۔ انہوں نے اس دور کی بڑی بڑی لائبریریاں دیکھیں عجائب گھروں اور اوقاف میں پہنچے۔ لیکن اس جستجو کے باوجود انہیں کہنا پڑا:

مجھے کہیں بھی شیرکوہ اور ایوب کے ذکر میں شیرکوہ بن شاذی اور ایوب بن

شاذی کے سوا کسی پہلے باپ کا پتہ نہ چلا۔

البتہ ان دونوں بزرگوں کی اولاد میں سے بعض بڑوں نے مجھ سے کہا شاذی کے باپ کا نام مروان تھا۔"

ابنِ خلکان ہی کا بیان ہے کہ انہوں نے حسن بن غریب کا مرتب کردہ ایک شجرہ بھی دیکھا ہے جس میں شاذی کے آباؤ اجداد کے نام سلسلہ بہ سلسلہ درج ہیں۔

یہ سلسلہ نسب، حسن بن غریب نے ۶۱۹ھ ہجری میں الملک العادل کے بیٹے شرف الدین صاحبِ دمشق کے سامنے پڑھا اور اس طرح اس پر شاہی مہر ثبت کرلی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا۔ شاذی کے بعد کا سلسلہ نسب، بڑے مورخین کے نزدیک مستند نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس پر بہت کم مورخین نے توجہ کی۔ یوں اسی زمانہ میں شاذی کے ایک پوتے اسماعیل بن سیف الاسلام نے جو یمن کا والی تھا اپنا نسب بنو امیہ سے ملانے کی کوشش کی تھی۔

اس میں قطعاً کوئی کلام نہیں ہے کہ شاذی کُرد تھا۔ اور اسے اپنے کُرد ہونے سے کبھی انکار نہیں ہوا۔ مورخ ابنِ اثیر نے تاریخ صغیر میں جو دولتِ اتابکہ کے حالات میں ہے۔ اسدالدین شیرکوہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اصل کو اکراد الرواویہ سے ملایا ہے۔

وہ فرماتے ہیں:۔

کان اسدالدین شیرکوہ ونجم الدین ایوب ابن شاذی من بلدِ دوین واصلہما من الاکراد الرواویہ قدما العراق [۲]

شاذی کے بیٹے اسدالدین شیرکوہ اور نجم الدین ایوب، جو شہر دوین کے رہنے والے تھے۔ ان کا اصل رواویہ کے کردوں میں سے تھا۔ وہ دونوں عراق آئے۔

ابنِ اثیر کے علاوہ، مورخ ابنِ کثیر نے بھی صلاح الدین کے خاندان کو کُردی

---

[۱] ابن خلکان جز ۲ - ۱۴۰ - [۲] ابن اثیر تاریخ صغیر فصل اسدالدین شیرکوہ

خاندان تسلیم کیا ہے۔ وہ اسدالدین شیرکوہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

اسد الدین الکردی الزرزاری وہم اشرف شعوب الاکراد

ابن خلکان نے ایوب کے ترجمہ میں اس اجمال کی وضاحت کی ہے :۔

کان شاذی بن مروان من اہل دوین ومن ابناء اعیانہا والمعتبرین بہا۔

"شاذی بن مروان دوین کے رہنے والے اور وہاں کے اشراف و معتبرین کی اولاد میں سے تھے"

ہم نہیں کہہ سکتے، شاذی ابنائے اعیان میں سے ہونے کے باوجود خود بھی دوین میں کوئی بڑی حیثیت رکھتا تھا یا نہیں۔ بہرحال شاذی کی حیثیت شریفانہ تھی۔ وہ اور اس کا دوست بہروز۔ جمال الدولہ جو آگے چل کر عراق کا ناظم الامور بنا۔ دوین میں شریفانہ زندگی گزارتے رہے۔ بہروز اور اس میں بہت گہری دوستی تھی۔ مگر یہ دوستی اس وقت ایک عجیب اضطراب میں بدل گئی جب بہروز پر، دوین کے ایک بڑے امیر کی بیوی سے اختلاطِ ناجائز کا الزام لگا۔

ابنِ خلکان فرماتے ہیں :۔

"اس امیر نے اسے پکڑ لیا اور خصی کر دیا"[۲]

اِس بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بہروز، دوین کے امرا میں سے نہیں تھا اور اس کی حیثیت محض بے سہارا اور چھوٹے خاندان کے ایک خوبصورت نوجوان کی تھی۔ اگر دوین میں اس کی کوئی بڑی حیثیت ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کی یہ حیثیت یا اس کا خاندان اسے خصی ہونے سے بچا نہ لیتا۔

اِسے امیر نے پکڑ کر خصی کر دیا اور اس کے خاندان نے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ اور بیچارے کو صحت پاتے ہی راہِ فرار اختیار کرنا پڑی۔

شاذی نے اس قصہ میں بہروز کا ساتھ کس حد تک دیا۔ تاریخ اس باب میں

[۱] ابن کثیر جز ۲۵۹

[۲] ابن خلکان جز ۲۳۳

قطعاً خاموش ہے۔ البتہ ابن خلکان ان دونوں کی باہمی دوستی اور تعلقِ خاطر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

کان بینہما من الاتحاد کما بین الاخوین۔ اول ۲۳۲

(ان دونوں میں بھائیوں ایسی محبت و دوستی تھی۔)

اور یہ دوستی اس وقت بھی قائم رہی جب بہروز نے اقتدار کی مسند پہ جگہ پالی۔ بہروز کی ترقی کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ وہ جب دوین سے بھاگا تو اسے اپنے مستقبل کا کچھ علم نہ تھا۔ اس پر دنیا اندھیر ہو چکی تھی۔ وہ آوارگی کے دامن میں لپٹا۔ یونہی شاہی چھاؤنی تک جا پہنچا۔ حسنِ صورت اور ذاتی وجاہت کی دولت سے مالا مال تھا۔ ایک دن سرِراہ شاہزادوں کے اتالیق سے ملاقات ہو گئی اور اتالیق صاحب اس کی خوبصورتی اور اندازِ گفتگو سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ اسے اپنے دامن سے وابستہ کر لیا۔

نہیں کہا جا سکتا کہ بہروز اور اتالیق صاحب کتنی مدت تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ ابن خلکان کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ اتالیق اور بہروز میں کافی گہرا تعلق قائم ہو چکا تھا۔ وہ دونوں عموماً ایک ساتھ رہتے۔ یہاں تک کہ کبھی شہزادوں کی سواریاں جب باہر نکلتیں تو اتالیق موصوف اس خوبصورت بہروز کو ان کے ساتھ کر دیتے ایک بار بادشاہ کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ یہ بات اسے کسی قدر ناگوار گزری کہ شاہزادوں کے ساتھ کوئی اجنبی سیر کو جائے۔ بادشاہ نے تحقیق کی تو اتالیق نے بہروز کی وکالت کی۔ اس کی شرافت، ذہانت اور پاکبازی کے قصّے بیان کئے اور بادشاہ نے اسے اپنے حضور بُلا بھیجا۔ بہروز سچ مچ بڑا دانا، ہوشمند اور زبان آور مصاحب تھا۔ بادشاہ کو اس کی باتیں بہت پسند آئیں اور اس نے اسے خلوت وجلوت میں شریک کر لیا۔ وہ اس کے ساتھ شطرنج کھیلتا، چوسڑ کی بازی لگاتا۔ تنہائی میں باتیں کرتا اور لطیفے سُناتا اور پھر جب شاہزادوں کے اتالیق اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ بادشاہ نے بہروز

کو مستقل طور پر یہ خدمت سونپ دی۔ اتالیق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بادشاہ کی مصاحبت کے فرائض بھی انجام دیتا رہا۔ بادشاہ کے دماغ پر اس نے اس درجہ غلبہ پا لیا تھا کہ بادشاہ اکثر بڑے کام اسی کے سپرد کرتا۔ اس کے اعزاز و اکرام کی شہرت خوب پھیلی اور دور دور سے اہلِ علم اس کا رُخ کرنے لگے۔

ابن خلکان ۲۳۲- ابن خلکان فرماتے ہیں۔ بہروز کی حیثیت جب بڑھی۔ اسے جب یوں عز و احترام کی مسند نصیب ہوئی تو اس نے اپنے دوست شاذی کو دوین سے طلب کیا، تاکہ وہ بھی اس کی شان و شوکت کا تماشہ کرے

شاذی اور ان کے دونوں بیٹے نجم الدین ایوب اور اسد الدین شیرکوہ دوین سے پایہ تخت آئے۔ بہروز کے ہاں اترے۔ بہروز نے ان کے ساتھ بڑی محبت برتی۔ انہیں پورے احترام سے رکھا اور جب تھوڑی مدت بعد سلطان نے اسے اپنی طرف سے عراق کا نائب السلطنت بنا کر بغداد بھیجا تو شاذی اور اس کے دونوں بیٹے، اس کے ہم رکاب تھے۔

ابن خلکان نے یہ پوری تفصیل نجم الدین ایوب کے ترجمہ میں پیش کی ہے۔ ابن کثیر اور ابن اثیر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اب تک شاذی اور اس کے دونوں بیٹوں کی حیثیت محض مہمان کی تھی۔ وہ بہروز کے ہاں رہتے۔ اس کی مصاحبت کے سوا انہیں کوئی دوسرا کام سپرد نہ ہوا تھا۔ البتہ جب بہروز کو بغداد میں شاہی نیابت کے فریضہ کے ساتھ ساتھ تکریت کی حکومت بھی ملی تو اس نے اپنے دوست شاذی کو اپنا نائب بنا کر تکریت بھیج دیا۔ اور یوں شاذی نے پہلی بار عملی سیاسیات میں قدم رکھا۔

ابن خلکان ج ۲۳۲ شاذی کے ساتھ ساتھ اس کے دونوں بیٹے شیرکوہ اور نجم الدین ایوب بھی تکریت گئے اور تکریت کے نظم و نسق میں باپ کا ہاتھ بٹایا۔ اس زمانہ میں تکریت ایک بہت اہم

قلعہ تھا۔ جو دریائے دجلہ کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ایک طرح سے موصل اور بغداد کے مابین حدِ فاصل کی حیثیت رکھتا۔

شاذی تکریت پہنچ کر کتنے سال زندہ رہا۔ تاریخ اس باب میں خاموش ہے۔ ابنِ کثیر سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ[۱] شاذی کا انتقال تکریت میں ہوا، اور اس کی جگہ اس کے بڑے بیٹے نجم الدین ایوب نے لے لی۔ (ابن کثیر[۱])

نجم الدین ایوب، صلاح الدین ایوب کے باپ ہیں۔ وہ انتہائی ذہین، دانا اور مدبر تھے۔ گو تکریت کی عملداری بہت مختصر تھی۔ مگر نجم الدین ایوب نے اس مختصر سی حکومت کا انتظام کچھ اس خوبی اور دانائی سے کیا کہ رعایا بھی خوشحال و مطمئن ہو گئی اور بہروز بھی بہت خوش ہوا۔

نجم الدین ایوب کی دانائی اور ہوشمندی کی ایک عجیب مثال تاریخ کے سامنے اس وقت آئی۔ جب زخمی اور تباہ حال عماد الدین حاکمِ موصل دجلہ کے کنارے پر اترا۔

یہ سخت سیاہ رات تھی۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی تھی۔ عماد الدین زنگی شکست کھا کر آیا تھا اور چاہتا تھا۔ اسی آن دریا سے پار ہو جائے۔ کشتیاں موجود نہ ہونے کے سبب ہر لمحہ اس پر گراں گزر رہا تھا۔ اسی مایوسی کے عالم میں نجم الدین سرکاری کشتی میں سوار ہو کر اس کے پاس آیا۔ اس کی حالت معلوم کی اور شاہی بیڑہ منگوا کر اسے اور اس کے ساتھیوں کو اس میں سوار کیا اور نہ صرف اس رات بلکہ پندرہ دن متواتر اپنے ہاں مہمان رکھا۔

عماد الدین کو اس شکست میں بہت گہرے زخم آئے تھے۔ نجم الدین نے مقامی جراحوں کو بلا کر عماد الدین کا علاج کروایا اور جب تک وہ پورے طور پر تندرست نہیں ہو گیا۔ اسے اپنے ہاں سے جانے نہیں دیا۔[۲] (ابن کثیر[۳]، ابن اثیر، ابن اثیر)

ابنِ اثیر نے اس قصہ کی تفصیل دو جگہ بیان کی ہے۔ ایک جز ۱۰ میں اور ایک جز ۱۱ میں۔ ان دونوں جگہوں کو ملا کر پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۵۲۶ھ ہجری

میں اس وقت پیش آیا۔ جب سلطان سنجر کی دعوت پر عماد الدین زنگی بغداد پر حملہ آور ہوا تھا
اور جمال الدولہ اور خلیفہ المسترشد باللہ نے ایک ساتھ مل کر اسے ہولناک شکست[1] دی تھی۔
جمال الدولہ وہی بہروز ہے جو بغداد کا نائب السلطنت تھا۔

اس طرح عماد الدین زنگی نے تکریت کے نجم الدین کے ہاں اس وقت پناہ لی جب وہ دشمن گروہ کا نمائندہ تھا۔ اس کے باوجود نجم الدین ایوب نے اسے پناہ دی اور اس کی اس درجہ خدمت کی کہ عماد الدین جب اچھا ہونے کے بعد وہاں سے رخصت ہوا۔ تو اس کی آنکھیں احسان کے بوجھ سے جھکی تھیں۔

مگر خود نجم الدین ایوب کے لیے یہ مہمان نوازی مہنگی پڑی اور جمال الدولہ بہروز نے اس سے سخت باز پرس کی ....

ابن خلکان اور ابن کثیر کا بیان ہے کہ بہروز نے اس معاملہ کو شروع میں طول نہیں دیا تھا۔ لیکن اس کے دل میں نجم الدین کے خلاف سخت گرہ بیٹھ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ایک معمولی سے واقعہ کو بہانہ بنا کر ان دونوں کو جلاوطنی کی سزا دی۔ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ تکریت کے ایک پہرہ دار نے اسد الدین شیرکوہ کے خاندان کی ایک خاتون کی بے عزتی کی۔ شیرکوہ نے اس شخص کو سزا دی اور قتل کر ڈالا۔

ابن کثیر نے اس سلسلہ میں ایک اور روایت بیان کی ہے کہ نجم الدین نے
عاقب رجلاً نصرانیاً فقتلہ[2] (ایک نصرانی آدمی کو سزا دی اور اسے قتل کر دیا)
لیکن ساتھ ہی اس قصہ کو بھی دہرایا ہے جو ابن خلکان نے بیان کیا ہے۔

اس قصہ نے کافی طول کھینچا اور وہ سیاسی غلطی جو عماد الدین زنگی کو پناہ دے کر ایوب نے کی تھی۔ ایک بڑا سنگین جرم بن گئی اور بہروز نے اسے بغداد سے ایک حکمنامہ بھیجا جس میں لکھا تھا
لابیکما علیّ حق وبینی وبینہ مودۃ متاکدۃ۔ ما لمکننی ان اکافئکما بحالتہ سئیۃ تصدر منی فی حقکما۔ لکن اشتہی منکما ان تترکا خدمتی وتخرجا من بلدی وتطلبا الرزق حیث شئتما[3]

[1] ابن اثیر جز ۱۰ ۲۴۳ جز ۱۱ ۱۲۸

[2] ابن کثیر جز ۱۲ ۲۷۱

[3] ابن خلکان جز ۱ ۲۰۰

(تم دونوں کے باپ کا مجھ پر حق تھا اور میرے اور اس کے مابین بہت پختہ دوستی تھی۔ اسی حق و دوستی کی بنا پر میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں تمہیں کوئی سزا دے سکوں یا میری وجہ سے آپ دونوں کسی تکلیف میں مبتلا ہوں لیکن میری خواہش ہے کہ تم دونوں میری ملازمت چھوڑ دو۔ میرے شہر سے نکل جاؤ اور جہاں سے چاہو اپنی روزی پیدا کرو)

ابن کثیر فرماتے ہیں۔ بہروز کے حکم کی بنا پر، دونوں کو تکریت چھوڑنا پڑا۔ یہ حکم غالباً بہت سخت تھا۔ ورنہ یہ دونوں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رات کے عین اس وقت جبکہ نجم الدین کی بیوی وضعِ حمل کی تکلیف میں مبتلا تھی تکریت کو چھوڑنے پر مجبور نہ ہوتے۔ تاریخ میں یہ واقعہ غالباً اپنی نوعیت کا ہے کہ ایک جلاوطن ہونے والی ماں ایک اس بچہ کو جنتی ہے جو آگے چل کر بادشاہوں کا بادشاہ اور حکمرانوں کا حکمران بننے والا تھا۔

یہی "صلاح الدین" تھے

ایوب کے بیٹے اور شاذی کے پوتے۔

اس بات پر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جب صلاح الدین پیدا ہوئے۔ وہ ۵۳۲ھ کی ایک سیاہ رات تھی۔

اس کے ماں، باپ کے نصیب بھی اس رات کی طرح دھندلا گئے تھے۔ غالباً ماں نے تو نہیں البتہ نجم الدین نے دوستوں سے شکوہ کیا تھا۔ یہ بچہ کیسے منحوس وقت پیدا ہوا ہے۔ دوستوں نے اسے تسلی دی تھی۔

ہو سکتا ہے یہ بچہ بادشاہوں کا بادشاہ بنے اور اس سے تمہارے خاندان ہی کے نہیں مسلمانوں کے نصیب بھی جاگ اٹھیں۔

نجم الدین نے اس وقت یہ بات شائد صحیح نہ سمجھی تھی اور روتے ہوئے بچے کو دیکھ کر خود رد دیا تھا۔

بچپن

لیکن قدرت نجم الدین ایوب کے اس غم پر بہت خوش تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ بچہ جس کی پیدائش کو اس کے باپ نے اپنے لئے منحوس سمجھا ہے۔ آگے چل کر اسلامی تاریخ کو بدل ڈالے گا۔ خود نجم الدین ایوب نے یہ بات آپ اپنی زندگی ہی میں عمل میں آتے دیکھ لی تھی۔

نجم الدین ایوب پر جب بہروز نے تکریت کے دروازے بند کر دیئے۔ تو نجم الدین کو اس وسیع دنیا میں موصل کے سوا اور کوئی جائے پناہ نظر نہ آئی۔ موصل میں وہی عماد الدین زنگی حکمران تھا جسے تھوڑی مدت پہلے نجم الدین نے دشمنوں کے تعاقب سے محفوظ رکھا اور اپنے ہاں پناہ دی تھی۔

ابن خلکان، ابنِ اثیر اور ابنِ خلدون اور ابنِ کثیر فرماتے ہیں:۔

نجم الدین اپنے بھائی اسد الدین شیر کوہ اور خاندان کے دوسرے افراد کو ساتھ لے کر جب موصل پہنچا تو عماد الدین زنگی نے اسے خیر مقدم کہا۔ اسے اپنے دربار میں اونچی جگہ دی اور چند دن بعد تکریت سے کہیں زیادہ اہم جگہ بعلبک فتح کر کے اس کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

بعلبک کی فتح ابنِ خلکان کی ایک روایت کی رو سے ۵۳۲ھ ہجری میں ہوئی۔ دوسری روایت کے مطابق یہ کام ۵۳۴ھ ہجری میں تکمیل کو پہنچا۔

یہ بعلبک ایک شاندار ماضی کا حامل ہے۔ کبھی اسے زمانۂ قدیم میں بڑی شہرت حاصل

ء ابن خلکان جز ۶ - ۱۴۴ - ابو العلی دمشقی - ذیل تاریخ الصابی

تھی۔ وہ اس زمانہ میں تعمیر ہُوا۔ جب انسان، دیوتاؤں کی پرستش کرتا۔ ان کے خوبصورت بُت بناتا اور اپنے اس فعل پر فخر کرتا تھا۔ بعلبک کی قدیم تاریخ، اسلام کی بعثت، سے ہزاروں برس پہلے کی تاریخ ہے۔ یہ ابراہیم کے وقت بھی موجود تھا اور موسیٰ و عیسےٰ کے وقت بھی۔ یہاں اس وقت بھی بت پوجے جاتے۔ جب ابراہیم نے بُت شکنی کی تھی۔ جب اسلام کی فوجیں، عرب کے ریگ زار سے یلغار کرتیں۔ شام کی طرف بڑھیں تو بعلبک کے دیوتا۔ اپنے نصیبوں پر روتے ہوئے بعلبک سے رخصت ہوئے۔ اس دن سے بعلبک کی تاریخ کا ایک دوسرا دور شروع ہُوا۔

عماد الدین زنگی کی فتح تک بعلبک کی حیثیت شام کے ایک بڑے ممتاز شہر کی تھی نجم الدین جب اس کے حاکم بنائے گئے تو انہوں نے اس شہر کی رونقیں اور بڑھا دیں۔ اس کی شادابی و زرخیزی میں اضافے کئے۔ اس کے علمی مقامات کو ترقی دی اور عوام کو خوشحالی و فراغت کی دولت عطا کی۔

نجم الدین کو جب بعلبک کی حکومت ملی تو صلاح الدین یا تو صرف چند مہینوں کے تھے یا دو سال کے۔ دو سال کی عمر کا بچہ، نہ ماحول کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اسے عروج و زوال کی خبر ہوتی ہے۔ صلاح الدین کو اب تک یہ پتہ نہ چلا تھا کہ اس کی پیدائش کے وقت اس کے باپ پر کیا ابتلا آئی تھی اور اب اس پر عماد الدین زنگی نے بعلبک کی حکومت عطا کر کے کیا احسان کیا ہے۔ لیکن ہولے ہولے جب اس کا شعور بیدار ہُوا۔ تو اسے ماحول کی بھی خبر لگی اور اس نے یہ بھی جان لیا کہ اس کا باپ عماد الدین زنگی کا سب سے معتمد امیر بھی ہے اور بعلبک کا حاکم بھی۔

ابن شداد کا بیان ہے کہ صلاح الدین کا بچپن بہت ہی خوش گوار بچپن تھا۔ جب تک عماد الدین زندہ رہا۔ نجم الدین بعلبک کے حاکم رہے۔ اور صلاح الدین ایک بڑے امیر کے بچے کی طرح تعلیم و تربیت کے منازل بڑی خوبی سے طے کرتا رہا۔ وہ ابھی نوسال

کا تھا کہ اس کے باپ کے محسن عماد الدین زنگی کو، اس کے غلاموں نے شہید کر ڈالا۔ اور اس طرح بعلبک کی حکومت و امارت خطرات میں گھر گئی - یہ ہولناک واقعہ ۵۴۱ھ میں پیش آیا[1]۔

گو عماد الدین زنگی کے دونوں بیٹے نور الدین اور سیف الدین غازی بہت ہوشمند اور قوی تھے۔ لیکن چونکہ باپ کی موت کے بعد انہوں نے اپنی قلمرو آپس میں بانٹ لی تھی۔ نور الدین نے حلب میں حکومت قائم کر لی تھی اور سیف الدین غازی نے موصل میں۔ اور ان میں وہ یکجہتی نہ رہی تھی جو اقبال و عروج کی ضامن ہوتی ہے۔ اس لئے دمشق کے فرمانروا، مجیر الدین ارتق بن بوری نے۔ جو بعلبک کا پہلا مالک تھا۔ بعلبک پر چڑھائی کی۔

نجم الدین گو بڑا دانا، بڑا مدبر اور بہت جری حاکم تھا۔ مگر اس کی حیثیت عماد الدین زنگی کے ایک صوبیدار کی تھی۔ اس کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ دمشق کی حملہ آور فوج کا مقابلہ کر سکتا۔ اس نے سیف الدین غازی کی طرف نامہ بر دوڑائے۔ سیف الدین کی حکومت آپ ابھی مستحکم نہ ہوئی تھی۔ وہ خود ہمسایہ حکمرانوں سے ابھی نپٹ نہ پایا تھا۔ اس لئے اس نے نجم الدین کی درخواست پر کوئی توجہ نہ کی اور اس دانا مدبر نے۔ جو سیاست کے اتار چڑھاؤ سے خوب واقف تھا۔

چند دن کے انتظار کے اور چند شرائط منوا لینے کے بعد ارتق کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ شرائط یہ تھیں۔ دمشق میں اسے رہنے کے لئے ایک مکان دیا جائے۔ گزارہ کے لئے جاگیر عطا ہو۔ یہ شرائط گو بظاہر معمولی تھیں۔ لیکن نجم الدین نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا۔

وہ جب دمشق آیا تو اس کی حیثیت ایک شکست خوردہ امیر کی تھی۔ لیکن ہولے ہولے اس نے اپنی یہ حیثیت بدل ڈالی اور ابن خلکان کے بیان کے مطابق چند سال کے اندر

[1] ابن خلدون جز… ۲۳۲
ابن کثیر جز… ۲۳۱
ابن اثیر جز… ۴۲

وہ دمشق کا سب سے بڑا سیاست دان تسلیم کیا جانے لگا۔[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نجم الدین ایوب کو یہ اقتدار شروع میں نصیب نہیں ہوا۔ شروع میں وہ ایک سیاست دان کی حیثیت سے دربارِ دمشق میں اچھی نگاہ سے ضرور دیکھا جاتا۔ مگر اس کا اصل اقتدار اس وقت شروع ہوا۔ جب وزیر معین الدین انز نے انتقال کیا۔ وزیر معین الدین انز کے بعد، کوئی دوسرا، سیاستدان ایسا نہ تھا جو دمشق کی فوجوں کی اچھی طرح نگرانی کر سکتا۔

نجم الدین ایوب کی حربی صلاحیتوں اور سیاست و تدبر کا امتحان، خود معین الدین کے زمانہ میں ہو چکا تھا۔ اس سال جب معین الدین انز نے انتقال کیا تھا۔ دمشق پر شہنشاہ کونریڈ، اور بادشاہ فرانس اور یروشلم کے عیسائی، ایک ساتھ مل کر حملہ آور ہوئے تھے۔ گو معین الدین انز، بہت سمجھدار شخص تھا، مگر یہ محض نجم الدین تھا جس کی سیاست و دور اندیشی نے عیسائیوں کی اس اتنی بڑی فوج کو پسپائی پر مجبور کیا۔ یہ نجم الدین تھا جس نے یروشلم کے عیسائیوں اور یورپ کی فوج میں عداوت پیدا کی۔ یہ وہی تھا جس کے مشورہ پر معین الدین نے دمشق کے خزانہ کے دروازے کھول دیئے اور محاصرہ کرنے والے عیسائیوں کی جھولیاں اشرفیوں سے بھر کر ان کو دمشق سے کسی قدر دور پڑاؤ ڈالنے پر راضی کر لیا اور اس طرح یورپ کی اس اتنی بڑی فوج کو عملی شکست دے دی۔

یہ یقیناً صحیح ہے کہ اس وقت نجم الدین کی حیثیت محض ایک سیاسی مشیر کی تھی، معین کے انتقال کے بعد، وہ دمشق کی فوج کا سپہ سالار بھی بنا، اور بادشاہ کا مشیر اعلےٰ بھی۔

اسے اقتدار کی مسند پر بیٹھنے، اور اسے سنبھالنے کے لئے۔ پانچ سال متواتر جد و جہد کرنا پڑی تھی۔ اور وہ اتنا دانا بینا اور سمجھ دار تھا۔ کہ اس نے دمشق کے والی کے علی الرغم، نور الدین محمود والیٔ فرمانروائے حلب، سے، بہت گہرے

[1] ابن خلکان جزا ۱۴۳

تعلقات قائم کرئے تھے۔ یہ قدرتی بات تھی۔ گو نجم الدین دمشق کے اتابک کا آدمی تھا لیکن اس کی عقیدتوں اور محبتوں کا مرکز اس کے ممدوح الاحسن عماد الدین زنگی کے بیٹے نور الدین کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا اور پھر ایک اور بات یہ تھی کہ نور الدین کے دربار میں اس کے بھائی اسد الدین نے بہت ممتاز جگہ حاصل کرلی تھی۔ دونوں بھائی ایک دوسرے سے عشق کرتے۔ دونوں چاہتے کہ وہ ایک ساتھ رہیں۔ دونوں کی خواہش تھی کہ دمشق اور حلب ایک ہی حکمران کے تابع ہوں تاکہ ان کا ممدوح بھی اوپر کو اُٹھے اور وہ دونوں بھی ترقی کریں۔

دمشق کے امرا کا ایک بڑا گروہ نجم الدین کی مٹھی میں تھا۔ دمشق کے عوام بھی اس سے بڑی محبت کرتے۔ اس نے عوام و خواص کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے بڑے اچھے اچھے کام کئے تھے۔

اچھے کام کرنے والے سیاست دان ہمیشہ کامیاب ہوئے ہیں۔ نجم الدین بھی ہُوا اور اس نے جب دمشق میں زمین خوب ہموار کرلی تو نور الدین کو لکھا۔ دمشق کی طرف بڑھ آئے۔

نور الدین کو خود دمشق پر قبضہ کرنے کی بڑی خواہش تھی۔ اس نے پہلے اپنے سپہ سالار اسد الدین شیر کوہ کو ایک ہزار تیز رفتار سوار دے کر آگے بھیجا اور پھر آپ اپنی پوری فوج کے ساتھ ادھر بڑھا اور دس دن کے سخت محاصرہ کے بعد دمشق پر قبضہ کرلیا۔

ابنِ کثیر نے وضاحت کی ہے کہ دمشق پر قبضہ کرنے میں نجم الدین نے نور الدین کو خوب مدد دی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ فتح کے بعد نور الدین نے نجم الدین کو خوب نوازا[۱]۔

ابنِ کثیر نے اس موقعہ پر صلاح الدین یوسف کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے صلاح الدین پوری تاریکی میں تھے۔ ابنِ کثیر کے الفاظ ہیں:۔

[۱] ابن کثیر جز ۲ ۲۲۳

وجعلہ، من خواصہ لایفارقہ، حضراً ولاسفراً، لانہ، کان حسن الشکل حسن اللعبِ بالکرہ۔

اس نے یوسف صلاح الدین کو اپنے خاص دوستوں میں شامل کر لیا۔ نہ حضر میں اس سے علیحدگی پسند کرتا اور نہ سفر میں۔ ہر جگہ اسے ساتھ رکھتا۔ کیونکہ وہ خوبصورت بھی تھا اور بہت اچھا پولو بھی کھیلتا تھا۔

یہ قصہ ۵۵۰ھ ہجری کا ہے۔ اس وقت صلاح الدین کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ وہ بالغ ہوچکا تھا۔ اور تعلیم کے تمام مدارج ہی طے نہ کر لئے تھے بلکہ شاہسواری اور دوسرے مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں میں بھی پوری مہارت پالی تھی۔

ہمیں افسوس ہے کہ پہلے مؤرخین نے صلاح الدین کے بچپن کے حالات پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی۔

حتّٰی کہ ابنِ شداد بھی جو ہمارے پرانے مؤرخین میں صلاح الدین کا سب سے پہلا سیرت نگار ہے۔ صلاح الدین کے بچپن کے حالات سے چشم پوشی برت گیا ہے اس نے اس باب میں صرف پانچ سطریں قلمبند کی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

فنقل ولدہ، المذکور الی بعلبک المحروسہ واقام بہا۔ فی خدمتہ والدہ تیربّی تحت حجرہ ویرتضع ثدی محاسنِ اخلاقہ، حتی بدت منہ امارات، السعادہ ولامت لوائح التقدم والسیادہ۔ فقدمہ، الملک العادل نورالدین محمود بن زنگی رحمتہ اللہ تعالیٰ وعوّل علیہ ونظر الیہ قربہ وخصصہ[1]

ان کا بچہ، جس کا ذکر پیچھے ہوا، بعلبک منتقل ہوا اور وہاں اپنے باپ کے ساتھ قیام کیا اور اس کے زیر سایہ اور دامن میں تربیت پائی۔ باپ کے اچھے اخلاق سے اثر لیا۔ نیک عادتیں اختیار کیں اور بزرگی، سیادت کی ڈگر پر چل پڑا

[1] ابن شداد سیرت صلاح الدین ۲۴

اسی لئے الملک العادل نورالدین محمود بن زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنے قریب کرلیا اور اپنے مخصوص ساتھیوں میں شامل کر لیا۔)

آخر کا بیان وہی ہے جو ابنِ کثیر کا ہے۔ اوپر کے بیان سے یہ قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ صلاح الدین نے نو سال کی عمر سے لے کر ۲۰ سال کی عمر تک کن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے اور کن مضامین میں خصوص حاصل کیا۔

بہ ہر نوع یہ امر بدیہی ہے کہ نجم الدین ایوب کے اس بیٹے نے وقت کے بڑے معلمین اور محدثین کے حضور حاضری دی اور ضروری علوم پڑھے۔

غالباً دمشق کی فتح کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ نورالدین محمود زنگی نے صلاح الدین کو دیکھا، اور جیسا کہ ہم نے پیچھے لکھا۔ اس پہلی ملاقات میں دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب ہو گئے اور یہی قرب اس عروج کا سببِ اوّل بنا، جو صلاح الدین نے بعد میں پایا۔

ماحول

ماحول

عماد الدین زنگی

صلاح الدین نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں، اس کا ذکر یہاں لازمی معلوم ہوتا ہے۔ اس وقت مسلمان قوم کا ایک طرح سے ادبار شروع ہو چکا تھا۔ پورے عالمِ اسلام میں کوئی بڑی شخصیت ایسی نہ تھی جو اسلامی قلمرو کو ایک مضبوط رشتہ میں پروئے رکھتی۔ خلفائے عباسی محض نمائشی تاجدار تھے اور وہ سلجوق جنہوں نے خلفائے عباسی کی سرپرستی اپنے ذمہ لی تھی اور اس طرح کابل و ایران کی سرحدوں سے لے کر شام کے وسطی شہروں تک اپنا سیاسی اقتدار قائم کر رکھا تھا۔ نزع کے عالم میں تھے۔ مصر کے خلفائے بنی فاطمہ بھی ہوا ہوئے سانس لے رہے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صلاح الدین کی پیدائش سے چند سال پہلے ملک شاہ سلجوقی اور نظام الملک طوسی جیسے دو بڑے مسلمانوں نے اس وقت کی ملتِ مسلمہ کا شیرازہ خوب مجتمع کیا تھا۔ ان دونوں نے مسلمانوں کو نہ صرف سیاسی برتری عطا کی تھی مسلمانوں کی اندرونی زندگی یکسر بدل ڈالی تھی اور انہیں وہی برتری عطا کر دی تھی جو انہیں قرونِ اولیٰ میں نصیب ہوئی تھی۔ ملک شاہ کی حکومت شخصی حکومت تھی۔ لیکن رعایا اور مسلمانوں کے حق میں وہ ہزار جمہوریتوں کے اوصاف رکھتا تھا۔ اس نے ہزار جمہوریتوں سے بہتر نظامِ حکومت ملک میں قائم کیا اور کابل سے لے کر حلب تک ایک ایسی ریاست تعمیر کر دی تھی جس میں ظلم و جبر اور زیادتی و فساد کی گنجائش نہ تھی۔

مگر ملک شاہ کے جن پوتوں نے صلاح الدین کے بچپن کے وقت ملک شاہ کی

جگہ لی۔ وہ آپس میں لڑنے اور فساد مچانے میں تو بڑے ماہر تھے۔ حکومت کے نظم و نسق میں انہیں کوئی ملکہ حاصل نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مختلف سردار ایک طرح سے خود مختار ہو گئے تھے۔ ایک طوائف الملوکی تھی جس نے عالم اسلام کو اپنے چنگل میں لے رکھا تھا اور اس پر مستزاد یہ تھا کہ ان سرداروں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو خود کو یروشلم کے عیسائیوں کو شام کے کے سواحل اور وسطی مقامات پر بڑھنے اور پھیلنے سے روک سکتا۔ البتہ صلاح الدین کی پیدائش کے وقت جو عماد الدین زنگی اوپر ابھر رہا تھا۔ اس سے مسلمانوں نے بڑی توقعات وابستہ کر لی تھیں اور یہ امر واقعہ ہے کہ عماد الدین زنگی اس دور میں پہلا مسلمان حکمران تھا جس نے مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کی ناخدائی اس وقت کی جب وہ ڈوبنے کے قریب تھی۔

ہمارے نزدیک عماد الدین سچ مچ، دین کا ستون ثابت ہوا تھا اور اس نے ملت کی گرتی ہوئی عمارت کو اپنے وجود سے سہارا دیا تھا۔ اگر یہ بہادر عماد الدین سامنے نہ آتا تو یروشلم اور یورپ کے عیسائی شام کے مسلمانوں کو قطعاً نگل جاتے۔ شام کا ایک ایک قصبہ اور ایک ایک قریہ عیسائیوں کے زیر اقتدار آ جاتا اور مسلمانان شام کی بدنصیبی پر مہر لگ جاتی۔ یہ عماد الدین زنگی اور اس کا بیٹا نور الدین تھا۔ جن کے سبب عیسائیوں کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

عجیب بات ہے یہ زنگی اسلام کے دامنِ کرم میں آن کر بڑی حیثیت حاصل کرنے والے غلاموں میں سے تھے عماد الدین کا باپ آق سنقر، ملک شاہ سلجوقی کا غلام تھا وہ بڑا ذہین، مدبر، معاملہ فہم اور دانا بینا تھا۔ اپنی ان ہی صلاحیتوں کے سبب، اس نے ملک شاہ سلجوقی کے وزیر دربار "حاجب" کی جگہ حاصل کر لی تھی۔ وہ بادشاہ کا بہت معتمد اور سب سے بڑا وفادار تھا۔ یہ وہی تھا جو حلب کا پہلا سلجوقی نائب بنا اور اس طرح شام سے کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم کر لیا۔

ابن خلدون کا بیان ہے۔ ملک شاہ سلجوقی، حلب والوں کی درخواست پر

جب پہلی بار حلب آیا اور اس پر قبضہ کیا تو آق سنقر، قسیم الدولہ کو اپنا نائب السلطنت مقرر کیا۔ حلب پر حکومت عطا کرنے کے ساتھ آق سنقر کو ایک بڑی فوج بھی دی گئی تھی جسے آق سنقر کبھی شام پر چڑھا لے گیا تھا اور کبھی مصر پر۔ آق سنقر بڑا اسپہ سالار اور اچھا مدبّر تھا۔ حلب کے داخلی امور کی اس نے خوب نگہداشت کی تھی۔[ا]

ابن خلدون جزء ۵ ۲۲۱

اسے اپنے آقا سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اس کی وفات کے بعد، اس کے بیٹے سے بیوفائی نہ کی اور اس کے حق کی حفاظت کرتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہوا۔

آق سنقر جب مرا ہے تو عماد الدین زنگی کی عمر صرف دس سال تھی۔ اس دور کی عام روش کے مطابق وہ اس عمر میں بھی غلامانِ آق سنقر کی عقیدتوں کا مرکز بنا رہا اور جب اس کے باپ کے ایک مملوک، کربوقا کو موصل کی حکومت ملی تو اس کی حیثیت اور بڑھ گئی۔ نوعمری ہی میں اسے سپاہیوں کو لڑانے اور ان کی قیادت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔[۲]

ابن خلدون جزء ۵ ۲۲۲

ابنِ خلدون نے زنگی کی بہادری اور غیر معمولی جرأت کی کئی مثالیں بھی دی ہیں۔

ابنِ خلدون کے بیان کی رو سے، سلطان محمد کی وفات کے بعد جب اس کے دو بیٹوں محمود و مسعود میں تخت کے حصول کے لئے لڑائی ہوئی تو عماد الدین زنگی نے بڑی اہمیت حاصل کر لی۔ وہ سلطان محمود کے معتمد ساتھیوں میں سے ایک تھا۔ محمود نہ صرف اس کا احترام کرتا اس سے بڑے بڑے کام بھی لیتا۔ مثلاً جب واسط اور بصرہ کے نواح میں فساد پھیلا تو محمود نے عماد الدین زنگی ہی کو وہاں بھیجا۔

ابنِ خلدون فرماتے ہیں :-

ولمّا ظہر من عماد الدین زنگی، من الکفاءۃ والغناء فی ولایتہ البصرہ وواسط، ما ظہر، ثم کان لہٗ المقام المحمود مع السلطان محمود وولّاہٗ شحنۃ بغداد والعراق۔

جب عماد الدین زنگی سے بصرہ اور واسط کی صوبیداری کے زمانہ میں ذمہ داری اور احساسِ فرض کے آثار ظاہر ہوئے تو سلطان محمود کے دربار میں اسے بہت اونچا مقام نصیب ہوا اور سلطان نے اسے عراق کی نیابت کا منصب عطا کر دیا۔

ابنِ خلدون کے اس بیان کی رُو سے بصرہ اور واسط کی صوبیداری کے بعد، زنگی کو بغداد اور عراق، کے سلجوقی نائب السلطنت کا عہدہ ملا۔ یہ بہت بڑا عہدہ تھا یہ عہدہ پانے کے بعد زنگی کی سیاسی حیثیت بہت بڑھ گئی۔ اور تھوڑی مدت بعد جب موصل کا والی اس دنیا سے رخصت ہوا تو موصل کی حکومت کی سند بھی اسے نصیب ہو گئی۔

شروع میں گو موصل کی حکومت اسے محمود کی طرف سے عطا ہوئی لیکن محمود کی موت کے بعد اس کی حیثیت، ایک ایسے فرمانروا کی ہو گئی، جو مناصب قبول نہیں کرتے، مناصب عطا کرتے ہیں۔

وہ بہت جی دار، حوصلہ مند اور دانا فرمانروا ثابت ہوا، اس نے شروع میں نہ سلجوقی دربار سے الجھنا مناسب سمجھا، نہ خلیفہ بغداد سے کوئی دشمنی مول لی۔ البتہ جب اس کی حیثیت مستحکم ہو گئی تو اس نے ان دونوں بالا قوتوں سے بے نیازی برتی اور خود ایک بالا قوت بن گیا۔

ابن اثیر نے عماد الدین کی بہت سی خوبیاں گنوائی ہیں۔ اس کی دوراندیشی اور معاملہ فہمی اور ضبط و نظم اور تدبر کی مثالیں[۱] دی ہیں۔

یقیناً یہ اچھے اوصاف، عماد الدین زنگی کی سیرت کے بہت نمایاں پہلو ہیں، مگر جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا۔ عماد الدین زنگی کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے اس وقت کے مسلمانوں کی ایسے نازک موقعہ پر، قیادت وحفاظت کی۔ جب یروشلم اور یورپ کے عیسائی مل کر ان کی زندگی کا چراغ بجھانے پر تُلے تھے۔

[۱] ابن اثیر جز ۱۱ - ۴۲

ابن خلدون اور ابن کثیر دونوں راوی ہیں کہ عیسائیوں کے حوصلے اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ وہ جب چاہتے۔ حلب کے نواح میں پہنچتے اور مسلمانوں کو بڑی بے رحمی سے لوٹ لیتے۔ اس ظلم میں یورپ کے "مجاہدین" بھی بڑے فخر کے ساتھ شریک ہوتے۔ کبھی انطاکیہ سے مجاہدین کے قافلے ادھر آن نکلتے اور کبھی روما کے مجاہدین ان بے چاروں کے سروں پر مسلط ہو جاتے[1]۔

لین پول نے اعتراف کیا ہے کہ عیسائی مجاہدین کی یہ روش بڑی ظالمانہ تھی۔

"یقیناً یہ روش بڑی ظالمانہ تھی۔ مگر اسے عیسائیوں نے محض اس لئے اختیار کیا تھا۔ کہ حلب کے مسلمان بزدل اور کمزور تھے اور ان کے ہمسایہ ملکوں میں جن مسلمان فرمانرواؤں کی حکومت تھی۔ ان میں اسلامی اخوت موجود نہ تھی۔ گو سلطان مسعود بھی شاہی پھریرا ادھر ادھر لہراتے پھرتے۔ گو خلیفہ بغداد بھی زندہ تھے۔ لیکن یہ کسی میں جوہر نہ تھا کہ حلب کے بدنصیب مسلمانوں کی مدد کو پہنچتا۔"

یہ پکار عماد الدین زنگی نے ۵۲۲ھ میں نہ صرف سنی۔ بازکی سی تندی سے اڑتا حلب پہنچا اور عیسائی فوج کو نہ صرف شکست دی بلکہ اس کا تعاقب کرتا اس کی سرحدوں میں جا داخل ہوا[3]۔

لین پول نے اعتراف کیا ہے کہ عماد الدین حلب اور اس کے نواح میں ایک سال رہا اور عیسائیوں کو خوب ستاتا اور مارتا رہا[4]۔

ابن خلدون کے بیان کی رو سے عماد الدین نے حلب کو اپنی حکومت میں شامل کرنے اور وہاں کے مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کے بعد حلب کو ایک بڑی جنگی چھاؤنی کی حیثیت دے دی۔ وہ ۵۲۴ھ ہجری میں پھر یہاں آیا اور حصن الاثارب پر، جو عیسائیوں کا ایک بڑا اڈہ تھا، یلغار[5] کی۔ یہ شہر حلب سے تین فرسخ کے فاصلے پر تھا اور وہاں عیسائیوں کی ایک بڑی فوج، زنگی کی راہ روکنے کے لئے موجود تھی۔ اس فوج نے آگے

[2] ابن کثیر ج ۱۲ ص ۲۰۳

[3] ابن خلدون ج ۵

[5] ابن خلدون، ابن اثیر، ابو الفدا

بڑھ کر اس سے لڑائی بھی کی مگر زنگی آندھی کی سی تندی اور سیلاب کے سے زور کے ساتھ انہیں گھیرے میں لیتا آگے کو بڑھا۔ یہاں تک کہ اس نے محاصرہ مکمل کر لیا۔

ادھر محاصرہ مکمل ہوا۔ ادھر یروشلم کے بادشاہ بالڈون نے صورتِ حال سے باخبر ہو کر ایک جرار فوج بھیج دی۔

لین پول کہتا ہے کہ یہ فوج جب حصن الاثارب کی طرف چل پڑی تو زنگی کی فوج کے اعیان و اکابر گھبرا گئے تھے اور اس کو لوٹ جانے کا مشورہ دیا تھا۔

ہم نہیں کہہ سکتے۔ لین پول نے یہ بیان کس ماخذ سے لیا ہے اور آیا اس میں کتنی صداقت ہے۔ البتہ یہ امر واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں عیسائیوں سے مسلمان اچھے خاصے مرعوب تھے۔ لیکن اللہ کے اس مجاہد بندے نے مسلمانوں کی اس مرعوبیت کو دور کرنے کے لئے بڑی بیباکی کے ساتھ اس طرف پیش قدمی کی۔ جدھر سے انطاکیہ کی عیسائی فوج بگل بجاتی اور شور مچاتی بڑھی چلی آ رہی تھی حصن الاثارب سے تھوڑے فاصلہ پر عیسائیوں اور زنگی میں پہلا بڑا مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف کے لوگ بڑی جرأت سے لڑے، عیسائی اپنی طاقت پر بہت مغرور تھے۔ وہ شروع میں تو خوب بڑھ بڑھ کر حملے کرتے رہے۔ لیکن زنگی کی مرتب فوج نے کچھ اس طرح دفاع کیا کہ عیسائیوں کی تلواریں بہت جلد کُند پڑ گئیں اور وہ یوں ذبح ہوئے جیسے بھیڑ بکریاں ذبح ہوتی ہیں۔

انطاکیہ کی اس فوج میں بڑے بڑے امرا مذہبی زعما اور نامی گرامی شاہسوار شامل تھے۔ یہ سب کے سب ایک جیسی بزدلی کی موت مرے اور ابن خلدون کے بیان کے مطابق، ان کی ہڈیاں کوئی ساٹھ سال تک اس میدانِ جنگ میں بکھری پڑی رہیں[1]۔ [1] ابن خلدون جز ۵ ۲۲۸

لین پول کہتا ہے۔ زنگی حصن الاثارب کے اس میدانِ جنگ میں، انسانی خون کی ندی میں تیرا۔ لین پول کی قوم نے اسے سینگوئن یا خونی کا لقب[2] دیا۔ لین پول ۴۶

لیکن لین پول اور اس کی قوم شائد زنگی کو یہ خطاب دیتے وقت اپنے خونیں کارنامے

بھول گئی تھی۔

بہرنوع زنگی کا یہ پہلا عظیم جہاد تھا جس سے اس کی شہرت اکناف عالم میں پھیل نکلی اور مسلمان اسے اپنا محافظ سمجھنے لگے! حصن الاثارب کی فتح کے بعد زنگی حارم پہنچا۔ اور اسے بھی فتح کر لیا۔

قلعہ حارم کی فتح گو حصن الاثارب اتنی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ لیکن اس سے زنگی کی حیثیت بہت بڑھ گئی تھی۔ اور ابن خلدون کے قول کے مطابق، انطاکیہ کے آس پاس کے عیسائی باشندے بہت مرعوب ہو گئے تھے[1]

ابن خلدون جز ۵ ۲۲۹ ابن الاثیر جز ۱۱ ۸

قلعہ حارم کی فتح کے بعد زنگی نے پیش قدمی نہیں کی، حلب کی طرف لوٹا اور دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ زنگی کا خیال تھا۔ اگر دمشق اس کے قبضہ میں آ جائے تو وہ عیسائیوں کے خلاف مضبوط محاذ کھول سکتا ہے۔ خود عیسائی بھی یہ جانتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عیسائیوں نے دمشق کے محاصرہ کے وقت محصورین کی مدد کی اور زنگی کو ناکام لوٹنا پڑا۔

زنگی اس بار جب موصل پہنچا تو ملک کے سیاسی حالات کچھ عجیب طرح الجھ گئے تھے۔ بغداد، اور اس سے ملحقہ علاقوں حتی کہ آذربائیجان، اصفہان، قزوین اور اہواز تک کے والی، مسعود کی جگہ مرحوم سلطان محمود کے بیٹے داؤد کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ انہیں خلیفہ بغداد کی سرپرستی حاصل تھی۔ بعد میں زنگی بھی اس محاذ میں جا ملا۔ سلطان داؤد خلیفہ راشد اور زنگی میں ایک دوسرے کی امداد کے لئے ایک مضبوط معاہدہ طے ہوا۔ راشد نے زنگی کو دو لاکھ دینار بھی بھجوائے۔ لیکن سلطان سلجوق شاہ نے عین موقع پر پہنچ کر اس رقم پر قبضہ کر لیا اور یہ سازش ناکام بنا دی[2]۔ راشد معزول ہوا اور زنگی نے مسعود کے ساتھ صلح کر لی۔

[2] ابن خلدون جز ۵ ۲۳۱ ابن الاثیر جز ۱۱ ۱۵

جب بغداد کے سیاسی حالات یہ صورت اختیار کر رہے تھے۔ زنگی کا نائب امیر حلب، عیسائیوں کی قلمرو میں گھسا ہر طرف خوف و ہراس پھیلائے تھا۔ وہ لاذقیہ اور شیزر

تک جا پہنچا اور عیسائیوں کی خوب مزاج پرسی کی۔

اگلے سال شوال ۵۳۱ھ میں زنگی اپنی پوری فوج کے ساتھ موصل سے شام آیا۔ اور بلادِ افرنگ پر یلغار کی۔ اس کا سب سے پہلا حملہ بعرین پر ہوا جو افرنگیوں کے بہت مضبوط اور اہم قلعوں میں سے تھا۔

ابنِ خلدون کا بیان ہے کہ افرنگیوں نے اس قلعہ کی مدافعت بہت بہادری سے کی۔ وہ دور دور سے یہاں پہنچے، لیکن زنگی کے سامنے کوئی پیش نہ گئی اور اس نے نہ صرف انہیں میدانوں میں شکستیں دیں۔ قلعہ کے اندر بند کر کے سخت تکلیف پہنچائی[۱]۔ ابن اثیر جز ۱۱

ابنِ خلدون فرماتے ہیں کہ جب بعرین کا محاصرہ جاری تھا، عیسائی راہب، پادری اور بشپ بلادِ روم و افرنگ میں پہنچ چکے تھے اور پورے یورپ کے عیسائیوں کو محصورینِ بعرین کی مدد پر اکسا رہے تھے[۲]۔ خلدون جزء ۵ ص ۲۴

زنگی کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ محصورین کی امداد کے لئے روما سے فوجیں روانہ ہو چکی ہیں۔ اس لئے اس نے محاصرہ میں بہت سختی سے کام لیا اور پچاس ہزار اشرفی پر تمام محصورین کو امان دے کر انہیں قلعہ سے باہر جانے کی اجازت دے دی۔ ابن اثیر جز ۱۱

بعرین کی فتح کے دوران میں زنگی نے المعرہ اور کفر طاب بھی فتح کر لئے تھے اور ابھی رومی فوج شام کے ساحل پر نہ اتر پائی تھی کہ زنگی ان تینوں مقامات پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد بعلبک پر حملہ آور ہو چکا تھا۔

شاہ روم، جب ساحلِ شام پر اترا تو ہر طرف زلزلے لہرا گئے۔ لین پول کہتا ہے شاہ روم کے ساتھ جو اطالوی شہزادے تھے۔ وہ سخت عیاش اور بد اخلاق تھے اور شاہِ روم ان کی بد اخلاقی سے بہت تنگ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب تھوڑی مدت بعد شیزرہ کے مقام پر، اتابک زنگی اور اس کی فوج میں مقابلہ ہوا تو شاہ روم نے پسپائی اختیار کی اور اٹھارہ منجنیقیں اور دوسرا سامانِ حرب زنگی کے لئے چھوڑ گیا[۳]۔ لین پول ص ۴۳

شیرز کی یہ لڑائی بھی بڑی دلچسپ ہے۔ ابن الاثیر نے اس کی تفصیل بیان کی ہے کہ جب شاہِ روم، سواحلِ شام پر زلزلے لہراتا شیرز کی شہر پناہ کے سامنے پہنچا تو اس کی تعلی کی کوئی حد نہ تھی۔ شیرز کی شہر پناہ کو مجروح کرنے کے لیئے اٹھارہ بڑی بڑی منجنیقیں شہر کے چاروں طرف نصب کر دی گئی تھیں اور ہر لمحہ ان کی مدد سے شہر پناہ پر کئی کئی من کے پتھر برسائے جا رہے تھے لیکن جیسے ہی شیرز کے مسلمانوں کی مدد پر عماد الدین زنگی آن پہنچا تو رومیوں کی نہ کوئی تعلی باقی رہی اور نہ جوش و خروش ہی۔

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ عماد الدین شیرز سے تھوڑے فاصلہ پر بہنے والی نہر العاصی کے کنارے اترا تھا اور اس میں اور رومی فوج میں پہاڑ حائل تھے۔ عماد الدین نے شاہِ روم کو لکھا:۔

تم میں اور مجھ میں پہاڑ حائل ہے۔ پہاڑ سے میدان میں اتر آؤ اور ہم اور تم خوب جی کھول کر لڑ لیں، تم اگر جیت گئے تو تمہارے مزے ہوں گے اور اگر ہم جیتے تو مسلمان تم سے نجات پائیں گے۔

ابن الاثیر جز ۲۲

لیکن شاہِ روم اور اس کے امرا تو بقول لین پول، محض جہاد کا ثواب اور لوٹ مار کا مزہ لوٹنے آئے تھے۔ ان میں سے کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی کہ عماد الدین کے چیلنج کو قبول کر لیتا۔ یہ چیلنج قبول کرنے کی بجائے شاہ روم اور اس کے ساتھی عماد الدین کے فوجی دستوں سے معمولی جھڑپیں لینے سے بھی محترز ہوئے اور چھاؤنی اٹھا کر شیرز سے چل دیئے اور بقول لین پول اپنا سارا بھاری سامان شیرز ہی میں چھوڑ گئے کہ بہادر عماد الدین زنگی کے کام آئے۔

رومی تو منہ موڑ کر چل دیئے۔ لیکن عماد الدین زنگی نے انہیں نہیں چھوڑا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ لوٹتے وقت شام کے مسلمانوں کی بستیاں جلانے اور ویران کرنے سے باز نہیں رہیں گے۔ اس لئے اس نے ان کا تعاقب کیا۔ وہ ان کا تعاقب کرتا اس وقت تک ساتھ ساتھ رہا۔ جب تک انہوں نے شام کے ساحل کو چھوڑ نہیں دیا۔

شاہِ روم اپنے ملک کو لوٹا تو زنگی نے اپنی قوت و طاقت مجتمع کی اور شہرزور اس کے اعمال اور اکثر دیارِ ابی بکر پر قبضہ کر لیا۔

ابن خلدون کے بیان کی رو سے ۵۳۷ھ ہجری میں زنگی نے حمص، بعلبک اور شام کے اکثر اضلاع اپنے تابع کر لئے تھے۔ اور وہ اس علاقہ کا سب سے بڑا فرمانروا بن گیا تھا۔ ابھی تک وہ خود کو سلجوقی بادشاہوں کا نائب ظاہر کرتا تھا۔

گو سلجوقی دربار کے بعض امراء اس کی بڑھتی ہوئی قوت و طاقت سے سلطان مسعود کو متوحش کرنے میں سرگرم تھے، اس کے باوجود اس نے سلجوقی تاجدار سے وابستگی قائم رکھی تھی۔ اس کا ایک بیٹا غازی شاہی دربار میں (بہ طورِ ثبوتِ وفاداری) موجود تھا۔

ابن خلدون فرماتے ہیں کہ ۵۳۸ھ ہجری میں سلطان مسعود کو بعض لوگوں نے اتابک کے خلاف اس حد تک اکسا دیا تھا کہ وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ اس ارادہ سے بغداد آیا کہ موصل پر چڑھائی کرے گا۔ زنگی کو سلطان کے اس ارادہ کی جیسے ہی خبر ہوئی اس نے اپنے نامہ بر حضورِ شاہ میں بھیجے اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور ایک لاکھ اشرفی نذر کرنے کی پیشکش بھی کی۔ جن میں سے بیس ہزار اشرفیاں تو اسی وقت بھجوا دیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جب یہ گفتگو چل رہی تھی۔ زنگی کا بیٹا غازی شاہی دربار سے بھاگ نکلا تھا، زنگی نے شہر کے دروازے اس پر بند کر دیئے اور اسے حکم دیا، شاہی دربار میں لوٹ جائے۔ ساتھ ہی بادشاہ کو خط لکھا۔ "میرا بیٹا آپ کی عدمِ توجہ کے سبب خوف زدہ ہو کر میرے پاس بھاگ آیا۔ میں اسے حضورِ شاہ میں لوٹا رہا ہوں۔ آپ اسے اپنا خادم پائیں گے اور میں بھی آپ کا خادم ہوں اور میرے تابع شہر سب آپ کے ہیں۔"[1]

زنگی کے اس خط نے سلطان کو بہت متاثر کیا اور اس نے اس سے نہ صرف مصالحت کر لی بلکہ اسے اپنے اعتماد کا پروانہ عطا کر دیا۔

ادھر سے سکون پا کر زنگی نے باقی ماندہ دیارِ بکر کی فتح پر توجہ کی اور طرہ، اسود، حران

---

[1] ابن خلدون جز ۵ - ۲۳۵ -

اور حصن الازرق، بلادِ ماردین، حملین، مودن، تل موزر اور سجستان کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا اور یوں اپنی سیاسی عظمت پر مہر لگادیؔ۔

ابن خلدون جلد ۲۳۵

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عماد الدین زنگی نے بہت سے مسلمان حکمرانوں سے ان کے تاج و تخت چھینے۔ دمشق پر دو بار حملہ آور ہوا۔ اس کے باوجود وہ شام و موصل کے مسلمانوں کا محافظ اور ان کا قومی ہیرو تھا۔ اس نے یروشلم کے عیسائیوں کے خلاف لڑ کر خود کو مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز بنا دیا تھا اور وہ اس کے لئے دن رات دعائیں کرتے رہتے تھے۔

عماد الدین نے عیسائیوں سے سب سے بڑی لڑائی الرہا پر لڑی جو دیار بکر اور شام میں عیسائیوں کی سب سے بڑی پناہ گاہ تھی اور جس کے فرمانروا جوسکین نے مسلمانانِ شام پر انتہائی مظالم کئے تھے۔

لین پول نے جوسکین کو جوسلین لکھا ہے اور اعتراف کیا ہے کہ مسلمان اسے اس کے مظالم کے سبب شیطان سمجھتے تھے۔

اسی شیطان کے خلاف، زنگی نے ۵۳۹ہجری میں یلغار کی۔ وہ پہلے آمد آیا، اس کا محاصرہ کیا، ابھی یہ محاصرہ جاری تھا اور لڑائی فیصلہ کن مرحلہ میں داخل نہ ہوئی تھی کہ زنگی نے دفعتہً محاصرہ ترک کر دیا اور الرہا کی طرف بڑھا، ابن خلدون فرماتے ہیں کہ زنگی جب الرہا پہنچا تو جوسکین وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔

ابن خلدون نے اس دور کی تاریخ کے اس بہت بڑے واقعہ کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن ابن اثیر نے اس کی پوری تفصیل دی ہے۔

ان کا بیان ہے کہ آمد کے محاصرہ کے دوران میں ایک دن اچانک زنگی نے اپنے خدام کو حکم دیا۔ دسترخوان بچھائیں اور جلدی سے کھانا چن دیں، حسبِ دستور امرا کا ایک جمِ غفیر دسترخوان پر آن بیٹھا۔ زنگی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

لا یاکل معی علیٰ مائدتی ہذہٖ الا، من لطیفن غدا معی بباب الرہا۔

الرہا کے دروازوں پر دستک دینے والا ہی کل کے دن ہمارے دسترخوان پر ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکے گا کوئی دوسرا نہیں

یہ بات، کہہ کر اس نے جلدی جلدی کھانا کھایا۔ سواری منگوائی، اس پر چڑھا اور الرہا کی طرف چل دیا، ساتھ ساتھ فوج بھی چلی۔ دوسری صبح زنگی الرہا کے دروازہ پر دستک دے رہا تھا۔

وہ پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے دشمن پر حملہ کیا۔ ابن اثیر جز ۱۱ ۳۴

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ الرہا کے لوگوں نے شدید مدافعت کی۔ وہ بڑی بہادری اور جرأت کے ساتھ زنگی سے دوچار ہوئے اور متواتر ۲۸ دن تک محاصرہ کی شدت برداشت کرتے رہے۔ ۲۸ دن کے بعد، شہر پناہ سنگ باری کے سامنے ہار گئی۔ اس میں کئی شگاف پڑ گئے اور زنگی کی فوج اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتی ہوئی شہر میں داخل ہو گئی۔

لین پول ایک عیسائی مورخ کے حوالہ سے کہتا ہے کہ مسلمان فوج نے خوب لوٹ مار کی۔ اور بیواؤں اور یتیموں تک کو قتل کر دیا۔

مگر ابن اثیر سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ زنگی جب شہر میں داخل ہوا اور اس نے شہر کی حالت دیکھی تو اسی وقت حکم دیا۔ رعایا کے جان و مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور جہاں کہیں کوئی رہتا تھا وہیں رہنے دیا جائے[۲] ابن اثیر جز ۱۱ ۳۸

نہ صرف اس نے لوٹ مار سے لوگوں کو روکا بلکہ فوج کے جس سپاہی نے شہر سے کوئی چیز لی تھی، یا جس عورت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ وہ جوں کی توں واپس لوٹا دی تھی اور سارا شہر بالکل اسی حالت پر آ گیا جس حالت میں جنگ سے پہلے تھا۔ اس میں سرِ مو کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

ابن اثیر کے الفاظ ہیں:۔

فردوا الجمیع عن آخرہ لم یفقد منہ شیٔ الا الشاذ النادر فعاد البلد علیٰ

حالہ الاول[1]

تمام کے تمام لوگوں نے ہر چیز واپس کر دی اور اس میں سے کوئی چیز بھی کم نہ ہوئی اور شہر اپنے اصل حال پر آگیا،

بہر نوع زنگی کی یہ فتح عیسائیوں کے خلاف مسلمانوں کے جہاد کے پہلے دور کی سب سے بڑی فتح تھی۔ اس فتح نے البیرہ کے سوا باقی تمام ان شہروں پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔ جو فرات کے مشرق میں عیسائیوں کے قبضہ میں کوئی ایک سو سال[1] سے چلے آ رہے تھے۔ الرہا کی فتح کے بعد زنگی کوئی دو سال زندہ رہا۔ الرہا ۵۳۹ھ ہجری میں فتح ہوا۔ اور زنگی نے ۵۴۱ھ ہجری میں حصیر وفنک کا محاصرہ کیا۔ اسی محاصرہ کے دوران میں زنگی کے چند سرکش اور غیر ذمہ دار غلاموں نے اسے رات کے وقت شہید کر دیا[2]۔

ابن اثیر نے اس کی شہادت کا ذکر کرنے کے بعد اس کے اوصاف بیان کئے ہیں فرماتے ہیں۔ وہ وجیہہ گندمی رنگ کا اور خوبصورت آنکھوں والا تھا۔ اس کے سپاہی اس سے بہت ڈرتے مگر رعایا اس سے بے پناہ محبت کرتی۔ وہ بڑا سیاستدان تھا اس کے دور میں کسی ظالم کی مجال نہ تھی۔ کمزور پہ ہاتھ اٹھائے۔ اس نے جب حکومت کا کام اپنے ہاتھ میں لیا تو اس کی رعایا کی حالت بہت خراب تھی۔ شہر بے آباد اور بے رونق تھے۔ اس نے رعایا کی حالت سدھاری، انہیں خوشحالی کی نعمت بخشی اور شہروں کو آباد کیا۔ وہ جب موصل میں آیا تو موصل میں بے شمار باغات لگے اور یہ پھلوں کی پیداوار کے لحاظ سے تمام شہروں سے بازی لے گیا تھا۔

وہ غیر معمولی بہادر اور بڑا غیرت مند فرمانروا تھا۔

یہ تھا وہ عماد الدین زنگی جس نے ساٹھ برس کی عمر میں شہادت پائی اور اس کی جگہ اس کے دو بیٹوں سیف الدین غازی اور نور الدین محمود نے لی۔

سیف الدین صرف دو سال زندہ رہا۔ اس کی شخصیت زیادہ نہیں ابھری۔ البتہ

---

[1] ابن اثیر جز ۱۱ - ۲۸ - ابن خلدون جز ۵ - ۲۲۷ - ابن اثیر جز ۱۱ - ۴۰ -

نورالدین محمود جو پہلے حلب کا اور پھر پورے شام، موصل کا والی بنا اور باپ کا صحیح جانشین ثابت ہُوا۔ اس نے باپ کی طرح عیسائیوں سے کئی کامیاب لڑائیاں لڑیں اور شمال میں مرعش، جنوب میں قلعہ بانیاس اور بصرہ تک ایک منظّم و متحدہ حکومت قائم کر دی۔

صلاح الدین کا بچپن اور جوانی اس نورالدین زنگی سے بہت وابستہ ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ صلاح الدین کے باپ اور چچا شیر کوہ، نورالدین زنگی کے دستِ راس تھے۔ نورالدین کے سیاسی عروج میں ان دونوں نے بڑا حصّہ لیا تھا خصوصیت سے شیر کوہ تو، نورالدین کی ساری جنگی مہموں کی کامیابی کا اصل باعث تھا۔ یہ وہی تھا جس نے نورالدین کے سیاسی اقتدار کو مصر تک وسعت بخشی اور اس مملکت کا خاتمہ کیا جسے عبّاسی اپنے دورِ اقتدار میں بھی توڑ نہ سکے تھے۔

عملی زندگی

مصر پہلی تربیت گاہ
مصر پر دوسرا حملہ
مصر پر تیسرا حملہ

مصر پہلی تربیت گاہ

نہیں کہا جا سکتا کہ دمشق کی فتح کے بعد اگر مصر کے حالات دفعتاً خراب نہ ہوتے اور وہاں کا ایک معزول شدہ وزیر دمشق نہ آتا، اور نورالدین سے مصر پر حملہ کی درخواست نہ کرتا تو صلاح الدین کی عملی زندگی کا آغاز کب ہوتا۔

بہرحال شاور، دمشق آیا اور اس نے نورالدین سے فوجی امداد کی درخواست کی اور شام کی فوجیں مصر پر حملہ آور ہوئیں۔

اس وقت تک مصر فاطمی خلفا کے زیرِ اقتدار تھا۔ ان کے ایک جدِّ اعلیٰ المعز الدین اللہ نے ابنِ کثیر کی روایت کے مطابق ۳۶۲ھ ہجری میں مصر پر فوج کشی کی تھی۔ المعز الدین اللہ بن القائم ابن المہدی عبیداللہ، پہلا فاطمی خلیفہ تھا جو المہدیہ سے چل کر مصر پہنچا تھا اور مصر پر فاطمی جھنڈا لہرایا تھا۔[۱]

فاطمی، مصر پر حکومت کرنے سے پہلے افریقہ کے تاجدار تھے۔ عبیداللہ المہدی، نے اس خلافت کی بنیاد ۲۹۷ھ میں رکھی اور اس کی اولاد افریقہ میں پینسٹھ سال حکومت کرنے کے بعد مصر کی طرف بڑھی۔[۲]

ابنِ خلکان فرماتے ہیں کہ کافور الاخشیدی صاحبِ مصر کی موت کی خبر جیسے ہی المعز لدین اللہ کو ملی۔ ویسے ہی اس نے اپنے معتمد غلام اور سپہ سالار جوہر کو ایک بہت بڑی فوج دے کر مصر کی طرف بھیج دیا۔ اس فوج کی روانگی کے وقت المعز الدین اللہ نے شاہی خزانہ میں سے پانچ سو بوجھ اشرفیاں نکلوائیں اور فوج میں بانٹی تھیں۔[۳]

[۱] ابن کثیر جز ۱۱، ۲۶۲

[۲] ابن خلکان جز ثانی ۲۰۳

[۳] ابن خلکان جز ثانی ۲۱۳

یہ فوج اس ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ مصر کی طرف چلی۔ مصر میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس فوج کو کہیں روک سکتا۔ جوہر نے قدم قدم پر کامیابی حاصل کی اور اپنے آقا کو لکھا۔ یہاں آئیں المعز لدین اللہ، صفر ۳۶۲ھ ہجری میں سکندریہ پہنچے اور اس وقت سے لے کر ۵۶۲ھ تک فاطمی خاندان کی حکومت مصر میں قائم رہی۔ کچھ عجیب اتفاق ہے کہ پورے دو سو سال بعد، المعز لدین اللہ کے سپہ سالار جوہر کی طرح نورالدین محمود کا سپہ سالار شیر کوہ مصر کی طرف چلا۔ اس وقت مصر کے خلفاء کی حالت بالکل وہی تھی جو عباسی خلفا کی تھی۔ عباسی خلفا بھی محض نام کے خلفا تھے۔ ان کے اقتدار کا دائرہ صرف شاہی حرم تک محدود تھا اور فوج کے بڑے عہدیدار ان کی جگہ حکومت کرتے تھے[1]۔

یہ شاور جو نورالدین کے پاس آیا تھا۔ پہلے عام رواج کی طرح طاقتور ہونے کی وجہ سے، مصر کا عملاً سلطان تھا جب ضرغام نے اس سے زیادہ قوت پالی۔ تو شاور معزول ہوا اور فاطمی خلیفہ اور مصر کے لوگوں نے ضرغام کو اپنا سلطان مان لیا تھا۔

شاور کی ہڈی سخت تھی۔ اس نے ہار تسلیم نہ کی۔ اگر شاور ہار تسلیم کر لیتا تو مصر پر حملہ کی جرأت نورالدین کو نہ ہوتی۔

یہ حملہ ۵۵۹ھ ھجری میں ہوا[2]۔ شاہی فوجیں شیر کوہ اور صلاح الدین کی قیادت میں شام سے مصر کی طرف روانہ ہوئیں۔ ابن شداد فرماتے ہیں کہ صلاح الدین چچا کے ساتھ جانا نہ چاہتا تھا۔ اسے نورالدین کی صحبت بہت عزیز تھی۔ مگر چچا نے اسے اس کی مرضی کے بغیر ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ نورالدین نے بھی اسے سمجھایا۔

ہراول دستے اس کی قیادت میں دیئے گئے تھے۔ وہ آگے آگے چل رہا تھا اور چچا پیچھے پیچھے آرہے تھے۔

اس وقت جب نورالدین نے یہ فوج مصر کی طرف روانہ کی۔ وہ خود عیسائیوں سے

---

[1] ابن شداد، ۲۲ [2] ابن ۲۳۔ ابن شداد نے حملہ کی تاریخ جمادی الاولی ۵۵۹ھ لکھی ہے۔

اُلجھنے کے لئے ان کے حدود میں داخل ہوا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عیسائی اس سے لپٹے رہیں اور ضرغام کی مدد کے لئے مصر جا نہ سکیں۔ یہی ہوا، عیسائی اس سے بچاؤ کرتے رہے۔ اور شیرکوہ کی فوج مصر کی حدود میں پہنچ گئی۔

بلبیس کے مقام پر، مصری فوج جو ضرغام کے بھائی ناصرالدین کے ماتحت تھی۔ شامی فوج کے مقابلہ میں آئی اور شکست کھا کر بھاگی۔ اسدالدین اس کا تعاقب کرتا، قاہرہ آیا، قاہرہ پر ضرغام نے خود مدافعت کی۔ مگر ناکام ہوا۔ اس کے ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ وہ ان ہی کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترا اور شاور نے پھر خلعتِ وزارت پہنی

ابن اثیر جز ۱۱ ۱۲۲

ابن اثیر کہتے ہیں کہ اسدالدین شیرکوہ، شہر میں داخل نہ ہوا تھا۔ وہ شہر سے باہر اترا تھا۔ شاور نے جب خلعتِ وزارت پہن لی تو ان تمام مواعید سے پھر گیا جو نورالدین اور اسدالدین سے کئے تھے۔ وہ نہ صرف ان مواعید سے پھرا، اس نے بڑی سردمہری کے ساتھ اسدالدین کو حکم دیا۔ شام لوٹ جائے

ابن خلدون جز ۵ ۲۷۹ ابن کثیر جز ۱۲ ۲۴۸

اسدالدین شیرکوہ ایسا آدمی نہ تھا جسے کوئی اس آسانی سے دھوکا دے سکتا۔ اس نے آگے بڑھ کر بلبیس پر قبضہ کر لیا اور اپنی فوج مشرقی مصر میں پھیلادی۔ اب مشرقی مصر اسدالدین کا تھا اور قاہرہ شاور کا۔

شاور نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اپنے پرانے حلیف عیسائیوں سے متوجہ ہوا۔ اس نے انہیں اس بات سے ڈرایا کہ نورالدین اگر مصر پر قابض ہو گیا تو ان کی زندگی ایک مستقل خطرہ میں پڑ جائے گی۔

یہ ایک امر واقعہ تھا۔ عیسائی خود اسے محسوس کر رہے تھے۔ اس لئے بادشاہِ قدس نے ایک بڑی فوج جمع کی۔ نورالدین کے پاس جب اس کے جاسوس یہ خبر لائے تو اس نے وقعہ کی نزاکت کو پہچانا اور پوری تیزی کے ساتھ افرنجی حدود پر حملہ آور ہوا۔ گو عیسائی فوج کے لئے یہ ایک بڑی رکاوٹ تھی۔ مگر مصر پر قبضہ کا لالچ معمولی نہ تھا۔ بادشاہِ قدس نے

کچھ فوج دفاع کے لئے چھوڑی اور باقی ماندہ کے ساتھ مصر کی طرف یلغار کی۔ کچھ عجیب اتفاق ہوا۔ یورپ کے بہت سے بنرد آزمائی جہازوں میں لدکر بیت المقدس کی زیارت کے لئے شام آرہے تھے۔ قدس کے بادشاہ نے ان میں سے کچھ کے سپرد فلسطین کی حفاظت کی ذمہ داری کی اور کچھ کو اپنے ساتھ لے لیا۔

اودھر اسدالدین شیرکوہ کو جب عیسائیوں کی آمد کا علم ہوا تو اس نے مشرقی بلاد میں پھیلی فوج سمیٹ لی اور بلبیس پہنچ کر قلعہ بند ہوگیا۔ شاور کی فوج اور عیسائی فوج، دونوں یہاں آن پہنچیں اور تین مہینہ تک شہر کے باہر پڑی رہیں۔

ابنؒ اثیر فرماتے ہیں۔ گو شہر پناہ بہت کوتاہ اور کمزور تھی۔ اس کے باوجود اسدالدین شیرکوہ نے ان دونوں فوجوں کی ایک نہ چلنے دی۔ وہ بڑی بہادری کے ساتھ اپنے دشنوں کو ان کے خلاف لڑاتا اور متواتر تین مہینہ تک انہیں مارتا اور پریشان کرتا رہا۔

اِدھر یہ عالم تھا، اُدھر نورالدین محمود نے ان کی حدود پائمال کردی تھیں۔ اس نے پہلے قلعہ حارم ان سے چھینا اور پھر بانیاس پر حملہ کردیا۔

قلعہ حارم عیسائیوں کے مضبوط ترین قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کے سقوط کی خبر نے بادشاہِ قدس کے حواس ٹھکانے کردیئے۔ اور اس نے شیرکوہ سے مصالحت کی گفتگو کی۔ چونکہ اسدالدین شیرکوہ کو نورالدین کے حالات معلوم نہ ہوئے تھے اور نہ وہ یہ جانتا تھا کہ نورالدین نے کس مقام پر لڑائی چھیڑ رکھی ہے۔ اس لئے اس نے اس گفتگوئے مصالحت کو اپنے حق میں مفید جانا۔ عیسائیوں کے شرائط قبول کرلئے۔ عیسائیوں کے شرائط تھے کہ اسدالدین شیرکوہ، مصر کو بہت جلد خالی کرکے شام لوٹ جائے گا اور مصر کے مقبوضات سے دستبردار ہوجائے گا۔ عیسائیوں کی طرف سے اسدالدین شیرکوہ کو یقین دلایا گیا تھا کہ وہ بلبیس سے اس کے خروج میں مزاحمت نہ کریں گے۔

ابنِ اثیر فرماتے ہیں کہ اسدالدین نے جب بلبیس سے فوج نکالی تو پہلے اپنے بھتیجے

صلاح الدین اور فوج کو رخصت کیا اور خود سب سے آخر میں شہر سے نکلا۔ وہ اس حال میں تھا کہ اس کے ہاتھ میں لوہے کی ایک پچی تھی۔ اس سے وہ سواروں کے گھوڑوں کو مارتا اور انہیں آگے کی طرف ہنکاتا۔ جب سب سپاہ باہر نکل گئی تو وہ شیر کی طرح اوپر کو اچھلا، گھوڑے پر سوار ہوا، اور عیسائی اور مصری فوج کے اندر سے راہ بناتا، اپنی فوج سے جا ملا،

کسی دیدہ دلیر عیسائی سپاہی نے اس کی راہ روک کر اس سے پوچھا، کیا تمہیں عیسائی فوج سے ڈر نہیں لگتا۔ تو اس نے قسم کھا کر کہا۔ اگر یہ فوج میری راہ روکنے کی جرأت کرے گی۔ تو ہماری تلواریں ہمارا ساتھ دیں گی اور ہم سے کوئی آدمی اس وقت تک قتل نہ ہوگا۔ جب تک دشمن کے کئی آدمی تہ تیغ نہ کرلے گا۔

ابن اثیر کے الفاظ ہیں:

ابن ا واللہ اضع السیف، فلا یقتل منا رجلٌ حتیٰ یقتل منھم رجالٌ"۔

ابن اثیر یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب اسد الدین شیر کوہ، مصر سے واپس ہو رہا تھا۔ تو عیسائیوں نے دھوکہ سے اس پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے تنگ راستوں میں اس کے لئے گڑھے کھودے تھے۔ لیکن وہ راہ کترا کر نکل گیا اور عیسائی منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

مصر پر دوسرا حملہ

اسد الدین شیر کوہ، گو مصر سے لوٹ آیا تھا مگر اُسے کسی کل چین نہ پڑتا۔ وہ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے نور الدین کو مصر پر فوج کشی کے لیے آمادہ کرتا۔ یہاں تک کہ نور الدین نے اس کے اصرار کے سامنے شکست تسلیم کرلی اور اسے اجازت دے دی کہ مصر پر ایک بار اور حملہ آور ہو جائے۔ اس حملہ کے وقت اس کے ساتھ صرف دو ہزار سوار تھے[1]۔ ابن اثیر جز ۱۱ ۱۳۱

یہ ابن اثیر کا بیان ہے۔ ابن شداد کا خیال ہے کہ اسد الدین شیر کوہ اور نور الدین نے مصر پر دوسرے حملہ کا ارادہ اس وقت کیا جب شاور نے عیسائیوں کو مصر آنے اور اس پر قبضہ کر لینے کی دعوت دی تھی۔ یہ دعوت، ایک بڑے خطرہ کی تمہید تھی۔ یہ دونوں اس خطرہ کو خوب محسوس کرتے تھے اور جانتے تھے کہ اگر عیسائی مصر پر قابض ہو گئے تو ملتِ مسلمہ کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اس لیے انھوں نے اس کے تدارک کے لیے جدوجہد کی۔ اسد الدین شیر کوہ کی دوسری فوج کشی اس خطرہ کے انسداد کی طرف ایک عملی قدم تھا جو اٹھا۔

اس فوج کشی کے وقت بھی صلاح الدین ساتھ لے گئے۔ اس وقت بھی وہ مصر نہ جانا نہ چاہتے تھے۔ لیکن چچا کے اصرار اور نور الدین کے حکم نے انہیں رخت سفر باندھنے پر مجبور کر دیا[2]۔ ابن شداد ۲۴

وہ ۵۶۲ھ ہجری کے ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو مصر کی طرف بڑھے۔ وہ جب مصر

مصر پہنچے تو عیسائی بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ ابن شداد ۴۴

ابنِ اثیر کا بیان، ابنِ شداد کی روایت سے کسی قدر مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ عیسائی فوج مصر اس وقت پہنچی، جب اسدالدین شیرکوہ، مصر پہنچ کر نیل کے غربی کنارے کے شہروں پر قابض ہو چکے تھے اور انہیں مصر پہنچے کچھ اوپر پچاس دن گذر چکے تھے۔ ابن اثیر جز ۱۱ ۱۳۱

بہرنوع دونوں بیرونی فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ مصری بھی عیسائیوں سے آن ملے۔ اسدالدین کے ساتھ صرف دو ہزار سوار تھے اور عیسائی اور مصری اَن گنت اور بے شمار تھے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ یہ سیلاب جب سمٹ کر اسدالدین کی طرف آیا تو اس کے ساتھیوں نے اسے رائے دی۔ نیل کو عبور کر جائے۔ لیکن صلاح الدین اور ایک دوسرے امیر نے اس رائے کی مخالفت کی۔

یہ پہلا موقعہ تھا جب صلاح الدین نے اپنے اونچے مستقبل اور غیر معمولی عزم کی خبر دی تھی۔ اسدالدین شیرکوہ نے ان دونوں کی رائے پسند کی۔ صف بندی کی اور دشمن کے انبوہِ کثیر کے مقابلہ میں ڈٹ گیا۔

ابن اثیر ہی کا بیان ہے کہ قلب صلاح الدین کے سپرد ہوا تھا اور عجب بات ہے۔ دشمن کا حملہ سب سے پہلے مستقبل کے اسی سپہ سالار پر ہوا۔ اس سپہ سالار نے اس دن بڑی دانائی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے بڑے عرب سپہ سالاروں کی طرح دشمن کے ساتھ بڑی حربی چال چلی۔ دشمن جیسے ہی بڑے زور کے ساتھ آگے بڑھا۔ صلاح الدین ویسے ہی اس سے بڑے سکون کے ساتھ لڑتا، پیچھے کو ہٹا۔ دشمن سمجھا۔ صلاح الدین اور اس کے ساتھی اس کے حملہ کی شدت برداشت نہیں کر سکے اور مغلوب ہو گئے ہیں۔

دشمن کے سامنے سے پیچھے کی طرف ہٹ کر صلاح الدین ان صفوں تک آن پہنچا۔ جہاں شیرکوہ منتظر کھڑا تھا۔ دشمن جیسے ہی نیزے لہراتا اور تلواریں گھماتا اس کی صفوں تک آیا۔ وہ اس پر یوں گرا جیسے بھوکا شیر شکار پر گرتا ہے۔ اس

دن صلاح الدین نے اس متحدہ فوج کی خوب خبر لی۔ اسے مولی گاجر کی طرح کاٹا اور نہ صرف کاٹا۔ اس میں سے ہزاروں پکڑ لئے اور انہیں مارتا دور تک ہنکاتا لے گیا۔ یہ صلاح الدین کا پہلا عظیم کارنامہ تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر اور دشمن کو آگے بڑھا کر اپنے اور چچا کے گھیرے میں لے لیا تھا اور اس کی یہی چال دشمن کی ہزیمت کا سبب بنی۔

ابن اثیر نے تعجب ظاہر کیا ہے کہ صرف دو ہزار سواروں نے اتنی بڑی جمعیت کو شکست دے دی اور ایسی شکست دی کہ دشمن کا ایک آدمی بھی دور دور تک کہیں نظر نہ آیا۔ بجز ان کے جو شامیوں نے پکڑ لئے تھے[1]۔

یہ ہزیمت بڑی شرمناک تھی۔ مصریوں کے لئے بھی اور عیسائیوں کے لئے بھی، دونوں کا اتحاد ان کے کسی کام نہ آیا اور اسد الدین شیر کوہ فتح و مسرت کے گیت گاتا اپنے بھتیجے صلاح الدین کی پیٹھ ٹھونکتا اسکندریہ پہنچا اور اس پر قبضہ کر کے صلاح الدین کو اس کی حکومت سونپی اور خود سعید کی طرف بڑھا اور اسے فتح کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر دی۔

تعجب ہوتا ہے کہ یہ اسد الدین کس بلا کا آدمی تھا کہ ڈیڑھ ہزار سپاہی لے کر سعید جیسے وسیع علاقہ پر قابض ہو گیا تھا۔ وہ ابھی سعید میں تھا جب مصریوں اور عیسائیوں کو صلاح الدین کے اسکندریہ میں بہت تھوڑی فوج کے ساتھ مقیم ہونے کی خبر ملی۔ وہ دونوں مجتمع ہو کر اسکندریہ کی طرف بڑھے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ چونکہ اچانک ہوا تھا۔ اس لئے صلاح الدین کھانے پینے کا سامان جمع نہ کر پایا تھا۔ اور اسے اپنی زندگی میں ایک عجیب صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر قدرت جن آدمیوں سے مستقبل میں بڑے کام لینا چاہتی ہے۔ انہیں اسی طرح تربیت دیتی ہے۔ پہلے اسے خود سے دس گنا زیادہ فوج سے لڑنے کی تربیت دی پہلے اسے میدانِ جنگ میں آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے کا طریقہ سکھلایا اور اس وقت اچانک اس پر محاصرہ کی مصیبت ڈال دی۔ خود صلاح الدین کا اپنا بیان ہے کہ اسکندریہ کے محاصرہ میں اس پر جو دن آئے ویسے اس نے کبھی نہ دیکھے تھے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی۔ ابھی ابھی

---

[1] ابن اثیر جزء ۱۱ - ۱۲۲ - ابن خلدون جزء ۵ - ابن کثیر جزء ۱۱ -

تو اُس کے نوجوان چہرے پر مونچھیں اُگی تھیں۔ ابھی چند مہینے پہلے تو اس نے مکتب و ملّا کا ساتھ چھوڑا تھا۔ اس نے نہ کبھی پہلے فوجوں کی کمان کی تھی اور نہ کبھی محاصرہ کی آزمائش سے دوچار ہوا تھا مگر بہادر تھا، صابر اور مستقل مزاج تھا۔ اس نے اس محاصرہ میں صبر بھی دکھایا اور استقلال بھی، حالانکہ اس کے صبر و استقلال کو دن میں کئی کئی بار مجروح کیا جاتا۔ شہر کے بھانت بھانت کے تاجر جو کسی ایک مسلک کے کبھی پابند نہ رہے تھے۔ اس سے بدعہدی پہ ہر روز تُل جاتے۔ یہ صرف وہ تھا جس نے اپنی نوجوانی کے باوجود ان سب کو آخر وقت تک وفادار رکھا۔ آخر وقت تک دشمن سے ساز باز نہ کرنے دی۔ ایک ایک چودھری اور ایک ایک بااثر آدمی کو ہزار ہزار طریقوں سے استقلال و صبر کی برکتیں بتائیں۔ شہریوں کو آزادی کی قیمت سے آگاہ کیا اور سب سے بڑھ کر بھوک کے اژدھوں کی پھنکار جھلک نہ بننے دی۔ جب بھی اسکندریہ کے لوگ شہر دشمن کے حوالے کرنے پر تیار ہوتے۔ وہ ان سے کہتا۔ شیر کوہ آ گئے، شیر کوہ آ گئے۔ اور یہ شیر کوہ اس وقت گوسعید میں تھے۔ جب محاصرہ شروع ہوا تھا۔ لیکن اس وقت جب صلاح الدین اسکندریہ کے لوگوں کو شیر کوہ کے آنے کی خبر دے رہا تھا۔ شیر کوہ اسکندریہ کی طرف بھاگے آ رہے تھے۔ انہیں آتے آتے تین مہینے لگے۔

جب ان کی آمد کی خبر اسکندریہ میں مشہور ہوئی تو اسکندریہ کے لوگ ناچ ناچ اُٹھے اور مصریوں اور عیسائیوں کی متحدہ فوج کے حواس مختل ہو گئے۔ یہ متحدہ فوج اس خیال سے اسکندریہ آئی تھی کہ شیر کوہ وہاں نہیں ہے محض صلاح الدین ہے اور اس کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اسی صلاح الدین نے متواتر تین مہینہ تک ان کا مقابلہ کیا۔ اگر صلاح الدین مستقل مزاجی سے کام نہ لیتا تو اسکندریہ کے لوگ صرف ایک مہینہ کے اندر اندر شہر کے دروازے کھول دیتے۔

بہرحال یہ صلاح الدین تھا۔ جس نے اسکندریہ کی شہر پناہ کے تلے عیسائیوں اور مصریوں کو ایک بڑی شکست دی تھی۔ شیر کوہ نے اس کی تکمیل کی۔ شیر کوہ کے اسکندریہ

پہنچتے ہی جو معاہدہ عیسائیوں اور اس میں ہوا۔ وہ ایک بڑی فتح تھی۔ ایک بڑا کارنامہ تھا۔ عیسائیوں نے اس کے حضور پچاس ہزار اشرفیاں نذر کی تھیں اور اس سے یہ اقرار لیا تھا کہ تو بھی مصر چھوڑ دے اور ہم بھی مصر سے نکل جائیں گے۔ گو مصر سے اس طرح کی واپسی شیرکوہ کے نزدیک مناسب نہ تھی۔ مگر یہ شکست جو اس نے عیسائیوں کو دی معمولی نہ تھی اور اس نے اسے کافی سمجھ کر شام لوٹ جانا پسند کر لیا۔

ادھر اسدالدین عیسائیوں سے پچاس ہزار اشرفیاں نذرانہ لے کر شام کو لوٹا۔ ادھر عیسائی واپس ہوئے۔

ابن اثیر کہتے ہیں کہ عیسائیوں نے مصر سے روانہ ہونے سے پہلے شاور سے ایک خفیہ معاہدہ کر لیا تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے شاور اور وہ حلیف بن گئے تھے۔ شاور نے اقرار کیا تھا کہ وہ انہیں ہر سال ایک لاکھ اشرفی اس اعانت کے صلہ میں نذر کرتا رہے گا اور عیسائی فوج کا ایک مضبوط دستہ اسکندریہ میں ہمیشہ موجود رہے گا۔ اس مصالحت کی خبر اسدالدین کو نہیں ہوئی تھی۔ اگر ہوئی ہوتی تو وہ عیسائیوں کے ایک فرد کو بھی مصر میں رہنے کی اجازت نہ دیتا۔[1]

بہر حال اسدالدین دوسری بار مصر سے مصر پر قبضہ کئے بغیر لوٹ آیا۔

اس سلسلہ میں لین پول نے کچھ اور تفصیل پیش کی ہے۔

لین پول کہتا ہے کہ اسکندریہ کا محاصرہ جب ختم ہوا تو صلاح الدین یرغمال کے طور پر عیسائی بادشاہ امال رک کا مہمان ہوا۔ وہ کئی دن تک شاہی کیمپ میں ٹھہرا۔ اور عیسائی امراء سے خوب راہ و رسم پیدا کی۔ یہیں اس کی ملاقات تبنین کے نواب عنفری سے ہوئی اور دونوں میں بہت گہری دوستی پیدا ہو گئی۔

مصر پر دوسرے حملہ میں صلاح الدین کی حیثیت پہلے حملہ کی نسبت زیادہ نمایاں نظر آتی ہے اسے نہ صرف عیسائیوں سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کے مواقع

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ، ۱۲۲

ملے۔ اس نے محاصرہ کی شدت کا مقابلہ کرنا بھی سیکھا۔

ابنِ اثیر ہی کا بیان ہے۔ کہ یہ محاصرہ انتہائی تکلیف دہ اور سخت تھا۔ اسکندریہ کے لوگ شامی فوج کے ہمدرد نہ تھے۔ وہ اسے ایک خارجی قوت سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک شامیوں کی حیثیت بیرونی حملہ آور کی تھی۔ اس کے باوجود صلاح الدین نے آخر وقت تک ان کو اپنے ساتھ ملائے رکھا۔ اس نے نہ صرف ان کے حوصلے بڑھائے۔ نہ صرف انہیں بھوک کی تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ کیا۔ انہیں دشمن کے خلاف لڑایا بھی۔

حالانکہ اس وقت صلاح الدین نہ کوئی آزمودہ کار سیاست دان تھا اور نہ کوئی معمر سپاہی۔ وہ محض ایک نوجوان امیرزادہ تھا۔ اس وقت اس کی عمر زیادہ سے زیادہ پچیس سال کی تھی[1]۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صلاح الدین میں اس وقت تک اس قسم کی مہموں کو سرانجام دینے کی خواہش نہ پیدا ہوئی تھی اور نہ وہ ابھی تک اس قسم کی قسمت آزمائی کو اپنے لئے مفید سمجھتا تھا۔

---

[1] ابن خلدون جزء ۵ اور ابن کثیر جز ۱۱ میں بھی یہی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ابن اثیر جز ۱۱- ۱۲۲ - ۱۲۳ -

مصر پر تیسرا حملہ

کہ جب مصر کے حالات ایک بار پھر خراب ہو گئے اور قدس کے عیسائی بادشاہ نے اسد الدین شیر کوہ سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ ڈالا اور شامی فوج کو پھر مصر پر حملہ آور ہونا پڑا۔ اس وقت بھی صلاح الدین کو اس قسم کی فوجی مہموں سے کوئی دلچسپی پیدا نہ ہوئی تھی بلکہ وہ اسے اچھی نہ لگتیں۔

ابن کثیر اور ابن شداد کی روایت ہے کہ آخر وقت تک صلاح الدین مصر جانے کے لئے تیار نہ ہوا تھا۔ حالانکہ جب اس کے چچا نے، جو اس کے ساتھ کو ضروری سمجھتا تھا۔ بادشاہ کی موجودگی میں اس سے ساتھ چلنے کے لئے اصرار کیا تو اس نے صاف جواب دے دیا۔

"ہمیں مصر کی بادشاہت بھی دے دی جائے تو ہم اس مہم پر نہیں جائیں گے۔ ہمیں اسکندریہ میں جو تکالیف اٹھانی پڑیں۔ وہ ہمیں ابھی تک نہیں بھولیں۔"

لیکن چچا کا اصرار بڑھا اور نور الدین نے اسے ساتھ جانے پر مجبور کیا۔ ورنہ وہ چچا کے اصرار کی پروا نہ کرتا۔ نور الدین کا حکم بھی اس نے شروع میں ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

یہ داستان، گو اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ صلاح الدین اپنی اس عمر میں لڑائی کو قطعاً پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن اس سے اس بات کا پتہ بھی لگتا ہے کہ اس میں سرکشی

۱؎ ابن کثیر جز ۱۲ ص ۲۵۶
۲؎ ابن شداد ص ۲۵
۳؎ ابن کثیر جز ۱۱ ص ۱۲۷

کا مادہ نہ تھا۔ اگر اس میں سرکشی کا مادہ ہوتا تو وہ نورالدین کے حکم کی پروا نہ کرتا۔ کیونکہ نورالدین اس پر بہت مہربان تھا اور وہ اس کی اس حکم عدولی پر برا نہ مانتا۔

مصر پر اس تیسرے حملہ کے اسباب بیان کرتے ہوئے لین پول نے اعتراف کیا ہے کہ اس حملہ کی نوبت محض اس لئے آئی کہ عیسائیوں نے غداری کی اور مصر پر ایک بڑی فوج چڑھا لے گئے۔

لین پول کہتا ہے کہ قدس کا عیسائی بادشاہ اس کا محرک تھا۔

۲ر نومبر ۱۱۶۸ء کو وہ بلبیس پہنچا اور عہد شکنی کے جرم میں قتل عام کا جرم بھی ملا دیا اس نے بلبیس کے رہنے والوں کو اس بے دردی اور بے رحمی سے قتل کیا کہ نہ بوڑھے چھوڑے، نہ بچے اور نہ عورتیں[1]

حالانکہ اس حملہ سے پہلے وہ مصریوں کا حلیف تھا اور ان کی طرف سے اس نے شامیوں کی فوج سے لڑائی کی تھی، کل کا حلیف آج کا حملہ آور تھا اور ہر پچھلے معاہدہ کو توڑ کر مصر کے مسلمانوں کی گردنیں کاٹنے کا کام ایک جلاد کی طرح اپنے ذمہ لے لیا تھا۔

اب شاور کو معلوم ہوا کہ اس نے غدار اور دھوکے باز عیسائی تاجدار سے دوستی کر کے ایک بڑی حماقت کی تھی۔ اب شاور نے جانا، اس نے اسدالدین شیرکوہ کو جو ایک فرض شناس مسلمان سپہ سالار تھا۔ اپنا دشمن بنا کر، اپنی قبر آپ کھود دی تھی۔

گو یہ وقت تلافی کے لئے موزوں نہ تھا۔ پھر بھی شاور نے چند تیز رفتار قاصدوں کا انتخاب کیا اور انہیں ایک عریضہ دیا کہ نورالدین کے پاس لے جائیں۔ کہتے ہیں اس عریضہ کے ساتھ مصر کے فاطمی خلیفہ العاضد نے اپنی بیویوں کے بال کاٹ کر نورالدین کو بھیجے تھے اور یوں اپنے اس مسلمان بھائی سے رحم کی اپیل کی تھی۔

یہ اپیل سنی گئی اور نورالدین نے اسی وقت دو ہزار سوار مصر دوڑا دیئے اور پانچ ہزار سپاہی مزید اسدالدین شیرکوہ کے ساتھ کئے کہ وہ سواروں کے پیچھے پیچھے چلتا مصر پہنچ جائے۔

---

[1] ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۲۶ - ابن خلدون جز ۵ - ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۰۵

جب تک یہ سوار مصر پہنچتے۔ مصر کے حالات بہت خراب ہو چکے تھے۔ بے وقوف شاور نے فسطاط کو جو تین سو سال کے اسلامی تمدن کا ایک بڑا مظہر تھا۔ آگ کی نذر کر دیا تھا۔ اس نے اس عظیم الشان شہر کو جہاں حضرت عمرو بن عاصؓ صحابی رسول نے اپنی مبارک فوج کے ساتھ خیمے نصب کئے تھے۔ آپ اپنے ہاتھ سے آگ لگائی اور سارا شہر اپنے شاندار ماضی کی ہر بزرگی کے ساتھ جل کر راکھ ہو گیا۔[1]

اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ شاور کے اس فعل نے، اما لرک کو فسطاط میں پناہ ملنے اور اسے فتح کرنے کی سعادت سے محروم کر دیا تھا۔ لیکن اس کی یہ حرکت قطعاً غیر دانشمندانہ اور احمقانہ تھی۔ اس نے ایسا کر کے فسطاط کے مسلمانوں کو بڑی پریشانی میں ڈال دیا تھا۔ وہ بے چارے اس مصیبت سے جلتے ہوئے گھروں سے نکلے کہ کسی کو اپنی جان کے سوا کسی اور چیز کی خبر نہ تھی۔ آگ کے شعلے دفعتہً لپک اُٹھے تھے۔ یہ بہت بڑا نقصان تھا جو اس احمق شاور نے مسلمانانِ فسطاط کو پہنچایا۔ سینکڑوں برس کی جمع کی ہوئی دولت بھی ان کے ہاتھ سے چھنی اور اونچے اونچے محلات بھی گئے۔

ادھر فسطاط جل رہا تھا۔ ادھر اسد الدین شیر کوہ اور صلاح الدین بازوں کی طرح پر پھیلائے صحرائے شام پر سے اڑتے مصر کی طرف رواں تھے۔ پہلے انہیں ملک گیری کی ہوس اس طرف لائی تھی۔ اب اسلام انہیں آوازیں دے رہا تھا ملت کے مظلوم افراد انہیں پکار رہے تھے۔ مصر میں رہنے والی ان کی بہنیں انہیں اپنی طرف بلا رہی تھیں۔

ابن اثیر کا بیان ہے۔ فسطاط کے جل جانے کے بعد عیسائی بادشاہ نے قاہرہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور شہر سے ملحقہ بستیوں میں لوٹ مار مچا دی تھی۔ قاہرہ کے مسلمانوں نے گو باہر نکل کر عیسائیوں سے بڑی سخت لڑائیاں کیں۔ بڑی جرأت و دلیری کے مظاہرے کئے مگر محاصرہ کی شدت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ ان کے پاس کھانے کی چیزوں کے جو ذخیرے تھے وہ بالکل ختم ہو گئے تھے۔ انہیں چاروں طرف موت منڈلاتی نظر آ رہی تھی۔

---

[1] ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۲۶ - ۱۲۷ - ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۵۶ - ۲۵۷ -

کہ دفعتاً دور فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اُٹھی اور قاہرہ کے ہر مسلمان نے جان لیا۔ شام سے ان کے بھائی اسدالدین شیرکوہ اور صلاح الدین اپنی فوج کے ساتھ، ان کی مدد کو آن پہنچے۔ کل کے مظلوم ہزار ہزار مصائب اٹھانے کے باوجود خوشی و مسرت سے جھوم اُٹھے۔ ان کے جوابی نعرے اس طرح شہر پہ پھیلی فضا میں گونج رہے تھے جیسے وہ مظلوم نہیں فاتح تھے۔ یہ کیفیت بڑی ہی عجیب تھی۔ اس کیفیت نے کل کے ظالموں کو فرار کے سوا اور کچھ نہ سجھایا اور ابنِ اثیر کے الفاظ کے مطابق وہ جوتے سر پر رکھ کر قاہرہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ انہیں اتنا حوصلہ بھی نہ ہوا کہ اسدالدین اور صلاح الدین کی فوج کو قاہرہ کے سامنے اترتے ہی دیکھ لیں۔ بہادر امالرک اور اس کے صلیبی اور بے رحم ساتھی جانتے تھے کہ انہوں نے بلبیس کے مسلمانوں کو جس بے رحمی سے قتل کیا تھا! اسدالدین ان سے سخت انتقام لے گا اور انہیں اسی طرح مارے گا جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو مارا تھا۔

ابن اثیر جز
۱۳۶
ابن کثیر جز
۲۵۶

اس بار جب اسدالدین کی فوج قاہرہ پہنچی تو سارا شہر بچے بوڑھے، مرد اور عورتیں دروازوں پہ کھڑے اس کا استقبال کر رہے تھے۔ ان کے پیٹ گو متواتر محاصرہ کے سبب خالی تھے۔ لیکن چہرے اطمینان کے نور سے روشن تھے۔ پہلے شاور نے دونوں بار اسدالدین کو شہر میں آنے کی دعوت نہ دی تھی۔ اس بار شہر کے لوگ اپنے اس نجات دہندہ کا دامن پکڑ کر شہر میں لائے۔ وہ اور اس کے ساتھی شاہی محل کے دامن میں اتارے گئے۔ العاضد خلیفہ مصر نے اسے اسی وقت شاہی دربار میں آنے کی دعوت دی اور جذبات ممنونیت کے اظہار کے طور پہ اس کے کندھوں پر آپ ایک شاہانہ خلعت ڈالی۔ العاضد نے اسے شاہانہ خلعت پہنائی تھی کہ وہ خلیفہ تھا لیکن قاہرہ کے لوگوں نے جو بادشاہ نہ تھے۔ اس کی فوج کے خیمے ہزاروں تحائف سے بھر دیئے تھے۔ قاہرہ کے لوگ جوق در جوق تحائف سے لدے وہاں آتے اور اپنے ان نجات دہندوں کے حضور بڑی

ابن اثیر جز
۱۳

مسرت اور خوشی سے انہیں پیش کرتے۔

شاور گو دل سے اسدالدین کے اس اقبال پر جل رہا تھا۔ لیکن بظاہر وہ بھی ممنونیت کے بوجھ سے لدا صبح شام اسدالدین کے حضور آتا اور اپنی چرب زبانی کا ہر جوہر آزماتا۔

ابن اثیر فرماتے ہیں۔ ظاہر میں اس کی ممنونیت کا یہ عالم تھا لیکن بہ باطن وہ اس سازش میں لگا تھا کہ اسدالدین شیر کوہ، صلاح الدین اور دوسرے ممتاز سرداروں کو ایک ساتھ ایک دعوت میں بلا کر ہلاک کر ڈالے۔ اس نے اس دعوت کا انتظام کر لیا تھا۔ دعوت نامے بھی جاری کر دیئے تھے۔ لیکن عین وقت پر شاور کے اپنے آدمیوں نے یہ راز افشا کر دیا۔ خود اس کے اپنے بیٹے نے اس کے اس مکروہ ارادہ کی سخت مخالفت کی اسے اس بیہودہ کام سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ ابن اثیر نے باپ بیٹے کی گفتگو نقل کی ہے۔ بیٹے نے باپ سے کہا۔ اگر تم نے اسدالدین، صلاح الدین اور دوسرے شامی امرا کو مار ڈالا تو اس ملک کو عیسائیوں سے کوئی بچا نہ سکے گا۔ عیسائی اس پر قابض ہو جائیں گے اور مصر کے مسلمانوں کی ذلت اور سیاسی ادبار پر مہر لگ جائے گی۔(۱) ابن اثیر ج ۱۱ ص ۱

ابن اثیر نے یہ نہیں لکھا کہ اس سازش کا حال کسی شخص نے اسدالدین شیر کوہ، یا صلاح الدین سے کہا۔ وہ صرف اتنا کہتا ہے کہ فوج کے امرا کو جب اس سازش کا علم ہوا تو صلاح الدین اور عزالدین جردیک نے، اسدالدین سے شاور کے قتل کی اجازت مانگی۔ مگر اسدالدین نے انہیں اس کی اجازت نہ دی۔ اس کے باوجود صلاح الدین اور عزالدین کسی ایسے موقعہ کی تلاش میں رہے کہ شاور پر ہاتھ صاف کر دیں۔

یہ موقعہ بھی انہیں ایک دن ہاتھ آگیا۔ شاور حسب معمول اسدالدین سے ملنے کے لیے آیا، اس وقت اسدالدین حضرت امام شافعی کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے لئے گئے تھے۔ صلاح الدین اور اس کے ساتھیوں نے اسے بظاہر خوش آمدید کہا۔ اسے خبر دی کہ اسدالدین حضرت امام شافعی کے مزار پر ہیں۔ شاور نے بھی وہاں چلنے کی خواہش ظاہر کی اور جب

وہ چلنے لگا تو یہ لوگ بھی ساتھ ہو لئے۔ ان کے ساتھ فوج کے کچھ اور سپاہی بھی تھے۔ رستہ میں صلاح الدین اور جردیک نے مل کر اسے گھوڑے پر سے گرا لیا۔ اس کے تمام ساتھی بھاگ گئے اور صلاح الدین نے اسے گرفتار کر لیا۔ وہ تو اسے مارنے کی فکر میں تھے لیکن چونکہ اسدالدین کی اجازت انہیں حاصل نہ تھی۔ اس لئے توقف کیا۔ تھوڑی دیر بعد اسدالدین کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی۔

نہیں کہا جا سکتا کہ اسدالدین کے اصل خیالات شاور کے بارے میں کیا تھے۔ تاریخ نے ان خیالات واحساسات کو قلمبند نہیں کیا۔ مورخ ابن اثیر نے صرف اتنا لکھا ہے کہ اسدالدین نے صلاح الدین یا اپنے دوسرے امرا کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ اسے مار ڈالیں البتہ جب خلیفہ العاضد نے اسدالدین سے شاور کا سر طلب کیا اور پے در پے پیغامبر اس کی طرف بھیجے۔ تو اس نے اس حکم کی تعمیل ضروری جانی، شاور کا سر کاٹا اور خلیفہ کے حضور بھجوا دیا۔

ابن اثیر کے الفاظ ہیں:۔

وسمع الخلیفہ العاضد صاحب مصر الخبر فارسل الی اسدالدین یطلب منہ اس شاور وتابع الرسل ۔ فقتل وارسل راسہ الی العاضد[2]

[1] ابن کثیر۔ جز ۲۵۶ شاور کے سر کٹنے کی خبر عام ہوئی تو چاروں طرف سے لوگ اسدالدین کی طرف امنڈ آئے۔ انہوں نے اسے گھیر لیا۔ اسدالدین اس اجتماع سے بہت خائف ہوا اور اس نے خود کو لوگوں کے اس اجتماع سے بچانے کے لئے انہیں کہا خلیفہ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم شاور کا گھر لوٹ لو، لوگ شاور کے گھر پر ٹوٹ پڑے اور اس کی ہر چیز لوٹ لی[2]۔

[2] ابن اثیر۔ جز ۱۲۷ ابن اثیر کے اس بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصر کے لوگ شاور سے کچھ زیادہ ہمدردی نہ رکھتے تھے۔ اگر وہ اس کے قتل سے متاثر ہوتے تو اس کا گھر نہ لوٹتے۔ اسی شام العاضد نے اسدالدین کو خلفائے فاطمی کے عام رواج کے مطابق وزارت کا منصب سنبھالنے کی دعوت دی۔

ابن خلدون نے اس موقعہ پر ایک عجیب بات کہی ہے:

[3] ابن خلدون جز ۲۴۷ وقدم العاضد لوزارتہ والاستبداد علیہ کما کان من قبلہ[3]

العاضد نے اسے وزارت دینے اور اپنے اوپر مسلط کرنے کی دعوت دی اور اسے اپنے اوپر ویسے ہی مسلط کر لیا جیسے پہلے سے رسم چلی آتی تھی

یعنی ابن خلدون کے خیال میں یہ دعوت محض وزارت کا منصب سنبھالنے کے لئے نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ العاضد نے اسے خود پر مسلط ہو جانے کی پیشکش کی تھی اور یہ دستور پہلے سے چلا آتا تھا۔ ابن شداد نے اس کی کسی قدر زیادہ وضاحت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں مصر کے آخری خلفائے فاطمیہ کی یہ کچھ عادت ہو گئی تھی کہ ملک کا جو سیاستدان قوت پکڑ کر پہلے وزیر کو قتل کر دیتا تو فاطمی خلفا ان کو اپنے اوپر مسلط کر لیتے اور اپنا آپ اور حکومت کا ہر کام ان کے سپرد کر دیتے۔ اسد الدین شیرکوہ نے بھی شاور کو قتل کیا تھا۔ اس لئے اسے وزارت ملنا ضروری تھی۔

دوسرے لفظوں میں اب اسد الدین شیرکوہ مصر کا آئینی حاکم تھا۔ وہ سوائے نور الدین کے کسی اور کے سامنے جواب دہ نہ تھا۔

وہی ہر طرح کا عزل ونصب کرتا۔ وہی احکام وفرامین جاری کرتا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں۔ فوج کے عہدیداروں کو لبھایا اور اپنے آدمی پورے ملک کے نظام میں داخل کر دیئے۔

لیکن عجیب بات ہے۔ ابن اثیر کے الفاظ میں ابھی شیرکوہ نے مصر پر پورا غلبہ پایا ہی تھا کہ اسے موت نے آلیا۔

وہ ربیع الاول ۵۶۴ھ ہجری میں مصر آیا اور اس کی موت اس سال کے ۲۲ جمادی الآخر میں واقع ہوئی۔

ابن شداد اس کی موت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ وہ بہت زیادہ کھانے کا عادی تھا خصوصیت سے گوشت بہت کثرت سے کھاتا۔ اسی بسیار خوری نے اس کی جان لے لی۔ غریب صرف دو مہینے پانچ دن حکومت کر پایا۔

ابن شداد ۲۶ - ابن اثیر جز ۱۱، ۱۲۷ - ابن کثیر جز ۱۲ ۲۵۶ - ابن خلدون جز ۵ ۲۴۷ -

اقتدار کی مسند پر

خلعتِ وزارت پہنی

ایک سازش

عیسائیوں کا حملہ

جوابی کارروائی

خلعتِ وزارت پہنی

یہی خدا کو منظور تھا کہ اسدالدین شیر کوہ، دو مہینے حکومت کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو جائے، اور اس کی خالی جگہ اس کا وہ بھتیجا پُر کرے۔ جو آگے چل کر دنیائے اسلام کا ایک بڑا تاجدار بننے والا تھا۔

اس وقت جب اسے خلیفہ العاضد نے اس کے چچا کا منصب سونپنا چاہا تو ان شامی امرا نے جو اس کے چچا کے ساتھ شام سے یہاں آئے تھے۔ اس امر کی مخالفت کی تھی۔ ان کے خیال میں صلاح الدین ابھی عمر، تجربہ اور تدبر و سیاست میں، ان سے بہت پیچھے تھا۔ ان شامی امرا کے نزدیک عمر اور تجربہ ذہنِ رسا کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔

ابنِ اثیر کہتے ہیں کہ ان امرا میں زیادہ مقدم عین الدولہ البارونی۔ قطب الدین نیال۔ سیف الدین المشطوب، اور شہاب الدین محمود الحارمی تھے۔ یہ امرا صلاح الدین کو کسی طرح بھی اپنے ہوتے ہوئے وزارت کا اہل نہ سمجھتے تھے۔[1]

مگر انتخاب ان کے ہاتھ میں نہ تھا۔ انتخاب کا حق خلیفہ العاضد کو تھا اور العاضد چونکہ موروثی بادشاہت کا قائل تھا اور چونکہ خود ایک بادشاہ کا بیٹا اور دوسرے کا پوتا تھا۔ اس لئے اس کے نزدیک صلاح الدین کے ہوتے ہوئے کوئی اور اسدالدین شیرکوہ کا جانشین نہ بن سکتا تھا۔

ابنِ اثیر نے اس احساس کے سوا صلاح الدین کے انتخاب کی ایک اور وجہ بھی لکھی

---

[1] ابن اثیر جز ١١ - ١٣٨ - ١٣٩

ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ العاضد کے مشیروں نے اس کہا۔ صلاح الدین چونکہ بہت کم عمر اور باقی تمام شامی امرا سے چھوٹا، خاموش طبیعت اور یوں بھی کمزور ہے۔ اس لئے اگر ہم نے اسے وزارت کا منصب دیا تو وہ ہمارے لئے زیادہ مفید ہوگا اور ہم جس طرح چاہیں گے اسے موڑ لیں گے۔

خواہ، اس انتخاب کے اسباب کچھ بھی ہوں۔ صلاح الدین وزیر منتخب ہوا۔ کیونکہ یہی قدرت کو منظور تھا۔ اسے وزارت کے منصب کے ساتھ ساتھ الملک الناصر کا خطاب بھی العاضد کی طرف سے ملا۔

جن امرا نے اس کے انتخاب سے پہلے اس کی مخالفت کی تھی۔ ان میں سے تین کو، الفقیہ عیسیٰ الہکاری نے، اس انتخاب پر راضی کر لیا۔ البتہ عین الدولہ اپنی ضد پر اڑا رہا اور مصر چھوڑ کر دمشق لوٹ گیا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ صلاح الدین نے امرائے دولت اور دوسرے افراد کے دل مٹھی میں لے لینے کی خاطر خزانۂ عامرہ کا منہ کھول دیا۔ اس نے امرا کو جاگیریں دیں اور علما اور فقہا کو روپوں سے بھری ہوئی تھیلیاں عطا کیں۔[۱]

اس کی اس سخاوت نے لوگوں کے دل موہ لئے اور سب لوگ اس سے اس طرح محبت کرنے لگے جیسے وہ ان کا موروثی تاجدار تھا۔

صلاح الدین کی سخاوت صرف قاہرہ کے لوگوں تک ہی محدود نہ رہی۔ دور اور نزدیک سے جو بھی اس کے پاس آتا۔ وہ اسے خالی ہاتھ نہ لوٹاتا۔

مصر کا خزانہ اس کا تھا۔ سوائے اس دولت کے جو العاضد کے حرم میں دفن تھی۔ باقی ساری آمدنی اس کے تسلط میں تھی۔ وہی ملک کی پیداوار اور ہر مالگزاری کے وصول کرنے کا حق رکھتا تھا۔

جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا۔ صلاح الدین جب چچا کے ساتھ مصر آیا تو اس

۱۔ ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۲۹ -

کے باپ، بھائی اور دوسرے افراد خاندان، دمشق اور حلب میں تھے۔ اسے چچا کے بعد، منصب وزارت ملا۔ تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نورالدین سے درخواست کی کہ اس کے اعزا کو مصر بھیج دے۔ نورالدین نے یہ درخواست بڑی خوشی سے قبول کرلی۔ اس کے باپ اور بھائیوں کو اس کے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہی لکھا کہ تم ہم سے بے وفائی نہ کرنا[1]۔

ابن اثیر فرماتے ہیں۔ نورالدین نے، مصر پر صلاح الدین کی سیادت تسلیم کرلی تھی اور اسے اپنے سپہ سالار اور نائب السلطنت ہونے کا پروانہ دے دیا تھا۔ وہ جب بھی اسے خط لکھتا۔ اسے الامیر الاسفہسالار سے خطاب کرتا۔ کبھی کبھی اس کی طرف سے اسے مشورے بھی دئے جاتے اور وہ اسے اس طرح حکم دیتا۔ جس طرح وہ اپنے دوسرے ماتحتوں کو احکام بھیجتا تھا۔ خود صلاح الدین بھی جانتا تھا۔ وہ نورالدین کا ماتحت ہے۔ اور اس کی وجہ سے اسے یہ عظیم منصب ملا ہے۔

ابن اثیر کہتے ہیں۔ جب اس کے باپ اور بھائی مصر آئے تو ان سب نے اس کی بڑی مدد کی، باپ نے ہمیشہ اسے نیک مشورے دیئے اور بھائیوں نے اس کے لئے بڑی بڑی لڑائیاں لڑیں[2]۔

---

[1] ابن اثیر جزء ۱۱ - ۱۲۶ - ابن کثیر جزء ۱۲ - ۲۵۷ - [2] ابن کثیر جزء ۱۱ - ۱۲۶ -

ایک سازش

صلاح الدین کے انتخاب کے وقت، جن امرائے دربارِ فاطمی نے صلاح الدین کو اس لئے وزارت کے لئے چنا تھا کہ وہ تمام شامی امرا کی نسبت کمزور اور کم عمر ہے۔ انہوں نے صلاح الدین کے نظمِ سلطنت پر غالب آجانے کے بعد، اپنی غلطی بُری طرح محسوس کی۔ اب اُنہیں اپنے اس انتخاب پر سخت ملال ہوا اور انہوں نے صلاح الدین کو منصبِ وزارت سے ہٹانے کے لئے ایک وسیع سازش کا دام پھیلا دیا۔

صلاح الدین سے پہلے جتنے وزرا برسرِ اقتدار آئے تھے۔ چونکہ وہ ظالم بے اعتدال اور جفا پیشہ تھے۔ اس لئے ان سے امرائے دربارِ فاطمی اور محل کے خواجہ سرا بہت خوش رہتے۔ وزرا کی بداعمالی کے سبب انہیں ہر طرح کی آزادی نصیب تھی۔

مگر صلاح الدین چونکہ طبعاً نیک، متقی پرہیزگار اور محتاط فرمانروا تھا۔ اس لئے اس نے ہر قسم کی بے قاعدگی، ظلم، زیادتی اور جور و ستم کی ممانعت کر دی تھی۔ اس کے نزدیک کسی بڑے سے بڑے امیر، کسی حاکم اور کسی دولت مند کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ مصر کے کسی کمزور مسلمان یا غیر مسلمان کو ایذا پہنچا سکے۔ جن سرداروں نے اس کی آڑ میں غریبوں اور محتاجوں کا شکار کرنا چاہا تھا۔ جب وہ خود ہی شکار بن گئے تو صلاح الدین سے ان کی نفرت لازمی تھی۔

صلاح الدین کے خلاف سازش کرنے میں یوں تو سارے امرائے فاطمی شامل تھے۔ لیکن اس سازش کا سرغنہ العاضد کا ناظم الامور نجاح بنا۔

یہ شخص صلاح الدین سے پہلے فاطمی دربار کے سیاہ وسپید کا مالک تھا۔ صلاح الدین کے برسرِ اقتدار آنے سے اس کے بہت سے اختیارات چھن گئے تھے۔ اس لئے اس نے صلاح الدین کے خلاف نہ صرف العاضد کو بھڑکایا۔ شاہی محلات میں رہنے والے تمام خواجہ سراؤں کو صلاح الدین کے خلاف کر دیا۔

یہ مخالفت اندر ہی اندر چل رہی تھی۔ گو مخالفین کی تعداد بہت تھی مگر ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ صلاح الدین کے مقابلہ میں کھُلم کھُلا آئیں۔ نہ وہ اس بات کا حوصلہ رکھتے تھے کہ اس سے دو بدو لڑائی لڑیں۔ ان کے پاس ان کے ایک پہلے وزیر شاور کی طرح ایک ہی نسخہ تھا کہ خفیہ پیغامبر بھیج کر افرنگیوں کو بیت المقدس سے مصر طلب کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور اپنی طرف سے انتہائی رازداری سے کام لے کر افرنگیوں کے نام ایک دعوت نامہ لکھا۔ یہ دعوت نامہ انہوں نے جس شخص کو دیا، گو اس کے بھروپ بھرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔ نجاح نے اسے اخفائے راز کے لئے پھٹے پرانے کپڑے پہننے کو دیئے تھے۔ مگر ایک غلطی کر گیا تھا کہ جن جوتوں میں خط سیا تھا۔ وہ بالکل نئے تھے۔ پھٹے پرانے کپڑوں کے ساتھ اگر پرانے جوتے اسے پہنا دیئے جاتے تو کسی پہرہ دار کی اس پر مشتبہ نگاہ نہ پڑ سکتی تھی۔ لیکن نئے جوتوں نے اس کے لئے اچھا خاصا اشتباہ پیدا کر دیا تھا۔

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ یہ نئے جوتے ہی اس پیغامبر کی گرفتاری کا سبب بنے۔ ایک ترکمان نے جو سرحد پر پہرہ دار تھا۔ اس کے نئے جوتوں کے سبب اسے گرفتار کر لیا۔ اور سیدھا صلاح الدین کے پاس لے گیا۔ صلاح الدین کے نزدیک نئے جوتے واقعی اشتباہ کا موجب بنے۔ اس نے ان جوتوں کو کھلوایا تو ان میں سے خط کے دو پرزے برآمد ہوئے۔

یہ خط بڑا واضح تھا، اس میں عیسائیوں کو صلاح الدین کے خلاف مصر پر چڑھائی کی دعوت دی گئی تھی۔ نیز انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ اگر وہ مصر پر حملہ آور ہوئے تو شاہی محلات کی ساری محافظ فوج، عقب سے صلاح الدین پر حملہ کر دے گی اور اس طرح صلاح الدین کو چکّی

---

[۱] ابن خلدون جز ۵ - ۲۸۳ - ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۲۹ - ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۵۸-۵۷ -

کے دو پاٹوں میں لے کر پیس دیا جائے گا۔"

گو خط کا مضمون بہت واضح تھا۔ اس کے باوجود صلاح الدین کی احتیاط پسندی اور میانہ روی نے خود کو مشتعل نہیں ہونے دیا۔ اس نے اس کی پوری تحقیقات کی۔ اس کے کاتب کو طلب کیا۔ جو یہودی تھا جب اس پہ سختی ہوئی تو اس نے اسلام بھی قبول کر لیا اور ہر بات بھی کہہ دی۔

اب مزید تحقیقات کی ضرورت نہ تھی۔ اب صرف عمل کی ضرورت تھی اور یہ عمل اسی دن سے شروع کر دیا گیا۔ شاہی محلات کے چاروں طرف پہرے بیٹھ گئے۔ کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ محل میں بغیر اجازت کے داخل ہو سکے۔

نجاح مجرم تھا۔ صلاح الدین کے اس طریق کار نے اسے مشتبہ کر دیا اور اسے محسوس ہو گیا کہ اس کی سازش پکڑی گئی ہے۔ اس نے محل سے باہر نکلنا چھوڑ دیا اگر کبھی صلاح الدین کے پاس آتا تو شرمایا شرمایا رہتا۔

صلاح الدین کے مزاج میں جو اعتدال تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکے گا کہ اس نے نجاح سے کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا اور نہ کبھی اس پر ظاہر ہونے دیا کہ اسے اس کی سازش کا حال معلوم ہو گیا مگر نجاح کا دل چونکہ چور تھا۔ اس لئے وہ خود اس کے سامنے آنے سے گھبراتا۔ وہ زیادہ تر وقت شاہی محل میں بند رہتا۔ یہ ایک طرح سے نظر بندی کی زندگی تھی جس سے گھبرا کر وہ ایک دن شاہی محل سے بھاگ نکلا اور اپنی جاگیر میں جا پناہ لی۔ شاہی محل میں گو نظر بند تو تھا مگر اس کی جان محفوظ تھی۔ کیونکہ ہزاروں سوڈانی ہر لمحہ شاہی محل کی حفاظت کرتے رہتے تھے۔ احمق، جاگیر پر پہنچا تو وہاں غیر محفوظ ہو گیا اور صلاح الدین کے آدمیوں نے وہاں پہنچ کر بہت آسانی سے اسے قتل کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر صلاح الدین کو بھیج دیا۔

نجاح اور کچھ نہیں تو سوڈانیوں میں بہت ہر دلعزیز تھا۔ پھر وہ ان کی قوم کا آدمی

تھا۔ اس لئے انہیں اس کے قتل پر بہت افسوس ہوا۔ اس پر مستزاد یہ کہ صلاح الدین نے ان سب کو ملازمت سے برطرف کر کے ان کی جگہ دوسرے آدمی رکھ لئے۔ شاہی محلات میں ایک بھی خواجہ سرا باقی نہ رہنے دیا اور ان کی نگرانی بہاءالدین قراقوش کے سپرد کر دی جو صلاح الدین کے اپنے آدمی تھے۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ سوڈانی خواجہ سراؤں کی علیحدگی نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور پچاس ہزار سوڈانی جن میں سے اکثر مصر کی شاہی فوج میں تھے، ہتھیاروں سے سج کر دارالحکومت پر ٹوٹ پڑے۔ صلاح الدین کی فوج گو تعداد میں سوڈانی فوج سے بہت کم تھی مگر وہ ذمہ دار حاکم اور محتاط مدبر کی فوج تھی۔ اسے شیرکوہ جیسے دوراندیش اور سخت گیر سپہ سالار نے تربیت کیا تھا۔ اس لئے اس نے تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود سوڈانیوں کو شاہی محلات کے مابین پھیلے میدان میں روک کر بہت خوفناک شکست دی۔ ہزاروں سوڈانی چند گھنٹوں کے اندر زمین پر ڈھیر کر دیئے گئے جو باقی رہ گئے۔ انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور صلاح الدین سے رحم کے طالب ہوئے۔

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ صلاح الدین نے ان کی رحم کی اپیل سنی اور ان سب کو امان دے دی۔[۱]

امان دینے کے باوجود انہیں قاہرہ رہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ دریائے نیل کے پار جیزہ میں آباد کر دیا گیا۔ وہاں جا کر انہوں نے پھر فساد مچایا تو صلاح الدین نے اپنے بھائی شمس الدولہ کو ان کی مزاج پرسی کے لئے بھیجا۔ اس نے ان سے سخت لڑائی کی اور ان میں سے بہت سوں کو مار ڈالا۔[۲]

اس محنت اور جانفشانی سے یہ سوڈانی فتنہ تھما اور صلاح الدین کو ایک گونہ سکون سے حکومت کرنے کے مواقع ملے۔ لیکن سوڈانیوں کے قلع قمع کے باوجود ابھی مصر میں ایک گروہ ایسا موجود تھا جو صلاح الدین کا زوال چاہتا تھا۔

۱۔ ابن اثیر جز ۱۱ – ۱۳۰

فرنگیوں کا حملہ

ابھی سوڈانیوں کا فتنہ تھما ہی تھا کہ خبر آئی۔ فرنگی دمیاط پر حملہ آور ہونے کے لئے دو سو بیس جہازوں میں لد کر مشرقی روما کے ساحلوں سے دمیاط کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔

یہ خبر چونکہ وقت پر پہنچ گئی تھی اور مسلمانوں کی خوش قسمتی سے عیسائی بحری بیڑہ بادِ مخالف کے طوفان میں گھر کر اپنی راہ بھول گیا تھا۔ اس لئے سلطان صلاح الدین نے ایک تو دمیاط کو آنے والے طوفان سے مقابلہ کے لئے تیار کر لیا۔ اس میں نہ صرف ضروری فوج جمع کر دی۔ برسوں کے محاصرہ کے لئے غلّہ بھر لیا۔ ساتھ ہی نورالدین کو تیز رو قاصد بھیج کر، کمک طلب کی۔

نورالدین کو اس صلاح الدین سے جو محبت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکے گا کہ جیسے ہی صلاح الدین کے قاصد دمشق پہنچے، دمشق میں ہنگامہ شور برپا ہو گئے اور ہزاروں سوار چشم زدن میں مصر کی طرف بڑھتے نظر آئے۔

یہ عیسائی فوج جو دمیاط کا محاصرہ کرنے کے لئے روما سے چلی تھی۔ لین پول کی روایت کے مطابق نومبر ۱۱۶۹ء اور ابن اثیر کے بیان کی رُو سے ۵۶۵ھ ہجری کے ماہِ صفر میں دمیاط پہنچی۔ عیسائیوں کی اس فوج کو پورے یورپ کی فوج کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں ہسپانیہ اور صقلیہ کے عیسائیوں کے علاوہ روما کے ہزاروں مجاہد شامل تھے۔

یورپین بحری بیڑے کے علاوہ دمشق کے بادشاہ امال رک ایک بڑی بری فوج

کے ساتھ خشکی کی راہ چلتا بحری فوج کی آمد سے تین دن پہلے دمیاط آن پہنچا۔

لین پول کا خیال ہے کہ اگر یہ بحری بیڑہ یروشلم کی بری فوج کے ساتھ ساتھ دمیاط آن پہنچتا تو صورتِ حال کچھ اور ہوتی ہے؎

لین

مگر ایسا نہ ہوا اور پھر بحری بیڑے کی آمد نے بری فوج کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا کیونکہ دمیاط والوں نے اپنی بندرگاہ ایک بہت بھاری اور وزنی زنجیر کے ذریعہ باہر سے آنے والے ہر بحری بیڑہ پر بند کر دی تھی۔ یہ زنجیر اتنی وزنی تھی کہ اسے توڑنا ممکن نہ تھا۔

ابن

نہیں کہا جا سکتا۔ فرنگی بحری فوج نے اسے توڑنے کی کوشش کی یا نہیں۔ بہر حال زنجیر آخر وقت تک اس کی راہ مسدود کئے رہی اور وہ ساحل سے دور سمندر میں کھڑی یروشلم کی فوج اور صلاح الدین کے سپاہیوں کو لڑتے دیکھتی مگر کچھ نہ کر سکتی۔

امال رک جب دمیاط پہنچا تو صلاح الدین وہاں نہ تھے۔ البتہ دمیاط کے مسلمان اس کی مزاج پرسی کے لئے پہلے ہی سے تیار تھے۔ شروع میں ان میں اور امال رک میں معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ مگر یہ جھڑپیں اس لحاظ سے بہت مؤثر تھیں کہ مسلمانانِ دمیاط نے امال رک کی منجنیقوں پر پتھر برسا برسا کر ان میں سے کئی بیکار کر دی تھیں اور کئی میں آگ لگا دی تھی۔ بہادر دمیاطیوں نے بحری بیڑہ پر بھی خوب آگ برسائی اور جب تک صلاح الدین دمیاط پہنچے یہاں کے لوگوں نے یورپین بحری بیڑے کی کئی کشتیاں جلا ڈالیں۔

باہمی لڑائیوں کی یہی کیفیت تھی کہ صلاح الدین اپنی سوار فوج کے ساتھ دمیاط آن پہنچے ان کے ساتھ ہر قسم کا اسلحہ، خوراک اور بے اندازہ روپیہ تھا۔

ابن اثیر کے قول کے مطابق خود صلاح الدین نے ایک موقعہ پر اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ العاضد کتنا اچھا اور کتنا سخی آدمی تھا جس نے مجھے دمیاط کی جنگ میں دس لاکھ اشرفیاں دے ڈالی تھیں ؎

ابن

صلاح الدین پوری تیاریوں کے ساتھ دمیاط آیا تھا اس کے پاس نہ دولت کی کمی تھی اور نہ سامان خوراک و اسلحہ کی۔ اس نے خوب دولت صرف کی روپیہ پانی کی طرح بہایا اور ہزاروں آدمیوں کو روزانہ اپنے دستر خوان پر کھانا کھلایا چونکہ نیل کی ایک شاخ دمیاط کو ساحلِ مصر سے ملاتی تھی۔ اس لئے صلاح الدین محصورین کو ہر چیز بڑی آسانی اور کافی مقدار

میں بھیجتا رہا یہی وجہ تھی کہ دمیاط والوں نے متواتر دو مہینے محاصرہ میں رہنے کے باوجود کھانے کے سامان کی کمی محسوس نہ کی۔ اس کے برعکس فرنگیوں کی حالت بڑی پتلی تھی۔ وہ آئے تو بڑے دعووں کے ساتھ تھے ان کے ساتھ سینکڑوں مقدس پادری ہزاروں صلیبیں اور بہرہ چیز تھی جو جوشِ جہاد کو بڑھاتی اور حوصلوں کو بلند رکھتی ہے مگر صلاح الدین کی تلوار اور اس کے ساتھیوں کی غیر معمولی مہارت جنگ نے ان پر اس قدر متواتر شدید حملے کئے کہ نہ صلیبیں ان کے کام آئیں اور نہ پادری ہی ان کے دلوں کو ڈھارس بندھا سکے۔ اور اس پر لطف یہ ہوا کہ بارش نے آن گھیرا۔ بارش اس زور سے ہوئی کہ عیسائیوں کے کیمپ اکھڑ گئے اور فوج منتشر ہو گئی قحط بھی پھیل نکلا تھا۔ غلہ بہت کم دستیاب ہوتا۔ بھوک اور بارش ہی کم عذاب نہ تھے کہ دمیاط کے محصورین نے اپنی منجنیقوں کے ذریعہ عیسائیوں پر اس زور کی آتش باری کی، اس غضب کے پتھر پھینکے کہ ہر طرف الاماں والحفیظ کے نعرے لگنے لگے:۔

لین پول کہتا ہے۔ عیسائیوں کے خلاف عناصر قدرت نے بھی بغاوت کر دی تھی اور دمیاط والوں نے بھی غضب ڈھایا تھا۔

ادھر یہ کیفیت تھی، ادھر مورخ ابنِ اثیر کے بیان کی رو سے غازی نور الدین محمود نے یروشلم کی سرحدیں الٹ دی تھیں۔ وہ ہر سمت طوفان اور قیامتیں برپا کرتا، فلسطین کو بری طرح پامال کر رہا تھا۔ یہ خبریں بھی امالِ رک سکے کے لئے سوہانِ روح تھیں۔ آخر اس نے فیصلہ کیا کہ محاصرہ اٹھائے اور جس راہ آیا تھا اسی راہ واپس ہو جائے۔ واپسی سے پہلے اس نے صلاح الدین سے مصالحت کی درخواست کی جو منظور ہوئی اور اسکندریہ والوں نے بھوکے عیسائیوں کو خوب کھانے کو دیا اور جب وہ یہاں سے چلے تو بھوکے نہ تھے مگر حالت بہت پتلی تھی۔ جو کچھ ساتھ لے گئے تھے۔ وہ ضائع ہو گیا تھا کشتیں بگڑ چکی تھیں اور کپڑے پھٹ چکے تھے۔

لین پول یہ تفصیل کہتا ہوا لکھتا ہے کہ ان کی وہی مثل ہوئی۔ کہ شتر مرغ گھر سے نکلا کہ کہیں سے سینگ مہیا کرے۔ لیکن جب گھر آیا تو کان بھی کھو چکا تھا۔

لین پول ۹۱ - ابن اثیر جز ۱۱، ۱۳۲ - ابن خلدون جز ۵ - ۲۸۴ - لین پول ۹۱ -

جوابی کارروائی

عیسائیوں نے بیٹھے بٹھائے اور بغیر کسی چپقلش کے دمیاط پر حملہ کرکے جو بیہودگی کی تھی صلاح الدین نے اس کا بدلہ لینے اور ابن شداد کے الفاظ میں دیارِ مصریہ کو آنے والے رستہ پر عیسائیوں کے تسلط کو ختم کرنے کے لئے عیسائی سرحدوں کی طرف یلغار کی۔[1]

لین پول کہتا ہے۔ صلاح الدین نے پہلا حملہ حصن داروم پر کیا۔ اس کی روایت کے مطابق اس قلعہ کا محاصرہ کوئی اسی دن تک جاری رہا۔ محاصرہ کو بے نتیجہ دیکھ کر صلاح الدین نے اسے آپ ہی ترک کر دیا اور غزہ جا پہنچا اور اسے فتح کرکے اس ناکام محاصرہ کی تلافی کی۔

ابن شداد نے نہ غزہ کا ذکر کیا ہے اور نہ حصنِ داروم کا۔ اس کا بیان ہے۔ کہ صلاح الدین بلادِ الکرک، والشوبک کی طرف بڑھا۔

ابن اثیر نے بعض غزہ کا ذکر کیا ہے۔[2]

بہرحال اس فوج کشی کے وقت صلاح الدین اور یروشلم کے بادشاہ امال رک میں بڑی سخت لڑائیاں ہوئیں اور عیسائی فوج نے ہر جگہ شکست کھائی۔[1]

لیکن اس فوج کشی سے مقصود محض دشمن کو ڈرانا تھا اور یہ مقصد پورا کرکے صلاح الدین واپس ہوا۔ مصر آن کر اس نے اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا بحری بیڑہ بنوایا اور ایلہ پر حملے کی نیت کی۔

ایلہ، خلیجِ عقبہ کے کنارے کا ایک بہت پرانا شہر ہے۔ یہ وہی شہر ہے جس کا ذکر توریت میں بھی ہوا ہے۔ اس شہر کو نہ صرف تاریخی بڑائی حاصل تھی۔ یہ اس لئے بھی بڑی اہمیت

---

[1] ابن شداد ۲۲۔ [2] ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۳۷ -

رکھتا تھا کہ جو حاجی بیت اللہ کے لئے مصر سے حجاز جاتے۔ انہیں ایلیہ سے ہو کر جانا پڑتا اور صلاح الدین کے نزدیک یہ فریضہ بھی اسی پر عائد ہوتا تھا کہ وہ اس شہر پر قبضہ کر کے حجاج کے راستہ کو ہر قسم کے خطرات سے پاک کر دے۔

صلاح الدین نے اس شہر پر حملہ کرنے کے لئے بڑی تیاریاں کیں۔ اس نے جو جہاز بنوائے۔ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے اونٹوں پر لادا اور بحرِ قلزم کے کنارے پر لا کر انہیں پھر جوڑا اور سمندر میں ڈال دیا۔ اس نے ان میں فوج بھری۔ یہ فوج جہازوں میں ایلیہ کی طرف چلی اور وہ خود خشکی کے راستہ ایلیہ پہنچا۔ اِدھر سے وہ پہنچا، اُدھر سے بحری فوج آ گئی دونوں طرف سے ایلیہ کا محاصرہ ہوا۔ ایلیہ نے تھوڑی مدت کے محاصرہ کے بعد سخت شکست کھائی اور صلاح الدین نے اس پر قبضہ کر کے اس کی پیشانی پر اسلامی جھنڈا لہرا دیا۔

یہ جوابی کارروائی تھی اور کامیاب کارروائی تھی۔ اس کارروائی نے نہ صرف عیسائیوں کے بڑھے ہوئے حوصلے شکست کر دیئے، صلاح الدین کی شہرت اکنافِ عالم میں پہنچا دی اور نہ صرف مصر کے مسلمانوں نے اسے اپنی محبت و عقیدت کا مرکز بنا لیا۔ بیرونی مسلمان بھی اسے اچھے لفظوں میں یاد کرنے لگے۔

لین پول کے الفاظ میں، صلاح الدین کی ان فتوحات نے جو اس نے عیسائیوں پر حاصل کیں۔ مصر کے لوگوں کو اس کا دوست بنا دیا۔ اب وہ اس کے خلاف نہ تو سازشیں کرتے اور نہ اسے معتوب جانتے۔

ابن اثیر جز ۱۱۔ ۱۳۷

فرمانروائی

مصری خلافت ختم ہوئی
نورالدین اور صلاح الدین
ایک بڑی سازش
اسکندریہ پر بیرونی حملہ
نورالدین کا انتقال

مصری خلافت ختم ہوئی

ابن اثیر کا بیان ہے کہ اطلبہ کی فتح کے بعد جب صلاح الدین مصر واپس آیا تو اس نے مصر کی خلافتِ فاطمی کے ختم کرنے کے مسئلہ پر غور شروع کیا۔ اطلبہ کی فتح سے پہلے اس نے العاضد باللہ کو اس کے منصب سے ہٹانے یا اسے کسی قسم کی تکلیف دینے کو گناہ سمجھا تھا۔ حالانکہ نورالدین محمود اور خلیفہ عباسی کی طرف سے اسے بار بار کہا گیا تھا کہ اس نمائشی خلافت کو ختم کر دے۔

ہو سکتا ہے کہ اطلبہ کی فتح سے پہلے اس نے ان دونوں کی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں جو تامل کیا تھا۔ اُس کا سبب اُس کی ذاتی حیثیت کا عدم تیقن ہو۔ اگر ابنِ اثیر کا بیان صحیح سمجھا جائے تو اس تامل کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ صلاح الدین کو خیال تھا کہ اگر کسی وقت نورالدین اس سے بگڑ جائے تو فاطمی خلیفہ اس کا سہارا بنے۔ لیکن ادھر سے کچھ اس قدر اصرار ہوا۔ نورالدین اور عباسی خلیفہ نے اس قدر تاکیدی پیغامات بھیجے کہ بالآخر صلاح الدین کو ان کی خواہش کے سامنے جھکنا پڑا۔

یہ محرم ۵۶۷ھ کا پہلا جمعہ تھا۔ العاضد کو بسترِ مرگ پر پڑے کئی دن ہو گئے تھے۔ کہ صلاح الدین کو نورالدین کا آخری اور حتمی پیغام ملا کہ فاطمی خلافت کا خاتمہ کر دے۔ گو دل سے اس کا حامی نہ تھا۔ لیکن نورالدین کے اس حتمی حکم کی مخالفت کی اس میں تاب نہ تھی۔ اس نے امرائے دربار سے صورتِ حال کو سلجھانے میں مشورہ کیا۔ کچھ امرا کا خیال تھا۔ یہ اقدام قبل از وقت ہے۔ ممکن ہے مصری اس تبدیلی سے بھڑک اٹھیں۔ بعض امرا، نورالدین

ابن اثیر جز ۱۱ - ابن خلدون جز ۵ ص ۲۸ - ۲۸۵ - ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۶۴ - ۲۶۵

کے حکم کی تعمیل کو ضروری جانتے تھے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا۔ ابھی کسی نے اس بڑے کام کو انجام دینے کے لیئے کوئی قطعی رائے ظاہر نہ کی تھی کہ ایک عجمی عالم نے جو امیر العالم کہے جاتے تھے۔ آگے بڑھ کر یہ خدمت اپنے ذمّہ لی۔ انھوں نے یہ اقرار کیا کہ وہ خطبہ جمعہ کے وقت اس خدمت کو انجام دیں گے۔

خطبہ کا وقت آیا تو خطیب سے پہلے وہ منبر پر چڑھے۔ فاطمی خلیفہ کا نام لینے کی بجائے عباسی خلیفہ کے لئے دعائے خیر کی۔ لوگ دعا سنتے رہے۔ کسی کے چہرہ سے دعا سنتے وقت کوئی ناراضگی یا ناپسندیدگی ظاہر نہیں ہوئی۔ اور یہ اتنا بڑا کام، کچھ اس طرح سے طے ہو گیا کہ پورے شہر میں نکسیر تک نہ پھوٹی۔ نعرہ تک نہ لگا۔

قاہرہ نے اس تبدیلی پر کوئی احتجاج نہ کیا تو صلاح الدین نے مصر کی تمام مساجد میں آئندہ سے فاطمی خلیفہ کی جگہ عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھنے کے صاف اور واضح احکام جاری کر دیئے۔

لیکن چونکہ اسے آخری فاطمی خلیفہ العاضد سے بہت محبت تھی اور العاضد بسترِ مرگ پر پڑا تھا۔ اس لئے اس کی خواہش تھی کہ العاضد کو مرتے وقت تک یہ خبر نہ معلوم ہو پائے۔ ایسا ہی ہوا، جب تین دن بعد العاضد اس دنیا سے رخصت ہوا تو وہ خود کو خلیفہ ہی سمجھتا رہا۔

العاضد کی موت کے بعد صلاح الدین نے اس کے تجہیز و تکفین سے فراغت پاتے ہی یہ خبر محل والوں کو سنا دی اور قصرِ خلافت کو اور اس کے تمام خزانوں اور اموال کو ریاست کے حق میں ضبط کر لیا۔

مصر کا یہ انقلاب جس آسانی سے ہوا۔ اس کی مثال پہلی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اس پُرامن انقلاب کی کامیابی کا سہرا گو صلاح الدین کے سر نہیں بندھا عجمی امیر العالم نے یہ بھاری خدمت انجام دی، تاہم یہ صلاح الدین تھا جس کی محبوبیت اور ہر دلعزیزی نے مصر کے لوگوں کو، یہ احساس تک نہ ہونے دیا کہ ان سے کوئی دولت چھن گئی ہے۔ اگر صلاح الدین کی

ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۳۸ - ابن شداد - ۲۹ - ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۶۶ - ابن خلدون جز ۲۸۵

جگہ کوئی دوسرا حاکم ہوتا تو مصر کے لوگ خصوصیت سے خلافت کے متعلقین بہت شور مچاتے۔ کہا جا سکتا ہے کہ صلاح الدین نے نجاح کی سازش کو ناکام بنا کر اور پچاس ہزار خواجہ سراؤں کو جلاوطن کر کے جو سیاست کی چال چلی تھی۔ وہی اس انقلاب کے پُرامن ہونے کا پہلا سبب تھی۔ اگر یہ لوگ یہاں ہوتے تو لازمی طور پر سر اٹھاتے۔

بہرحال مصر کا یہ انقلاب بڑا پُرامن تھا۔ مصر سے فاطمیوں کی دو سو سالہ حکومت ختم ہو گئی تھی۔ گو اس کی عظمت و بزرگی کے نشانات اب بھی چاروں طرف پھیلے تھے۔ اب بھی القصر الکبیر اور القصر المغرب کی شاندار عمارتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ گو اب بھی فاطمی خلفا کے بنائے ہوئے مدرسے، یتیم خانے اور دوسرے خیراتی ادارے فاطمی خلفا کے گیت گا رہے تھے۔ لیکن فاطمی خلفا اس دُنیا سے رخصت ہو گئے تھے اور ان کی جگہ بغداد کے عباسیوں کو مل گئی تھی جو خود بھی محض ایک رسم کی حیثیت رکھتے تھے۔

ابنِ اثیر فرماتے ہیں کہ العاضد کی موت کے بعد جب صلاح الدین نے فاطمی محلات کا جائزہ لیا تو وہاں انواع و اقسام کے نوادر کے علاوہ بے شمار جواہرات، بے حساب سونا، سونے چاندی کے ظروف، ریشمی ملبوسات اور اسی قسم کی ہزاروں قیمتی چیزیں اسے جوں کی توں محفوظ ملیں۔ فاطمیوں نے دو سو سال میں جو دولت جمع کی تھی۔ اس میں سے دس لاکھ اشرفیاں تو العاضد نے دمیاط کے محاصرہ میں صلاح الدین کو سونپ دی تھیں باقی کی دولت صلاح الدین نے اس کی موت کے بعد اس کے خاندان سے لے لی اور اسے عوام کے بیت المال میں داخل کر دیا۔ کیونکہ صلاح الدین کے نزدیک یہ عوام کا مال تھا۔ فاطمی خلفا نے یہ سارا مال عوام سے حاصل کیا تھا۔

ابن خلدون نے جواہرات کا ذکر کرتے ہوئے سترہ مثقال وزن کے ایک نادر و بے مثال یاقوت ایک نادر لؤلؤ، اور ایک زمرد کی بڑی تعریف کی ہے۔ یہ زمرد، چار انگل لمبا اور چار انگل چوڑا تھا۔ ابن اثیر نے یہ سارے جواہرات خود دیکھے اور ان کے وزن کیے[1]۔

ابن خ
۵۲
ابن اث

اِن قیمتی اور نادر جواہرات کے علاوہ اور بھی بہت سے جواہرات صلاح الدین کو یہاں سے ملے۔ لونڈیوں، باندیوں کی فہرست تو بہت طویل تھی۔ صلاح الدین نے ان میں سے اکثر کو آزاد کر دیا اور کچھ امرا اور مصاحبین میں تقسیم کر دیں۔

تاریخ میں یہ بات بھی اپنی مثال آپ ہے کہ صلاح الدین نے ان قیمتی چیزوں میں سے ایک بھی خود نہیں رکھی اور نہ فاطمیوں کے عالی شان محلات میں اقامت اختیار کی۔ اس نے ان محلات کو جن پر فاطمی خلفا نے عوام کی دولت بڑے اسراف کے ساتھ صرف کی تھی۔ یادگار کے طور پر محفوظ کر دیا۔ کچھ امرا کو ان میں رہنے کی اجازت بھی دی لیکن خود ان میں سے کسی میں نہیں رہا۔

جو نوادر بادشاہوں کے محلات کی زینت بن سکتے تھے۔ انہیں صلاح الدین نے نورالدین کو بھجوا دیا۔ اور ایک محل جو نسبتاً مختصر تھا، اپنے بھائی العادل کو رہنے کے لئے دے دیا۔

صلاح الدین کے دل میں چور نہ تھا اور نہ وہ اپنے محسن کو بھولا تھا اس نے مصر کی ہر مسجد میں نورالدین کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور اسی کے نام کے سکّے مضروب کئے۔ اور اسی کو دربارِ عام و خاص، ظاہر و باطن میں مصر کا نگران مشہور کیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نورالدین عملی طور پر مصر کے معاملات میں قطعاً کوئی مداخلت نہ کرتا۔ صلاح الدین ہی ہر کام اور ہر عمل میں مختار تھا۔ پھر بھی نورالدین ہی مصر کا حاکمِ اعلیٰ یا سلطان سمجھا جاتا۔ صلاح الدین کی طرف سے اس کی سلطانی کے خلاف، نہ کبھی کوئی اشارہ ہوا اور نہ حرکت۔ البتہ فرمانروائی اسی کی تھی۔ وہ ہر بات میں پورا مختار تھا +

نورالدین اور صلاح الدین

اس دور کے مورخین نے جن میں ابن الاثیر پیش پیش ہیں۔ صلاح الدین اور نورالدین کے باہمی تعلقات کے باب میں کچھ صحیح رائے قائم نہیں کی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صلاح الدین کو مصر میں ایک طرح کی خود مختاری حاصل تھی۔ لیکن یہ کہنا قطعاً صحیح نہیں ہے کہ صلاح الدین، نورالدین سے بغاوت پر مائل تھا۔ یا اس نے کبھی کوئی ایسی کوشش کی کہ نورالدین سے دامن چھڑا لے اور خود مختار ہو جائے۔ اس نے آخر وقت تک نورالدین سے وفاداری ظاہر کی۔

خلیفہ العاضد کی معزولی اور مصر میں بنو عباس کا خطبہ پڑھنے کے سلسلہ میں ہم نے پیچھے جو واقعات بیان کئے ہیں۔ وہی اس امر کے بین ثبوت ہیں کہ صلاح الدین، نورالدین کے احکام کا اتباع کرنا ضروری جانتا تھا۔ اگر صلاح الدین نورالدین سے چھٹکارا پانا چاہتا۔ اگر اس کے دل میں نورالدین کے خلاف بغاوت پرورش پا رہی ہوتی تو وہ کبھی نورالدین کے حکم کی پیروی میں مصری خلافت کا خاتمہ نہ کرتا اور کبھی مصر میں نورالدین کے نام کے سکے مسکوک نہ کراتا۔

ابن خلدون شاہد ہیں کہ جب دمیاط کا محاصرہ ہوا تو نورالدین اور صلاح الدین میں کسی قسم کی کوئی بدمزگی پیدا نہ ہوئی تھی۔ صلاح الدین نے ہر لمحہ دمیاط کی صورت حال سے نورالدین کو مطلع کیا تھا۔ خود نورالدین نے دمیاط کے محاصرہ میں صلاح الدین کی خوب مدد کی تھی۔ اسے دس لاکھ اشرفیاں بھی بھیجی تھیں اور فوج بھی۔[1]

[1] ابن خلدون جزء "محاصرہ دمیاط"

یہ امر بدیہی ہے کہ دمیاط کے محاصرہ کے وقت تک بلکہ العاضد فاطمی کے زوال کی گھڑی تک دونوں میں قطعاً کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔

البتہ، ابن خلدون اور ابن اثیر کی اس رائے کو بھی جھٹلانا ممکن نہیں ہے کہ طرفین کے حاشیہ نشین اس کوشش میں یقیناً تھے کہ دونوں میں شکر رنجی پیدا ہو جائے خصوصیت سے اس وقت جب صلاح الدین خلافتِ فاطمی کے خاتمہ کے بعد عیسائیوں کی مزاج پُرسی کے لئے بلادِ افرنگ پر حملہ آور ہوا۔ اور اس نے حصن الشوبک اور حصن الکرک کا محاصرہ کیا اور نور الدین زنگی بھی دمشق سے اس طرف چلا تو صلاح الدین کے بعض حاشیہ نشینوں نے سلطان کو نور الدین کے ساتھ اجتماع سے روکا!

وہ لوگ اور خود صلاح الدین بھی جانتا تھا کہ نور الدین کا مقصد کیا ہے۔ نور الدین نے آپ صلاح الدین پر اپنا مقصد واضح کر دیا تھا کہ شام کی طرف سے وہ یروشلم پر حملہ آور ہو، اور مصر کی سمت سے صلاح الدین ارضِ فلسطین میں یلغار کرے اور اس طرح دونوں عیسائیوں کو دباتے ایک جگہ آن ملیں اور یروشلم کی سلطنت قطعاً ختم کر دی جائے۔

اگر یہ دونوں اپنی پوری فوجوں کے ساتھ اس ارادہ سے یروشلم میں داخل ہوتے تو یقیناً یروشلم ختم ہو جاتا۔ صلاح الدین کی اپنی خواہش یہی تھی۔

ابنِ اثیر کہتے ہیں کہ اسی امکان کی بنا پر سلطان کے بعض حاشیہ نشینوں کو یہ شبہ ہوا کہ کہیں نور الدین یروشلم کے خاتمہ کے بعد مصر پر براہِ راست حکومت کرنا نہ شروع کر دے۔ اس لئے انہوں نے صلاح الدین سے کہا۔ نور الدین کے اس ارادہ کو عملی جامہ نہ پہننے دے اور یروشلم کو زندہ رکھے تاکہ دونوں کے درمیان ایک مخالف درمیانی ریاست قائم رہے اور دونوں کی حدود ایک دوسرے سے نہ ملیں۔

یہ خیال یقیناً شبہات پیدا کرنے کا باعث ہو سکتا ہے۔ ابنِ اثیر فرماتے ہیں۔ کہ صلاح الدین اس سے متاثر ہوا اور کرک اور شوبک کا محاصرہ اچانک ختم کر کے نور الدین

کی اجازت کے بغیر مصر لوٹ آیا۔

ابنِ اثیر کے نزدیک یہ بات بڑا وزن رکھتی ہے۔ اس نے بڑے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ صلاح الدین کی وفاداری متزلزل ہو گئی تھی۔

ابنِ اثیر نے صلاح الدین پر جو شکوک وارد کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ محض ظنی ہیں کیونکہ ہمارے خیال میں صلاح الدین کا ذاتی کردار اس شبہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ وہ بڑا سچا اور بڑا نیک فرمانروا تھا اور اس سے یہ قطعاً توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کسی ذاتی منفعت یا ذاتی مصلحت کے سبب ایک تو اتنے بڑے ملّی مقصد کو نقصان پہنچاتا اور دوسرے اپنے محسن کو دھوکا دیتا۔

ابنِ اثیر کی یہ روایت قیاس و دیانت کے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ خود ابن اثیر کا اپنا بیان ہے کہ جب نورالدین نے صلاح الدین کی واپسی پر اعتراض کیا تو اس نے اس کے جواب میں اسے لکھا تھا۔

"اسے اطلاع ملی ہے کہ مصر کے بعض شہروں میں بغاوت پر تول رہی ہے اور فاطمیوں کے شیعہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کی حکومت ختم کر دیں[1]۔"

ابنِ خلدون نے بھی اس بیان کی تصدیق کی ہے[2]۔

ہمارے پاس ان دونوں روایات کے سوا کوئی دوسری ایسی شہادت نہیں ہے جو اس شبہ کو غلط ثابت کرے۔ البتہ ابنِ شداد اس شبہ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں کرتا۔

بہرنوع یہ پہلا موقعہ تھا جب نورالدین کے دل میں صلاح الدین کے بارے میں کچھ ملال پیدا ہوا۔ لیکن جب صلاح الدین کا معذرت نامہ اسے پہنچ گیا۔ تو پھر یہ ملال جاتا رہا۔

عجیب بات ہے۔ یہی قصّہ ایک بار اور دہرایا گیا اور یہ اس وقت ہوا۔ جب

[1] ابنِ اثیر جز ... ۱۳۹
[2] ابنِ خلدون ج... ۲۸۵

صلاح الدین اور نورالدین میں پہلے سے یہ طے پا گیا تھا کہ دونوں کی فوجیں کرک پر مجتمع ہونگی اور وہاں سے ایک متحدہ محاذ بنا کر بلادِ افرنگ پر یلغار کریں گی۔ یہ وقت بھی جب آیا۔ تو صلاح الدین کو واپس ہونا پڑا۔

اس واپسی نے پہلے شبہ کو یقین کی صورت دے دی۔ گو تاریخ شاہد ہے کہ اس واپسی میں بھی حالات کا جبر شامل تھا۔ صلاح الدین کے باپ نجم الدین پولو کھیلتے کھیلتے گھوڑے پر سے اچانک گر پڑے تھے اور انہیں بہت مہلک زخم آئے تھے[1]۔ یہ خبر جیسے ہی صلاح الدین کو ملی۔ وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے کرک سے واپس ہوا اور قاہرہ آن پہنچا۔ — ابن شداد ۲۹ [1]

یہ واپسی چونکہ سخت جبری تھی۔ اس لئے اس نے فقیہہ عیسیٰ ہکاری کو باپ کی خوفناک علالت کی خبر دے کر نورالدین کے پاس بھیجا اور بہت بہت معذرت کی[2]۔ ابنِ خلدون کے بیان کی رو سے نورالدین نے یہ معذرت قبول کر لی اور واپس ہو گیا۔ — ابن خلدون جزء ۲۸۶ [2]

اگر ابنِ خلدون اور ابن شداد کو نظر انداز کر کے صرف ابن اثیر پر تکیہ کر لیا جائے تو ابنِ اثیر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ پہلی بار جب صلاح الدین واپس مصر آیا تو اس نے نورالدین کے خلاف بغاوت کرنے کی نیت کر لی تھی اور امرائے دربار کو بلا کر اس موضوع پر خوب گفتگو کی تھی مگر یہ نجم الدین ایوب تھے جنہوں نے صلاح الدین اور اس کے ساتھیوں کو اس فعل سے سختی سے روکا تھا اور صاف اور واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے نورالدین کی مخالفت کی اور نورالدین تمہاری بغاوت دبانے کے لیے مصر آئے اور انہوں نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو حکم دیا کہ ہم تمہیں اپنی تلواروں سے ذبح کر دیں تو ہم ہر حال میں تمہیں قتل کریں گے۔

ابنِ اثیر فرماتے ہیں کہ نجم الدین کی اس تقریر نے صلاح الدین کے ہوش سنوار دیئے اور اس نے نورالدین کے خلاف سر اٹھانے سے توبہ کر لی اور باپ کے مشورہ سے

نورالدین کے نام ایک بہت ہی مؤثر عریضہ لکھا جس میں اسے اپنی وفاداری اور بندگی کا
یقین دلایا۔[1]

ابن اثیر جز ۱۱ ۱۳۹

ہمیں افسوس ہے کہ ہم مورخ ابن اثیر کے اس بیان کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتے
لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ مورخ ابنِ اثیر چونکہ اتابکوں کے بہت مداح تھے۔ اس لئے انہوں
نے زیادہ جانبداری سے کام لیا اور صلاح الدین کے باب میں کسی قدر زیادتی کی خصوصیت
سے ان کا یہ بیان قطعاً محلِ نظر ہے کہ نجم الدین نے بھرے مجمع میں تو صلاح الدین کو اس
بات سے باز رکھا۔ بھرے مجمع میں تو یہ کہا کہ وہ نورالدین کے کہنے پر اس کی گردن بھی کاٹنے
میں تامل نہ کریں گے۔ لیکن خلوت میں اس سے قسم کھا کر کہا۔

واللہ، لو اراد نورالدین قصبۃً من قصبِ السکر لقاتلتہٗ، انا علیہا حتی
امنعہٗ او اقتل۔[2]

ابن اثیر ۱۳۹

خدا کی قسم اگر نورالدین ہمارے کھیتوں میں سے ایک گنا بھی توڑنا چاہے گا تو میں اس
سے اس وقت تک لڑوں گا۔ جب تک میں اسے اس سے روک دوں یا میں
مارا جاؤں۔

یہ پہلے موقعہ کے بعد کی گفتگو تھی۔ دوسری بار اس قسم کی گفتگو کی نوبت نہیں آئی کیونکہ
نجم الدین ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ صلاح الدین ابھی قاہرہ نہیں پہنچا تھا۔
کہ ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

وہ بڑے اونچے آدمی، انتہائی مدبر، سخی اور رحم دل مسلمان تھے۔[3]

ابن خلدون جز ۵
ابن اثیر جز ۱۱
۲۸۶ - ۱۱۷

نجم الدین کی موت خود نورالدین کے لئے پریشانی کا موجب بنی تھی۔ ابنِ اثیر فرماتے
ہیں کہ جب عیسیٰ الہکاری نے، نورالدین سے یہ صورتِ حال کہی تو اس پر صلاح الدین کی
یہ روش بہت شاق گزری۔ مگر اس نے ظاہر نہیں کیا۔ اس نے اس وقت صرف
اتنا کہا۔

حفظ مصر اھم عندنا من غیرھا۔

ہمارے نزدیک مصر کی حفاظت دوسری باتوں سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے یہ بات صرف ابنِ اثیر جانتے ہیں کہ انہوں نے نورالدین کے دل کا راز کیسے جان لیا ابنِ اثیر بہت بڑے مورخ ہیں اور ان کی شہادت یا روائت آج کے دن پرکھنا بہت مشکل ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دونوں درباروں کے حاشیہ نشین، دونوں فرمانرواؤں کو ایک دوسرے کے خلاف اکساتے رہتے تھے اور غالباً یہی وجہ تھی کہ صلاح الدین اس واقعہ کے بعد نورالدین سے ہمیشہ خائف رہا۔ اور اس نے اور اس کے بھائیوں نے یہ کوشش کی کہ مصر کے علاوہ، افریقہ کے ساحلوں یا سوڈان و یمن میں کوئی ایسی جگہ امن کی تلاش کر لی جائے جہاں نورالدین کے عتاب سے بچنے کے لئے وہ جا سکیں اس جستجو میں پہلے صلاح الدین کے بڑے بھائی توران شاہ، بلد النوبہ گئے۔ ایک دوسری مہم برقہ، طرابلس اور قابص روانہ کی گئی۔ مگر ان میں سے کوئی جگہ بھی ایسی نہ تھی جو مامن کے طور پر استعمال کی جا سکتی۔ توران شاہ نے سوڈان پر بھی حملہ اسی غرض سے کیا تھا۔ گو اس نے سوڈان کے تمام بڑے اور اہم شہر فتح کر لئے تھے۔ لیکن سوڈان بھی اسے اس قابل نظر نہ آیا کہ وہاں پناہ لی جا سکے۔

ہمارے خیال میں مورخ ابن اثیر کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان سارے مقامات پر جو فوجی مہمیں بھیجی گئیں۔ ان سے اصل غرض، ان مقامات کی فتح تھی۔ جائے پناہ تلاش کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ جب نورالدین کی طرف سے دوسرے سانحہ کے بعد نہ کوئی دھمکی آئی اور نہ کوئی اور ہی بات ہوئی۔

ابنِ اثیر کا اگر یہ بیان غلط فہمی پر مبنی نہ بھی ہو۔ تو بھی یمن پر فوج کشی تو قطعاً اس مقصد سے نہ ہوئی تھی۔ اس لئے کہ خود ابنِ اثیر ہی فرماتے ہیں کہ یمن پر توران شاہ نے اس وقت حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب یمن کے ایک شاعر عمارہ نے اسے خوب سبز باغ

دکھائے۔ اس نے یمن کے سبزہ زاروں اور دوسری دلچسپیوں کی خوب تعریف کی۔ اگر صلاح الدین اور اس کے خاندان کو جائے امن ہی چاہئے تھی تو وہ یمن کا نہیں کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرتے جو اس کی پہنچ سے دور ہوتی۔ یمن تو عرب کا ایک حصہ تھا اور ہر وہ کارواں جو مصر سے مکہ پہنچ سکتا تھا۔ وہ یمن بھی جا سکتا تھا۔ یمن کوئی اچھی جائے پناہ نہ تھی۔ پھر عجیب بات ہے کہ توران شاہ نے حملہ سے پہلے نور الدین سے حملہ آور ہونے کی اجازت لے لی تھی۔ اس نے اس وقت حملہ کی جو وجہ بتائی۔ وہ یہ تھی کہ عبد النبی زبید نے خلیفہ عباسی کا خطبہ پڑھنا بند کر دیا ہے۔ نور الدین اس زمانہ میں خلیفہ عباسی کا بڑا معتقد تھا اور وہ یہ گوارا نہ کر سکتا تھا کہ کوئی فرمانروا خلیفہ عباسی کا خطبہ نہ پڑھے۔ اس لئے اس نے توران شاہ کو یمن پر حملہ آور ہونے کی اجازت دے دی۔ ابن اثیر جز ۱۱ ص ۱۴۸

مورخ ابنِ کثیر جو بہت محتاط مورخ ہیں۔ یمن پر صلاح الدین کے تسلط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وفیها کان فتح بلاد الیمن للملک صلاح الدین وکان سبب ذلک ان صلاح الدین بلغه ان بها رجلاً یقال له عبد النبی بن مهدی وقد تغلب علیها ودعا الی نفسه و بالامام وزعم انه سیملک الارض کلها

(اور اسی سال میں بلادِ یمن صلاح الدین کے لئے فتح کئے گئے۔ اس فتح کا سبب یہ تھا کہ صلاح الدین کو خبر ملی کہ اس میں ایک ایسا شخص ہے جو عبد النبی کہلاتا ہے۔ وہ یمن پر غالب آگیا ہے اور لوگوں کو اپنی طرف بلاتا اور خود کو امام کہتا ہے۔ اس کا خیال فاسد ہے کہ وہ ساری دنیا کا مالک ہو جائے گا) ابن کثیر جز ۱۲ ص ۲۸۳، ۲۸۴

یقیناً ابن کثیر نے وہ قصہ بھی دہرایا ہے جو ابنِ اثیر اور ابنِ خلدون نے بیان کیا ہے

کہ عمارہ شاعر نے جو توران شاہ کا ہم جلیس تھا یمن کے اوصاف بیان کرنے کے بعد توران شاہ کو یمن پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی تھی[1]

توران شاہ پہلے مکہ گئے اور وہاں کے کچھ با اثر لوگوں کو ساتھ لے کر یمن پر چڑھائی کی پہلے زبیدہ فتح کیا۔ پھر عدن پر مصری پھریرا لہرایا۔

عبد النبی نے مقابلہ کیا مگر توران شاہ کے سامنے اس کی امامت و نبوت ٹھیر نہ سکی اور اس نے اسے شکست پر شکست دے کر قید کر لیا۔

یمن گو توران شاہ کا مفتوحہ ملک تھا۔ لیکن اس نے کسی بھی جگہ اپنا یا اپنے بھائی کا خطبہ نہیں پڑھا۔ ہر جگہ خلیفہ عباسی اور نور الدین کے نام خطبہ میں لئے گئے اور اس طرح یہ نئی مملکت بھی نور الدین کی حکومت ہی کا ایک حصہ قرار پائی تھی۔

توران شاہ کی فتوحات کا ذکر کرنے کے بعد ابن اثیر کہتے ہیں کہ توران شاہ نے یمن کو خوب آباد کیا، زبید اور عدن کی خوشحالی میں گراں بہا اضافے کئے۔ بہت سی نئی عمارتیں بنوائیں اور رعیت کی فلاح و بہبود کے لئے بہت جدوجہد کی خصوصیت سے زبید نے تو اس کے زمانہ میں بہت ہی ترقی کی[2]

---

[1] ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۴۸ - ابن خلدون جز ۵ - ۲۸۳

[2] ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۴۵ - ابن خلدون جز ۵ - ۲۸۳

ایک بڑی سازش

عین اس وقت جب توران شاہ یمن میں فتح پر فتح حاصل کر رہا تھا مصر میں صلاح الدین کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے ایک بڑی سازش پک رہی تھی۔ اس سازش کا سرغنہ وہی یمنی شاعر عمارہ بن ابی الحسن تھا جس نے توران شاہ کو یمن پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی تھی۔ عمارہ کے ساتھیوں میں عبد الصمد کاتب، قاضی العویرس اور مصری فوج کے کئی زعیم بہت سے سوڈانی، شاہی محلات کے پہرہ دار حتیٰ کہ صلاح الدین کے بعض امرا اور اس کی فوج کے بعض عہدیدار بھی شامل تھے۔

یہ سازش اتنی گہری اور اتنی بڑی تھی کہ سازشیوں نے محض مصر ہی میں اپنا جال نہیں پھیلایا تھا۔ یروشلم صقلیہ اور سواحل الشام کے عیسائی بھی اس میں شریک کر لئے تھے۔ ان کی تجویز یہ تھی کہ اندر سے صلاح الدین کے خلاف وہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور باہر سے صقلیہ اور یروشلم کی فوجیں مصر پر چڑھائی کریں گی اور اس طرح دونوں ایک ساتھ مل کر صلاح الدین کی حکومت ختم کر دیں گے۔ ان کا خیال تھا بیرونی دشمن کے حملوں کو روکنے کے لئے صلاح الدین لازمی طور پر قاہرہ سے باہر جائے گا جیسے ہی وہ باہر گیا۔ وہ دارالحکومت پر ہلّہ بول دیں گے انہوں نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اگر صلاح الدین بیرونی دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے خود باہر نہ گیا۔ اس نے اپنی فوجیں ہی بھیجیں۔ تو بھی وہ اسے تنہا پا کر پکڑ لیں گے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان کی تیاری بڑی مکمل تھی۔ خود عمارہ کا دعویٰ تھا کہ اس نے توران شاہ کو یمن بھیج کر صلاح الدین کو اس کے ایک بازو سے محروم کر دیا ہے۔ یہ امر واقعہ تھا۔ توران شاہ کی مصر سے دوری بہت اہمیت رکھتی تھی۔ توران شاہ بڑا بہادر، بڑا حوصلہ مند

اور جری سپاہی تھا۔ پھر اس کے ساتھ جو فوج یمن گئی تھی۔ وہ مصر کی بہترین فوج تھی۔ اس کی مصر سے دوری یقیناً صلاح الدین کی عسکری کمزوری کا باعث تھی۔ لیکن ابن اثیر کے بیان کے مطابق پروردگار کو مسلمانوں کی فلاح منظور تھی۔ اس لیئے اس نے پہلے تو سازشیوں میں پھوٹ ڈلوا دی۔ ان میں سے ہر جماعت اور ہر گروہ اپنے آدمیوں کے لیئے خلافت اور وزارت کے منصب مانگنے لگے اور پھر انہوں نے اپنا رازدان ایک ایسے آدمی کو بنا لیا۔ جو صلاح الدین کا معتمد علیہ، بڑا متقی اور پرہیزگار عالم تھا۔ یہ عالم قاضی ابن نجبہ تھا۔ اس کی نیکی اور ہردلعزیزی کے سبب سازشیوں نے اسے اپنے جھگڑوں میں ثالث مقرر کیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ابن نجبہ کو ثالث بنا کر وہ اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار رہے ہیں۔ ابن نجبہ کو جیسے ہی سازش کی تفصیل معلوم ہوئی۔ وہ صلاح الدین کی طرف بھاگا اور اس سے ہر بات کہہ دی۔

اس سازش میں چونکہ بہت سے لوگ شریک تھے، اس کے اپنے امرا اور عسکری بھی تھے۔ اس لئے اس نے بہت احتیاط سے پہلے پوری تحقیقات کی۔ اس نے ایک ایک سازشی پر اپنی خفیہ پولیس بٹھا دی۔ اس نے ہر آدمی کی حرکات و سکنات کے متعلق ہر طرح کی معلومات بہم پہنچانے کے انتظامات مکمل کر لیے۔ یہ لوگ باہر آتے جاتے، چلتے پھرتے، دوستوں سے ملتے۔ بظاہر ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ لیکن بہ باطن ان کی ایک ایک حرکت کی نگرانی ہوتی رہی اور صلاح الدین کو ہر لمحہ ان کی ہر بات پہنچتی رہتی۔

یہی دن تھے کہ سازش کی دوسری کڑی بھی منظرِ عام پر آ گئی۔ ساحر نگیوں کا ایک نامہ بر بظاہر صلاح الدین کے حضور بہت سے تحائف اور دوستانہ خط لے کر آیا تھا مگر بہ باطن یہ یروشلم کے بادشاہ کی طرف سے سازشیوں کے نام ایک پیغام لایا تھا۔ صلاح الدین کو چونکہ اس کے مخبروں نے خبر دی تھی کہ یہ پیغام بر مشتبہ ہے۔ اس لئے اس نے اس پیغامبر کی خوب نگرانی کی اور اس سے وہ پیغام بڑی دانائی سے معلوم کر لیا جو وہ یہاں کے سازشیوں

ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۷۴

کو دینا چاہتا تھا۔ اس پیغامبر سے صلاح الدین نے سازشیوں کے نام بھی معلوم کر لئے۔ یوں جب قاضی ابن بخب کے بیان کی تصدیق ہو گئی تو صلاح الدین نے بڑے سازشیوں عمارہ شاعر، عبدالصمد کاتب اور دوسرے امرا کو دفعتاً پکڑ لیا اور بغاوت کے الزام میں پھانسی دے دی۔

ابن اثیر نے اس سلسلہ میں ایک اور قصہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں قاضی الفاضل نے اس سازش کا انکشاف کیا تھا۔ قاضی صاحب اور عمارہ میں باہمی دشمنی تھی۔ لیکن عبدالصمد الکاتب جو اس سازش کا بڑا سرغنہ تھا۔ قاضی صاحب کا بہت مُرید تھا۔ وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا اور ان سے ہر بات میں مشورہ لیتا۔ قاضی صاحب، چونکہ عمارہ کے دشمن تھے اور اس سازش کی کامیابی عمارہ کی کامیابی تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ سازش صلاح الدین پہ کھول دی۔

بہرحال، یہ بڑی سازش انجام کو پہنچے بغیر کھل گئی اور صلاح الدین نے اللہ کا ہزار ہزار شکر ادا کیا۔ جس نے اپنے فضل وکرم سے اسے دشمنوں کے اس خوفناک حملہ سے بال بال بچا لیا تھا۔

ابنِ کثیر نے اس سازش میں شرکت کرنے والوں میں نجاح الحمامی، بشریا اور ابن عبدالقوی کے نام بھی لکھے ہیں۔ اس کے بیان کی رو سے صلاح الدین نے ان سب کو اپنے ہاں الگ الگ بلوا کر ان سے جب، اس سازش کا ذکر کیا تو سب نے باری باری اقبالِ جرم کر لیا اور صلاح الدین نے ان کے اقبالِ جرم کے بعد فقہا سے ان کی سزا کے بارے میں استصواب کیا۔ فقہا نے انہیں پھانسی کی سزا دی اور صلاح الدین نے اس کی تصدیق کر دی۔

ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۷۵ - ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۵۰ - ابن خلدون جز ۵ - ۲۸۴

اسکندریہ پر بیرونی حملہ

اس سازش کے پکڑے جانے کی خبر جب عام ہوئی تو یروشلم کے عیسائی جو جب قرارداد ایک بڑی فوج لے کر مصر پر حملہ آور ہونے والے تھے۔ حملہ سے رُک گئے۔ لیکن صقلیہ والوں کو اس افشائے راز کا علم نہ ہو سکا اور وہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق وقت مقررہ پر صقلیہ سے چل پڑے تھے۔ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ صقلیہ کی فوج ایک بہت بڑے بحری بیڑہ پر سوار ہوئی۔ جس میں سے ۲۰۰ جہازوں پر سپاہی۔ ۳۶ جہازوں پر گھوڑے ۶ جہازوں پر اسلحہ، اور ۴۰ جہازوں پر غلّہ لدا تھا۔ ابن اثیر کے بیان کی رو سے اس بحری بیڑہ میں پچاس ہزار پیادہ فوج اور پندرہ سو سوار لد کر اسکندریہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

بادشاہ صقلیہ کا ایک چچیرا بھائی اس کی قیادت کر رہا تھا۔ یہ بحری بیڑہ ۲۶ ذی الحجہ ۵۶۹ھ ہجری کو اچانک اسکندریہ آن پہنچا۔ اسکندریہ والوں کو اس بیڑہ کی آمد کی خبر اسی وقت ہوئی۔ جب وہ اسکندریہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا صقلیہ کی فوج گو تعداد میں بہت کافی تھی۔ مگر چونکہ اس کی مدد کے لئے یروشلم کے عیسائی اور مصر کے باغی، سازش کھل جانے کے سبب اسکندریہ نہ آسکے اس لئے اس کے سپہ سالار کو بہت مایوسی ہوئی۔ مگر اسکندریہ پہنچ چکے تھے اور پھر اسکندریہ والوں کی مدد کے لئے کوئی دوسری مصری فوج موقعہ پر موجود

نہ تھی۔ اس لئے صقلیہ والوں نے لڑائی چھیڑ دی۔ وہ جہازوں سے خشکی پر اترے اپنی بڑی بڑی منجنیقوں کو شہر پناہ کے قریب لائے۔ دبابات نصب کئے اور شہر پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر اسکندریہ کی فوج بھی مقابلہ میں آئی۔ وہ تعداد میں بہت تھوڑی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اُس نے سخت مدافعت کی!

ابنِ اثیر فرماتے ہیں۔ اسکندریہ والے جس بہادری اور جرأت سے دشمن سے لڑے۔ اس کی مثال دشمن نے پہلے کہیں نہیں دیکھی تھی۔ دشمن بہت متاثر ہوا۔[1] لڑائی صبح کے وقت شروع ہوئی تھی۔ شام تک ہوتی رہی۔ رات کی سیاہی جیسے ہی پھیلی۔ اسکندریہ والے واپس ہو گئے، دوسرے دن پھر پہلے ایسی سرگرمی سے لڑائی کا آغاز ہوا۔ اور صبح سے لے کر شام تک، بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ دوسرے دن کی لڑائی اس اعتبار سے پہلے دن سے ممتاز تھی کہ اس میں اسکندریہ کے نواح کے بہت سے مسلمان بھی آن شریک ہوتے تھے اور انہوں نے صقلیہ والوں کی خوب مزاج پرسی کی تھی۔ تیسرے دن اسکندریہ کے مسلمانوں نے شہر پناہ میں کئی سوراخ کر کے مختلف مقامات سے شہر کو گھیرے میں لئے ہوئے دشمن پر بیک وقت حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ دشمن کی صفیں منتشر ہو گئیں ہر طرف بھاگڑ مچ گئی اور مقتول و مجروح عیسائیوں کی چیخوں سے ساری فضا بھر گئی۔ تیسرے دن کی لڑائی اس لحاظ سے فیصلہ کن تھی کہ مسلمانوں نے ہزاروں عیسائی قتل کر دئے تھے۔ منجنیقوں اور دبابوں میں آگ لگا دی تھی اور دشمن کے بہت سے آدمی پکڑ لائے تھے۔

جب تیسرے دن کی شام ہوئی اور مسلمان واپس اسکندریہ آئے تو وہ بہت خوش تھے۔ آج کی کامیابی نے ان کے دل خوب بڑھا رکھے تھے اور اس پر صلاح الدین کے نامہ بر یہ خوشخبری لے کر آن پہنچے کہ صلاح الدین بازی ارتا۔ ان کی مدد کو آ رہا ہے

[1] ابن اثیر ج ۱۱ ۱۵۵

یہ خوشخبری معمولی خوشخبری نہ تھی۔ نامہ بر ڈھول گلے میں ڈال کر گلی گلی اور کوچے کوچے، یہ ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے اور بچے اور عورتیں، بوڑھے اور جوان ہتھیار بجاتے، اسکندریہ میں مارچ کرتے، اس خوشخبری کو آگے پھیلا رہے تھے۔

ابھی سیاہی ابھی طرح پھیلی نہ تھی۔ ابھی رات نے، پوری طرح اس کائنات پر چھاپہ نہ مارا تھا کہ اسکندریہ کے نوجوان ایک بار پھر ہتھیار بجاتے، شہر پناہ سے سیلاب کی طرح دشمن پر بڑھے۔ وہ دشمن کی چھاؤنی میں گھس گئے۔ انہوں نے خیمے پھاڑ ڈالے، سپاہیوں کی گردنوں میں رسیاں ڈال لیں اور انہیں گھسیٹتے شہر میں لے آئے۔ اسکندریہ والوں نے آج کی رات دشمن کی چھاؤنی خوب لوٹی۔ انہوں نے ان کے اسلحہ کے ذخیروں کو ان سے چھین لیا۔ ان کے دبابے توڑ ڈالے اور منجنیقیں بیکار کر دیں۔

یہ حملہ اتنا سخت اور اتنا غیر متوقع تھا کہ دشمن چھاؤنی چھوڑ کر جہازوں کی طرف بھاگے۔ اسکندریہ والے ان کے پیچھے پیچھے جہازوں تک پہنچے۔ ان میں سے کتنے ہی مسلمانوں کے تعاقب سے بچنے کے لئے سمندر میں ڈوب مرے اور کچھ جہازوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے[1]۔

بادبان کھل گئے اور صقلیہ کے بہادر، اپنی بادبانی کشتیوں میں لدے، پھر صقلیہ کی طرف لوٹ رہے تھے۔ وہ اپنے آدھے ساتھی کٹوا آئے تھے۔ وہ اپنے سارے گھوڑے پیچھے چھوڑ آئے تھے اور ان کے پاس صرف وہی اسلحہ باقی رہ گیا تھا جسے انہوں نے جہازوں سے ابھی اتارا نہ تھا۔ جتنا اسلحہ وہ جہازوں سے خشکی پر اتار چکے تھے۔ وہ سب ضائع ہو چکا تھا یا مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا تھا۔

یہ سازش کی دوسری کڑی تھی جو یوں ٹوٹی۔

---

[1] ابن اثیر جز ۱۱ ص ۱۵۶ - ابن خلدون جز ۵ ص ۲۸۸

نورالدین کا انتقال

اِدھر یہ سازش ختم ہوئی۔ اودھر صلاح الدین اور اس کے خاندان کا مخدوم اور ایک طرح سے حاکمِ اعلیٰ نورالدین اس دُنیا سے رخصت ہوا

صلاح الدین اور اس میں آخر وقت میں جو شبہات یا غلط فہمی پیدا ہوئی تھی۔ وہ اُسس کے دل میں گھر کر گئی تھی۔ اور اگر ابنِ اثیر کا بیان صحیح مان لیا جائے۔ تو ۵۵۹ھ ہجری کے نصفِ آخر میں نورالدین، صلاح الدین سے سچ مچ خفا ہو گیا تھا۔ وہ سنجیدگی سے اس بات کی تیاری کر رہا تھا کہ مصر جائے اور صلاح الدین سے جواب طلبی کرے۔ ہو سکتا ہے۔ مصر کا سفر محض شوقیہ ہو۔ لیکن ابنِ اثیر اس سفر کی غرض تادیبی بتاتے ہیں۔ اس نے فوج جمع کرلی تھی۔ وہ اپنی جگہ موصل کے والی اور اپنے بھتیجے کو دمشق کا قائم مقام حاکم بنانا طے کر چکا تھا۔ ابھی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ گیارہ شوال ۵۵۹ھ کو وہ بیمار پڑا اور اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔"

ابن اثیر جز ۱۱ ۱۷۹

ابنِ اثیر فرماتے ہیں کہ کچھ عجیب بات ہوئی کہ اپنی موت سے گیارہ دن پہلے وہ اپنے ایک امیر کے ساتھ دمشق کے کسی میدان میں گھوڑا دوڑا رہا تھا کہ اس امیر نے نہ جانے کس احساس کے ماتحت ٹھنڈی آہ بھری اور کہا۔

"یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اگلے سال، ہم اکٹھے اس طرح سوار ہوں گے یا نہیں!"

نورالدین نے اس کی بات کاٹ لی تھی اس نے ترمیم پیش کی،

"تم تو ایک سال کی کہہ رہے ہو۔ کون جانتا ہے۔ ہم اگلے مہینہ تک زندہ رہیں بھی یا نہیں۔"

یہ قصہ ۲ شوال ۵۶۹ھ کا ہے اور اس سے نو دن بعد نورالدین بیمار پڑا اور اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

نورالدین مصر پر حملہ آور ہوتا یا نہ ہوتا۔ وہ اگر مصر جاتا تو صلاح الدین امداس میں لڑائی ہوتی یا نہ ہوتی، یہ بھی خدا کو بہتر علم تھا۔ خدا کے نزدیک یہی مناسب تھا کہ مسلمانوں کے ان دو بڑے رہنماؤں میں اس قسم کا اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ اس لئے اس نے ان میں سے ایک کو اٹھا لیا اور دوسرے کو آگے بڑھنے کے مواقع عطا فرمائے۔

نورالدین کی موت ایک اچھے، فرض شناس، مخلص، سادہ منش اور پاکیزہ اطوار مسلمان فرمانروا کی موت تھی۔ وہ نہ صرف خوبصورت تھا۔ اس کی سیرت بھی بہت اچھی تھی۔ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ انہوں نے خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد اس وقت تک کے بادشاہوں میں نورالدین جیسی اچھی سیرت اور پاکیزہ اخلاق کا کوئی دوسرا فرمانروا نہ پایا۔ وہ اتنا بڑا امین اور دیانتدار تھا کہ فرمانروا ہونے کے باوجود اس نے بیت المال میں سے کبھی کوئی رقم اپنی ذات پر صرف نہ کی۔ اپنا، اپنی اولاد اور اپنی بیوی کا خرچ وہ اس آمدنی میں سے چلاتا۔ جو اسے مال غنیمت میں سے حاصل ہوتا۔ عوام کے بیت المال میں سے وہ ایک کوڑی بھی نہ لیتا۔ ایک بار اس کی بیوی نے اس سے مالی پریشانی کے خلاف شکوہ کیا تو اس نے اسے اپنی وہ تین دوکانیں نذر کرنی چاہیں جو حمص میں تھیں اور جن سے بیس دینار سالانہ آمدنی ہوتی۔ بیوی نے اس کی یہ نذر قبول نہ کی اور ناراض ہو گئی تو اس نے معذرت کی کہ میرے پاس ان دوکانوں کے سوا اور کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ بیت المال مسلمانوں کا ہے۔ وہ میرے پاس امانت ہے اور اس امانت میں میں تمہاری خاطر خیانت نہیں کروں گا۔

ز، جز ۱۱
۱

وہ رات رات بھر عبادت کرتا۔ وہ بڑا عادل، بڑا منصف اور بے حد فرض شناس تھا۔ یوں وہ حضرت امام ابو حنیفہ کے مسلک کا پابند تھا۔ لیکن اس کا ظرف بڑا وسیع تھا۔ اس نے حدیث کا سماع بھی کیا تھا اور دوسرے علوم بھی پڑھے تھے۔ وہ رعایا کا اس درجہ خیال رکھتا کہ اس نے پوری ریاست میں ہر طرح کی چنگی اور عشر معاف کر دیئے تھے۔

ابنِ اثیر۔ نے نورالدین کی سیرت پر اپنی کتاب "الباہر" میں سیر حاصل بحث کی ہے

اس کے بیان کی رُو سے یہ عدیم النظیر مسلمان فرمانروا حلب میں ۵۱۱ھ کے ماہ شوال میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے حلب اور موصل میں تعلیم و تربیت پائی۔ اس نے پہلے قرآن پڑھا، پھر دوسرے علوم سیکھے اور پھر شاہسواری اور نیزہ بازی میں مہارت حاصل کی۔

وہ بڑا بہادر، بلند حوصلوں اور نیک ارادوں کا مالک تھا۔ اس میں بڑی دیانت اور بڑی نیکی تھی۔ جب اس کا باپ ۵۴۱ھ ہجری میں شہید ہوا تو اس نے حلب کی حکومت سنبھالی اور اس کا بھائی سیف الدین غازی موصل کے تخت پر بیٹھا

۵۴۹ھ ہجری میں اس نے دمشق فتح کیا اور اس کے باشندوں کو خوشحالی اور فارغ البالی کی نعمتیں عطا کیں۔ اس نے دمشق میں بہت سے مدرسے، مساجد اور روابط تعمیر کئے۔ سڑکیں وسیع کیں اور پُل بنائے۔ وہ علما اور فقرا سے بہت محبت کرتا۔ وہ ان کی عزت بھی کرتا اور ان پر انعام و اکرام کی بارش بھی کرتا۔

وہ شریعت کا پابند اور اس کے احکام و نواہی کی اتباع کرتا۔ اس کی مملکت میں شریعت کے خلاف کوئی بات نہ ہونے پاتی۔ اس کے ماتحت حکام کی مجال نہ تھی۔ کہ شریعت کے کسی فیصلہ کی مخالفت کرتے یا کوئی حکم اپنی طرف سے جاری کر سکتے۔ اس کی عدالتیں حق و انصاف کی علمبردار تھیں۔ وہ خود عدالت لگا کر بیٹھتا۔ وہ لوگوں کی اپیل سنتا۔

ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۵۱ - ابن کثیر جز ۱۲ - ۷۶

اور اُن کی شکایات کا ازالہ کرتا۔ وہ جب عدالت کی کُرسی پر بیٹھتا تو اس کے پہلو میں تمام مذاہب کے فقہا جمع ہوتے اور وہ ان کے مباحث سُنتا اور ہر مذہب کے فیصلہ کے مطابق مختلف فیہ مسائل کے حل پیش کرتا۔ ہر ہفتہ میں تیسرے دن وہ کشک کی جامع مسجد میں کھُلی عدالت لگاتا۔ وہاں ہر شخص کو اس کے پاس آنے اور شکایت پیش کرنے کی اجازت تھی۔ نہ صرف مسلمانوں پر اس کی یہ عدالت کھلی تھی۔ ذمیوں یا غیر مذاہب کے لوگوں کو بھی وہاں جانے کی کھُلی اجازت تھی۔

ابن کثیر جزو ۱۲ ۲۷۷

وہ جب تخت نشین ہُوا تو اس کی وجہ سے سنت نے رواج پایا اور بدعت ختم ہو گئی وہ پہلا شخص ہے جس نے "حیّ علی الصلوٰۃ" اور "حیّ علی الفلاح" کا رواج دیا۔ ورنہ اس کے دادا اور باپ کے زمانہ میں جو موذن اذان دیتے۔ وہ عام رافضی ملحدوں کے مطابق "حیّ علیٰ خیر العمل" پکارا کرتے۔ اذان کا یہ طریقہ سنت کے خلاف تھا۔

اس نے شرعی حدود قائم کیں۔ اپنی سرحدوں کی حفاظت کی۔ اور ان پر متعدد قلعے تعمیر کئے۔ افرنگیوں کے بڑھے ہوئے حوصلوں کو توڑنے کے لئے ان کے ملک پر لاتعداد مرتبہ چڑھائی کی۔ اس نے عیسائیوں کے بہت سے قلعے اور کئی اہم مقامات چھینے۔ اس نے عربوں کو سرکاری خزانہ سے روزینے دیئے۔ ورنہ اس سے پہلے عرب اپنی روزی کے لئے حجاج کو تنگ کرتے۔ اس نے دمشق میں ایک عظیم الشان مارستان "ہسپتال" قائم کیا۔ ایسا ہسپتال دمشق میں نہ کبھی اس سے پہلے قائم ہُوا تھا اور نہ اس کے بعد قائم ہو سکا۔ اس نے عوام کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے لئے وقف قائم کئے۔ جو لڑکے ان مدرسوں میں تعلیم پاتے۔ وہ نہ صرف سرکاری خزانہ سے ان کی پڑھائی کا خرچ دیتا ان کے لباس کی بھی کفالت کرتا اور ان کے دوسرے اخراجات بھی پورے کرتا۔ اس نے حرمین شریفین کے مجاوروں کی تنخواہیں بھی مقرر کیں اور دوسرے خیراتی اوقاف بھی قائم کئے۔

اس نے جامع دمشق کو نہ صرف وسعت دی۔ اس کے لئے بہت سے اوقاف مخصوص کئے۔ ان اوقاف میں سے یتیموں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی ساری ضرورتیں پوری کی جاتیں۔

وہ ذاتی طور پر، کتابوں سے بہت دلچسپی لیتا۔ اس کا مطالعہ بہت وسیع اور اس کا علم غیر محدود تھا۔ وہ پابندی کے ساتھ پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرتا اور بہت کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتا۔ ابنِ کثیر فرماتے ہیں۔ وہ اپنی ذات پر بہت کم خرچ کرتا۔ ابن کثیر جز ۱۲ ۲۷۸
حتیٰ کہ اس زمانہ میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ اس کے شہر کے فقرا، اس سے اچھی حالت میں رہتے اور اس سے اچھا کھانا کھاتے ہیں۔ اس نے کبھی کسی کو گالی نہ دی۔ اس نے کبھی کسی کو برا بھلا نہیں کہا اور نہ کبھی کسی پر ناراض ہوا۔

اس نے بیت المال سے اپنے لئے وہی تنخواہ مقرر کر رکھی تھی جو علما اور فقہا نے متفقہ طور پر اس کے لئے موزوں سمجھی تھی۔ اس تنخواہ سے زیادہ ایک کوڑی وہ وصول نہ کرتا خواہ اسے بھوکا ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔ اس نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا نہ پہنا اور کبھی اپنے ہاتھ کی کمائی کے سوا کسی دوسرے کی کمائی یا بیت المال کے سرمایہ سے خریدا ہوا کھانا نہ کھایا۔

اس کی بیوی عصمت الدین خاتون بنت الاتابک معین الدین بھی بڑی پرہیزگار اور عبادت گزار تھی۔ وہ بھی رات رات بھر عبادت کرتی۔ ایک رات وہ حسبِ معمول عبادت نہ کر سکی اور سوتی پڑی رہی، دوسرے دن وہ بڑی غمگین تھی۔ نورالدین نے اس سے رنج کی وجہ پوچھی تو اس نے رات کی غفلت کی شکایت کی۔ اس وقت سے نورالدین نے محل میں ایک خاص آدمی اس کام کے لئے مقرر کیا کہ رات کے پچھلے پہر ڈھول بجائے تاکہ تہجد کے وقت اٹھنے والے لوگ اٹھ سکیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں اس نے شب بیداری ایک طرح سے معمول میں شامل کر لی۔ ابن کثیر جز ۱۲ ۲۷۹

ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ وہ عدالتوں کا بڑا احترام کرتا۔ ایک بار جب وہ چوگان کھیل رہا تھا

اس کی نظر حاشیہ پر کھڑے ایک شخص پر پڑی۔ جو کسی دوسرے شخص کو اس کی طرف اشارہ کر کے بتا رہا تھا کہ یہی نورالدین ہیں۔ نورالدین نے ان دونوں کو دیکھا۔ حاجب کو حکم دیا۔ حاشیہ کی طرف جائے اور معلوم کرے یہ دونوں کیوں آئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ عدالت نے اپنا آدمی اور مدّعی اس کے پاس بھیجا ہے۔ تاکہ وہ عدالت میں حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش کرے مدّعی نے اس کے خلاف دعویٰ کیا تھا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں۔ حاجب نے جیسے ہی یہ بات اس سے کہی۔ اس نے چوگان ہاتھ سے رکھ دیا۔ گھوڑے کو وہیں باندھا اور خود پاپیادہ مدّعی کے پہلو بہ پہلو چلتا۔ قاضی شہر حضرت شہزوری کی عدالت میں پہنچا اور عدالت میں حاضری سے پہلے قاضی صاحب کو کہلا بھیجا۔ کہ جب وہ عدالت میں پیش ہو تو اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو مدعا علیہ کے ساتھ وہ عام طور پر کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ عدالت میں پیش ہوا تو قاضی صاحب نے اسے بھی کھڑا رکھا اور مدّعی کو بھی۔

مدّعی کا دعویٰ غلط تھا۔ اس نے غلط فہمی سے بادشاہ کے خلاف اپیل کی تھی۔ اس کے باوجود نورالدین نے عدالت میں کھڑے ہو کر بیان دیا اور ساتھ ہی اعلان کیا۔

کہ ہم لوگ جنہیں قدرت نے عوام پر حاکم بنایا ہے۔ رسول اللہ کی شریعت اور ان کے احکام ونواہی کے پابند ہیں۔ شریعت ہمیں جس بات کا حکم دے گی۔ ہم وہی کریں گے وہ ہمیں جس چیز سے روکے گی۔ ہم اس سے رک جائیں گے۔"

یہ کہنے کے بعد اس نے مدّعی کے غلط دعویٰ کو صحیح تسلیم کر لینے کا اعلان کیا۔ اس نے کہا۔

"گو مجھ پر اس شخص کا حق نہیں ہے۔ لیکن میں اسے وہ چیز ہبہ کر دیتا ہوں جس کے بارے میں اس نے مجھ پر دعوےٰ کیا ہے۔" ابن کثیر ج ۱۲ ص ۲۸۰

خیال رہے کہ یہ دعوےٰ نورالدین کی ذات کے خلاف نہیں۔ اس کی ریاست کے

خلاف تھا۔ اس کی ذات کسی ذاتی ملکیت کی قائل نہ تھی۔ غریب نے صرف تین دوکانیں خریدی تھیں سو وہ بھی بیوی کو ہبہ کر دی تھیں۔

ابنِ کثیر کا بیان ہے کہ وہ پہلا فرمانروا ہے جس نے ایک خصوصی دارالعدل قائم کیا۔ وہ ہر ہفتہ میں دو یا چار بار اس دارالعدل میں تشریف لاتا اور مقدمات کی اپیلیں سماعت کرتا۔ اس دن دارالعدل کے دروازہ پر کوئی حاجب نہ بیٹھتا۔ ہر شخص خواہ وہ قوی ہوتا خواہ ضعیف، اس کے پاس بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچ جاتا۔ وہ مدعی، مدعا علیہ اور ظالم و مظلوم سے براہِ راست گفتگو کرتا۔ کوئی واسطہ اس کے اور ظالم و مظلوم کے مابین نہ ہوتا۔

ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ اس دارالعدل کو قائم ہوئے کتنی مدت گزر چکی تھی کہ نورالدین کے سامنے اس کے تمام امرا کے خلاف استغاثے پیش ہوئے۔ مگر کوئی ماں کا لال ایسا نہ آیا جو اسدالدین شیرکوہ کے خلاف نورالدین کے اس دارالعدل میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کرتا۔ یہ بات نورالدین کے لئے بڑے تعجب کا باعث تھی۔ آخر اس نے ایک دن دمشق کے قاضی شہزوری صاحب سے استفسار کیا کہ اسدالدین کے خلاف کبھی کسی نے کوئی شکایت کیوں نہیں کی۔ قاضی شہزوری حقیقتِ حال سے واقف تھے۔ انہوں نے نورالدین کو بتایا۔ کہ جس دن آپ کا یہ دارالعدل قائم ہوا۔ اُسی دن اسدالدین نے اپنے تمام ماتحتوں کو سختی سے ہدایت کر دی کہ خبردار تمہاری طرف سے ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے جس سے مجھے نورالدین کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔

نورالدین نے جب یہ بات سُنی تو اس نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس کے حکام میں آپ اپنا محاسبہ کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں[۱]۔

[۱] ابن کثیر جزء ۱۲ ص ۲۸۰

ابنِ کثیر کی اس روایت سے، پڑھنے والے یہ اندازہ اچھی طرح کر سکیں گے کہ نورالدین کے دارالعدل کے سبب اس کے حکام کو رعایا پر ظلم کرنے کی خود ہی جرأت نہ ہوتی تھی۔

ہمارے خیال میں نورالدین انسانیت کا بڑا محسن ہے جس نے اپنی رعایا کے لئے اتنی بڑی

سہولت بہم پہنچائی۔

نورالدین نیکوکار، عادل اور منصف ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا بہادر جری اور حوصلہ مند فرمانروا تھا۔ ابن کثیر تو کہتے ہیں کہ نورالدین کے بارے میں لوگ کہا کرتے۔ اس جیسا بہادر، کبھی کوئی گھوڑے کی پشت پر سوار نہ ہوا۔ لوگ اس کی بہادری کی مثالیں دیا کرتے۔ وہ کئی بار، شوق شہادت میں دشمنوں کی صفیں چیرتا ہوا ان کے اندر جا پہنچا۔ لیکن اس کی بہادری اور حوصلہ مندی نے کبھی اس کی یہ خواہش پوری نہ ہونے دی۔ کسی دشمن میں اتنی جرات نہ ہوتی کہ اس پر حملہ آور ہو سکے۔ ایک بار قطب الدین نیشاپوری نے اس کی غیر معمولی بہادری کے پیشِ نظر اس سے کہا۔ "اے آقا! کیا کبھی آپ کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ اگر آپ مارے جائیں گے تو وہ سب لوگ بے موت مر جائیں گے جو آپ کی قلمرو میں آباد ہیں۔ آپ کی مملکت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور مسلمانوں کی حالت خراب ہو جائے گی۔ اس نے قطب الدین کو جواب میں ڈانٹا۔ اس نے کہا۔ قطب الدین تم نے خدا کے حضور گستاخی کی ہے۔ کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ جب میں نہ تھا تو مجھ سے پہلے اللہ کے دین اور مسلمانوں کے ملک کی حفاظت کون کرتا تھا۔ یہ فرض تو خدا کے سوا کسی اور ذمہ کے نہیں خدا کے مقابلہ میں میری حیثیت کیا ہے۔[۱]"

ابن کثیر فرماتے ہیں: نورالدین نے ایک وقت افرنگیوں کے ایک بادشاہ کو پکڑ لیا۔ اس کے بارے میں اس نے لوگوں سے مشورہ پوچھا کہ آیا اسے قتل کر دیا جائے یا اس سے جزیہ لے کر اسے چھوڑ دیا جائے۔ یہی طے پایا کہ اس کا فدیہ لے کر اسے چھوڑ دیا جائے۔ فدیہ کی رقم متعین کر دی گئی اور اس اسیر بادشاہ نے اپنے ملک میں آدمی بھیج کر فدیہ کی رقم منگوالی۔ نورالدین نے اس رقم سے دمشق میں مارستان تعمیر کیا۔ یہ مارستان صرف غریبوں اور مساکین کے لیے مخصوص تھا، امرا کو اس میں اس وقت داخل کیا جاتا۔ جب ان کا علاج وہاں کے سوا کہیں اور نہ ہو سکتا۔

[۱] ابن کثیر ج ۱۲، ۲۸۰

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نورالدین نے مارستان کے علاوہ بہت سی سرائیں اور برج تعمیر کیئے۔ اس نے دمشق میں ایک دارالحدیث قائم کیا۔ وہ علما اور فقہا کا بہت احترام کرتا۔ اس کے دربار میں نجم الدین ایوب کے سوا کسی دوسرے کو اس کی اجازت کے بغیر بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ سارے امرا اس کے سامنے کھڑے رہتے۔ لیکن جیسے ہی کوئی فقیہ یا محدث اس کے دربار میں آتا۔ وہ کئی قدم چل کر اس کا استقبال کرتا۔ اسے بڑے ادب کے ساتھ اپنی مسند پر بٹھاتا۔ اور اسے بڑی سے بڑی رقم بیت المال میں سے دیتا اور کہتا ان لوگوں کا حق بیت المال پر اس سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی برکت سے ہمیں یہ سب کچھ حاصل ہوا ہے۔

ابن کثیر نے، ابن اثیر کے حوالہ سے نورالدین کی کئی اور خوبیاں بھی لکھی ہیں۔ لیکن یہ کتاب چونکہ صلاح الدین کی سیرت ہے نورالدین کی نہیں اس لئے ہم تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ یہ مختصر سا تعارف ہم نے اس لئے ضروری سمجھا کہ صلاح الدین کے کردار کو سمجھنے کے لئے نورالدین کے کردار کو جاننا ضروری تھا۔ کیونکہ یہ نورالدین ہی تھا جس نے صلاح الدین کو اپنے رنگ میں رنگا تھا۔ پھر یہ نورالدین ہی تھا جس نے صلاح الدین کے سامنے حکومت کا ایک بہت اونچا معیار قائم کیا تھا۔ جس نے صلاح الدین کے سامنے انسانی فلاح وبہبود کا ایک ایسا پروگرام رکھا۔ جس پر صلاح الدین کے لئے چلنا ضروری تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ نورالدین ہی تھا جس کی زندگی میں صلاح الدین اوپر نہ اٹھ سکتا تھا۔ کیونکہ اس وقت نورالدین قوت وطاقت سیاست وعمل ہر لحاظ سے اس سے اونچا تھا پھر وہ مخدوم تھا اور صلاح الدین خادم۔

ابن اثیر اور ابن خلدون نے، صلاح الدین اور نورالدین کے مابین ایک پوشیدہ دشمنی پر اچھا خاصا زور دیا ہے۔ لیکن ہم اسے صلاح الدین کی بڑائی سمجھتے ہیں کہ اس نے آخر وقت تک نورالدین کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اور آخر وقت تک اس کا

لہ ابن خلدون جزء ۵ - ۲۵۲ - ابن کثیر جز ۱۲ -

تابع رہا۔

مگر نورالدین کی موت نے اس کی راہ سے ہر رکاوٹ دور کردی۔ یہ نورالدین کی موت تھی جس نے صلاح الدین کو آگے بڑھنے کا موقع دیا۔

مسندِ شاہی

شام پر تسلط

شام پر تسلّط

یہ قدرت کا اُصول ہے اور اسے آج تک کوئی بدل نہیں سکا کہ اس زمین کا وارث وہی بنتا ہے جو زیادہ اہل ہوتا ہے۔ جب تک نورالدین زندہ تھا۔ وہی شام، موصل، دیار بکر، مصر اور اس کے نواح کا مالک و مختار رہا۔ صلاح الدین اپنی ہر صلاحیت کے باوجود اس کے سایہ سے ڈرتا اور گھبراتا رہا[1]۔

مگر نورالدین کی موت کے بعد موصل اور شام کی حکومت جن لوگوں کو ملی۔ وہ نہ صرف نااہل تھے۔ ان میں اتنا بھی سلیقہ نہ تھا کہ اپنی نااہلیت کی پردہ پوشی کر سکتے

ابنِ کثیر فرماتے ہیں، نورالدین کے مرتے ہی حکومتِ شام و موصل کا شیرازہ بکھرا اس کا سبب ایک تو یہ تھا کہ نورالدین کا وارث، الصالح اسماعیل بہت چھوٹی عمر کا تھا۔ دوسرے الصالح کی سرپرستی جس شمس الدین نے اپنے ذمہ لی تھی۔ وہ نہ مدبّر تھا نہ سیاستدان وہ نہ فرض شناس تھا اور نہ دانا بینا۔ اس میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ دمشق کے امرا و اعیان پر قابو رکھ سکتا۔ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر امرائے دمشق آپس میں خوب لڑتے۔ جب امرا باہمی لڑائی میں اُلجھ جائیں تو رعایا کی خوشحالی بھی رخصت ہو جاتی ہے اور امنِ عامہ بھی تباہ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ابنِ کثیر کی یہ رائے مبالغہ پر محمول نہیں کی جا سکتی کہ

ظهرت الشرور وكثرت الخمور وانتشرت الفواحش[2]

شر پھیل نکلا شراب کثرت سے پی جانے لگی اور برائیاں عام ہو گئیں۔

محض یہی نہیں ہوا کہ امنِ عامہ تباہ ہوا۔ حکومت کی ساکھ بگڑ گئی اور نورالدین کے وہ

[1] ابن کثیر جز ۱۲ ۲۸۱

[2] ابن کثیر جز ۱۲ ۲۸۵

دشمن جو ہر لمحہ مسلمانوں کے زوال کے خواب دیکھا کرتے۔ دمشق کو مسلمانوں سے چھیننے کے لئے بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس پر لپکے۔

ابن کثیر کے الفاظ ہیں:-

وطمعت الاعداء من كل جانب في المسلمين وعزم الفرنج على قصد دمشق[1]

ہر جانب سے دشمنوں نے مسلمانوں پر یلغار کر دی اور انہوں نگی دمشق کی طرف چلے خصوصیت سے یروشلم کے افرنگی تو بڑی تیاریوں کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھے اس یلغار میں ان کا پہلا حملہ بانیاس پر ہوا۔ جو دمشق کا سب سے بڑا سرحدی قلعہ تھا۔[2]

اس میں کوئی شبہ نہیں۔ ابن المقدم شمس الدین اتابک الصالح ایک فوج لے کر بانیاس آیا۔ اس نے افرنگیوں سے جنگ بھی کی، مگر شکست کھائی، ناکام ہوا اور حیلے بہانو اور بے شمار دولت کے ذریعہ افرنگیوں کو واپس ہونے پر مجبور کیا۔

یہ بڑی ذلت کی بات تھی کہ دمشق کا حاکم، ان افرنگیوں کو یوں خراج ادا کرتا۔ جنہیں نورالدین نے نہ صرف ان کی حدود میں گھس کر مارا تھا۔ انہیں دوسرے درجہ کی قوت میں منتقل کر دیا تھا۔

صلاح الدین کو جیسے ہی اس بات کا علم ہوا۔ وہ غصہ سے بھڑک اٹھا۔ اس کا غصہ بجا تھا۔ الصالح اسماعیل کے نام پر جو حرکت کی گئی تھی۔ اس میں آئینی طور پر اسے بھی شریک کیا گیا تھا۔ کیونکہ الصالح مصر کا بھی اسی طرح بادشاہ تھا جس طرح وہ شام کا تھا۔ صلاح الدین نے مصر میں اس کے نام کا خطبہ بھی جاری کر رکھا تھا اور سکہ بھی

الصالح کے اتابک نے یہ ذلیل حرکت کر کے صلاح الدین کی حیثیت بھی گرا دی تھی اور نورالدین کے نام پر ایک گہرا دھبہ بھی لگا دیا تھا۔

صلاح الدین کے لئے یہ ذلت کسی طرح بھی قابل برداشت نہ تھی۔ اس لئے اس نے

[1] ابن کثیر جز ۱۲ ۲۸۵

[2] ابن خلدون جز ۵ ۲۵۴

نہ صرف شمس الدین ابن مقدم کو اس کی اس حرکت پر تنبیہہ کی۔ اس نے امرائے شام کے نام ایک لمبا چوڑا خط لکھا جس میں انہیں اس قسم کی ذلیل حرکات سے باز رہنے اور الصالح اسماعیل کو اس کے سپرد کر دینے کا حکم دیا۔[۱]

اُدھر سے اس تنبیہہ کے جواب میں جو خط بھیجا گیا ۔ وہ نہ صرف گستاخانہ تھا بلکہ غیر شریفانہ بھی تھا۔

یہ خط تو انہوں نے لکھ دیا۔ لیکن وہ خوب جانتے تھے کہ صلاح الدین ان سے ہر لحاظ سے قوی ہے۔ اگر وہ شام پر حملہ آور ہوا تو وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس خوف سے انہوں نے سیف الدین غازی حاکم موصل سے مدد مانگی۔ سیف الدین غازی نور الدین کا بھتیجا تو تھا۔ لیکن اس میں حکومت کرنے کی قطعاً صلاحیت نہ تھی۔ جب تک نور الدین زندہ رہا۔ اس نے اس پر احتساب بٹھائے رکھا تھا اور اسے آزادانہ چلنے پھرنے کی اجازت نہ دی تھی۔ نور الدین کی موت سے اسے یہ آزادی ملی تھی۔ اس نے موصل اور دیار بکر سے ملحق کئی مقامات بھی اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ اور ابن کثیر کے بیان کی رو سے، ہر طرف عیش و نشاط کا بازار بھی گرم کر رکھا تھا۔ ایسے آدمی میں یہ قطعاً ہمت نہ تھی کہ صلاح الدین کے مقابلہ میں آتا اور دمشق والوں کی مدد کرتا۔ یوں وہ دمشق کے امرا سے خائف بھی تھا۔ اسے خیال تھا کہ ممکن ہے یہ لوگ دمشق بلا کر اس سے دھوکا کریں۔

بہر حال سیف الدین غازی کی طرف سے انہیں کوئی مدد نہ ملی تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ الصالح اسماعیل کو دمشق سے حلب لے جائیں۔

حلب میں اس وقت نور الدین کے سب سے بڑے اور معتمد امیر شمس الدین ابن الدایہ کی حکومت تھی۔ ابن الدایہ کے پاس ایک دوسرا امیر سعد الدین بھی ٹھہرا تھا۔ یہ امیر بھی نور الدین کا معتمد سپہ سالار تھا۔ جب دمشق کے امرائے الصالح کو دمشق سے حلب لے جانے کا خیال کیا تو انہوں نے اس سلسلہ میں شمس الدین کو لکھا۔ شمس الدین نے سعد الدین کو دمشق بھیجا کہ الصالح کو

---

[۱] ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۵۷ - [۲] ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۸۵ - ابن خلدون جز - ۲۵۷

حلب لے آئے۔ سعد الدین دمشق آیا تو الصالح کے ساتھ کئی دوسرے شامی امرا بھی حلب روانہ ہوگئے، دمشق کی جگہ اب حلب پایہ تخت بنا۔ شامی امرا نے نوعمر، الصالح کو تخت پر بٹھایا اور اس کے گرد جمع ہو گئے۔

اب تک شمس الدین حلب کا والی تھا۔ الصالح یہاں آیا اور دوسرے شامی امرا بھی آئے تو انہوں نے باہم سازش کرکے شمس الدین سے حلب کی حکومت چھین لینی چاہی۔ سعد الدین بڑا جوڑ توڑ کا آدمی تھا۔ اس نے سارے شامی امرا اور الصالح کو ساتھ ملا کر شمس الدین کو اچانک گرفتار کر لیا۔ شمس الدین کے ساتھ اس کے بھائی بھی گرفتار ہوئے۔

یہ خبر پہلی خبر کی طرح جب صلاح الدین کو ملی تو اس نے ان امرا کو پھر تنبیہ کی پھر ایک خط لکھ کر شرافت و میانہ روی کی راہ اختیار کرنے کی نصیحت کی۔ لیکن اس کے جواب میں بھی اسے پہلے کی طرح گستاخانہ خط ملا۔

شمس الدین اور اس کا بھائی نجم الدین دونوں حلب اور دمشق میں بہت ہر دلعزیز امیر تھے۔ جب ان پر زوال آیا اور ان کی جگہ سعد الدین نے لے لی، تو دمشق کے امرا بہت گھبرائے۔ خصوصیت سے ابن المقدم پر تو یہ بات بہت شاق گزری اور اس نے سوچا کہ اگر سعد الدین کا اقتدار اسی طرح بڑھتا رہا۔ تو اس کی خیر نہ ہوگی۔ ابن المقدم اور سعد الدین ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ ان میں ایک بار لڑائی بھی ہو چکی تھی۔ خود اس میں ہمت نہ تھی کہ وہ حلب پر چڑھائی کرے اور سعد الدین سے اس کا اقتدار چھین لے۔ اس نے اپنی کم ہمتی کی تلافی کے لئے سیف الدین غازی سے امداد مانگی۔ سیف الدین غازی، اس وقت آزادی کے مزے لوٹ رہا تھا۔ وہ اس وقت نور الدین کے مقبوضات پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھا اسے اتنی فرصت نہ تھی کہ یہ ا ے پھٹے میں پاؤں اڑائے۔ جب ابن المقدم کو ادھر سے مایوسی ہوئی تو اس نے ایوبی کی طرف دیکھا اور اپنے نامہ بر اس کی طرف دوڑائے۔ اور اس سے مدد مانگی۔

---

[1] ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۵۴ - ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۸۱

صلاح الدین کے پاس جیسے ہی نامہ بر پہنچے۔ ویسے ہی وہ سات سو سواروں کو ساتھ لے کر دمشق کی طرف چلا[1]

ابن کثیر جز ۱۲، ۲۸۴

صلاح الدین کی زندگی کے اہم واقعات میں یہ بھی بڑا اہم واقعہ ہے کہ اس نے محض ایک معمولی دعوت کو کافی سمجھا اور ایک ایسے سفر پر چل کھڑا ہوا جو دشوار بھی تھا اور خطرناک بھی۔ صلاح الدین خوب جانتا تھا کہ مصر سے جو راہ شام کو جاتی ہے۔ وہ عیسائیوں کے عملوں سے محفوظ نہیں ہے۔ لیکن اُس نے اس خطرہ کا قطعاً خیال نہیں کیا اور باز کی طرح اڑتا، اس طرح دمشق کی طرف بڑھا جیسے یہ سارا علاقہ اس کی اپنی قلمرو کا حصہ تھا اور رستہ میں کوئی قوت اس کی مخالف نہ تھی۔

یہ یقیناً اس کی بڑی ہمت تھی۔ یہ یقیناً اس کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی تھی۔ اسی ہمت و خود اعتمادی نے اسے صحیح و سلامت دمشق کے دروازوں تک پہنچا دیا۔ ابن المقدم اور دوسرے شامی امرا نے ہی نہیں پورے شہر نے اس صلاح الدین کا خیر مقدم شہر سے باہر آن کر کیا۔ جس نے اپنے بچپن اور جوانی کا شروع کا حصہ اس دمشق میں گزارا تھا اور جہاں اس کے باپ اور چچا برسوں حکومت کرتے رہے تھے۔ جہاں کے کتنے ہی نوجوان اس کے ساتھ کھیلے اور پروان چڑھے تھے۔

صلاح الدین کے ذاتی کردار میں یہی سب سے بڑی خوبی تھی کہ جو لوگ بھی تھوڑی مدت اس کے ساتھ رہ لیتے۔ وہ اسے کبھی فراموش نہ کر سکتے۔ دمشق کے لوگوں نے اسے فراموش نہ کیا تھا۔ انھوں نے اس کی آمد پر یوں خیر مقدم کیا۔ جیسے وہ ان کا عزیز ترین مہمان تھا

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ خیر مقدم کرنے والوں میں دمشق کی فوج سب سے پیش پیش تھی۔ یہ فوج جانتی تھی کہ صلاح الدین اس شیر کوہ کا بھتیجا اور وارث ہے۔ جس نے نورالدین کی سلطنت کو رومی سرحدوں تک وسیع کر دیا تھا اور جس نے کبھی کسی معرکہ میں شکست نہ کھائی تھی۔[2]

صلاح الدین اس شان سے شہر میں آیا تو وہ اپنے گھر کو نہیں بھولا۔ اس نے شاہی

---

[1] ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۸۴ - [2] ابن خبر جز ۱۱ - ۱۸ -

محلات میں اترنے کی بجائے سیدھے اپنے گھر کا رُخ کیا۔ وہ وہاں اترا جہاں اس کے باپ نجم الدین رہا کرتے تھے۔

یہیں تمام امرا اور فقہا اس کے حضور حاضر ہوئے اور یہیں عقیدت مندوں نے اس کے حضور عقیدت کے پھول پیش کیے۔

دمشق پر اس آسانی سے قبضہ کے بعد اس نے قلعہ کی طرف توجہ کی اور قاضی کمال الدین کو اس کے نگران ریحان کے پاس بھیجا۔ قاضی صاحب نے ریحان کو شیشہ میں اتار لیا اور اس نے قلعہ کی کنجیاں صلاح الدین کے حضور پیش کر دیں۔

صلاح الدین کو لوگوں کا دل رکھنا خوب آتا تھا۔ اس نے دمشق کی زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی خوب خیرات کی۔ علما اور فقہا اور دوسرے لوگوں کی جھولیاں خوب بھریں اور عوام سے ہر طرح کی چنگی اور محصول ختم کر کے انہیں اپنی خوش قدمی کا قائل کر لیا۔[۱]

یہ امر واقعہ ہے کہ صلاح الدین کے دمشق آنے کی غرض، نہ الصالح سے حکومت چھیننا تھی اور نہ اپنی بادشاہت قائم کرنا مطلوب تھی۔ اس نے دمشق میں بھی الصالح کا خطبہ پڑھا اور اسی کے نام کے سکے مسکوک کیے اور اسی کے نام کی شاہی کا ڈھنڈورا پٹیا۔

صلاح الدین یقیناً اوپر اٹھنا چاہتا تھا مگر اپنے آقا کے بچے کی نعش پر قدم رکھ کر نہیں، وہ اس بچہ کے حق کو جانتا تھا اور اسی لیے اس نے اس سے کسی قسم کے بگاڑ کو اچھا نہ سمجھا۔

وہ جب دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد آگے بڑھا اور حمص وحماۃ پر تسلط پایا تو وہاں بھی اس نے الملک الصالح کی شاہی کا اعلان کیا۔ حمص اور حماۃ میں کہیں بھی اس نے اپنی بادشاہت کے لئے کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ نیابت ہی میں خوش تھا اور چاہتا تھا نائب رہ کر ہی مسلمانوں کی خدمت انجام دے۔

مگر حلب کے شامی امرا اور الملک الصالح کے حاشیہ نشین اسے ابھرتے اور شام پر تسلط پاتے دیکھ کر بری طرح جل گئے تھے۔ وہ کسی طرح گوارا نہ کر سکتے تھے کہ صلاح الدین

---

[۱] ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۵۷ - ابن کثیر جز ۱۲ -

ان کے اقتدار و اختیار کی مسند ان سے چھین لے۔ اسی لئے جب صلاح الدین حماۃ پر قبضہ کرنے کے بعد حلب آیا تو حلب کے ان امرا نے صلاح الدین کے خلاف خوب تیاری کی انہوں نے شہر کے تمام لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ خود الملک الصالح اپنی نوعمری کے سبب خوفزدہ ہو کر روتا ہوا لوگوں کے سامنے پہنچا[1]۔ اس کی آنکھیں بہہ رہی تھیں اور وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا

"یہ صلاح الدین ظالم ہے۔ یہ مجھ سے میری حکومت چھیننے آیا ہے۔"

بچہ کا ذہن اسی احساس سے بھرا تھا۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ صلاح الدین کے یہاں آنے کے مقاصد یہی ہیں۔ بیوقوف نہیں جانتا تھا کہ یہ صلاح الدین ظالم نہ تھا۔ ظالم وہ لوگ تھے جو اس کے چاروں طرف جمع تھے۔

بہرحال الصالح کے رونے اور شامی امرا کے مکر و فریب نے حلب کے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور وہ صلاح الدین سے لڑنے پر تیار ہو گئے۔

شامی امرا نے ایک اور بڑی چال چلی۔ حلب میں شیعانِ علی کی تعداد بہت کافی تھی۔ اس وقت تک وہاں کی حکومت کا مسلک، مسلکِ ابی حنفیہ تھا۔ شامی امرا نے شیعانِ علی کو ساتھ ملانے کے لئے ان سے اقرار کیا کہ اذان شیعانِ علی کے مسلک کے مطابق دی جائے گی۔ حی علی الفلاح کی بجائے حی علی خیر العمل کا تکرار ہوگا۔

نیز شیعانِ علی کے لئے جامع مسجد کا شرقی حصہ مخصوص کر دیا جائے گا۔ انہیں اجازت ہوگی کہ وہ جنازہ میں پانچ تکبیریں کہہ سکیں۔ نیز اپنے بارہ اماموں کی تعریف و ذکر جنازہ کے آگے بلند آواز سے کر سکیں گے۔ وہ بازاروں میں اپنے آئمہ کی شان میں قصیدے پڑھیں گے[2]

ابن کثیر نے ان تمام شرائط کا ذکر کیا ہے جو شیعانِ علی نے اپنی امداد کے عوض شامی امرا کے سامنے پیش کئے تھے۔ یہ تمام شرائط منظور ہوئے اور شیعانِ علی کی پوری امداد ان کو حاصل ہو گئی۔

شیعانِ علی کی امداد کے باوجود شامی امرا صلاح الدین کا مقابلہ اچھی طرح نہ کر سکے۔

---

[1] ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۵۸ - [2] ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۸۹ -

صلاح الدین نے انہیں ہر بار ہر مقابلہ میں شکست دی۔ اس صورتِ حال سے تنگ آن کر شامی امرائے فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ کے امام شیبان صاحب الحسبہ سے امداد کی اپیل کی۔ شیبان صاحب الحسبہ، شیخ الجبل کے نام سے موسوم تھا اور اس کی جماعت کے افراد حشیش کہلاتے۔ یہ لوگ عجیب قسم کے فدائی تھے۔ شیخ الجبل کے حکم سے وہ ہر اس شخص کو مارنے پر تل جاتے تھے۔ جو شیخ الجبل کا مخالف ہوتا۔ فدائیوں کی یہ جماعت قلعہ الاموت سے لے کر ہرات تک پھیلی تھی۔ یہ وہی تھے جو نظام الملک کے قاتل تھے۔ یہ وہی تھے جن کے سبب سارا عالم اسلام ایک عجیب خطرہ میں مبتلا تھا۔

حلب کے شامی امراء نے بھی ان سے مدد لی۔ شیخ الجبل چونکہ خود شیعہ تھا۔ اس لئے اس نے اپنے فدائیوں کو صلاح الدین کے قتل پر مامور کیا۔ یہ لوگ حسبِ عادت بڑی رازداری کے ساتھ صلاح الدین کے خیمہ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے صلاح الدین کے خیمہ تک پہنچنے میں کیا طریقے اختیار کئے تاریخ انہیں قلمبند نہیں کر سکی۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ یہ لوگ بڑے ہی صاحبِ کمال تھے۔ وہ صلاح الدین کے خیمہ تک پہرہ داروں کی نظروں سے بچتے، کچھ اس طرح پہنچے جیسے آسمان سے گر پڑے ہوں، یا زمین نے انہیں اگل دیا ہو۔ یہ لوگ خیمہ میں تو آ گئے۔ لیکن عین اس وقت جب ان میں سے ایک صلاح الدین پر خنجر پھینکنے والا تھا۔ اس کے بھائی طغرل نے اسے پکڑ لیا اور اس کے وار خالی دے کر اسے اپنے خنجر سے ہلاک کر دیا۔ دوسرے فدائیوں کا بھی یہی حشر ہوا۔ ابن کثیر جز ۱۲ ۲۸۹

بہ ہر حال صلاح الدین اس حملہ سے بھی بچ گیا۔ شیخ الجبل کی مدد حلب والوں کے کسی کام نہ آئی۔

آخر میں حلب والوں نے صلاح الدین سے نجات پانے کے لئے طرابلس کے عیسائی فرمانروا قومص سے مدد مانگی۔ انہوں نے قومص سے عہد کیا کہ اگر اس نے صلاح الدین کو حلب سے دور ہٹا دیا تو حلب والے اسے بڑی دولت نذر کریں گے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں۔ یہ تومص وہی ہے جو ایک بار نورالدین کے ہاتھ قید ہُوا تھا۔ اور دس سال تک قید میں رہنے کے بعد ایک لاکھ دینار زرِ فدیہ دے کر رہائی حاصل کی تھی۔ اسے اب تک یہ قید نہ بھولی تھی۔ جب حلب والوں نے اس سے مدد کی اپیل کی تو اس نے سوچا، نورالدین نہیں تو اس کے جانشین صلاح الدین ہی سے انتقام لے لے، وہ پوری تیاریوں کے ساتھ اپنے ملک سے چلا اور حمص کی راہ لی۔

جب تومص بالین پول کے الفاظ میں ریمنڈ، حمص کی طرف بڑھا تو صلاح الدین کو مجبوراً حلب کا محاصرہ ترک کرنا پڑا۔ وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ حمص کی طرف پلٹا۔ ابھی اس کی فوج حماۃ پہنچی تھی کہ عیسائی حمص سے بھاگ نکلے[1]

ابنِ کثیر فرماتے ہیں صلاح الدین نے حماہ پہنچنے سے پہلے ایک فوج تومص کے وطن طرابلس پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دی تھی۔ یہ فوج ہوا کے دوش پر اُڑتی طرابلس کے حدود میں پہنچ گئی تھی یہی وجہ تھی کہ صاحبِ طرابلس

ابن کثیر جز ۱۲ ۲۸۹

کو حمص چھوڑنا پڑا[1]

تومص تو چلتا بنا۔ لیکن صلاح الدین نے حمص پہنچ کر حمص کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ حمص کا قلعہ اب تک صلاح الدین کی فوج کے ہاتھ نہ آیا تھا۔ صلاح الدین نے وہاں پہنچ کر اس پر منجنیقیں نصب کر دیں اور محاصرہ میں پوری شدت سے کام لے کر قلعہ فتح کر لیا۔ اب حمص بھی اس کا تھا اور حمص کا قلعہ بھی۔ حماۃ بھی اس کا تھا اور بعلبک بھی۔ یعنی دمشق سے لے کر، حلب کے نواح تک کے تمام اہم مقامات اس کے قبضہ و تسلط میں آ چکے تھے۔

یہ صورتِ حال حلب والوں کے لئے بڑی ہی پریشانی کا موجب بن رہی تھی۔ انہیں یقین ہوتا جا رہا تھا کہ صلاح الدین اس بار اگر حلب آیا تو وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اسی یقین کی بنا پر انہوں نے سیف الدین غازی صاحبِ موصل کی طرف اپنے تیز رو قاصد دوڑائے اور اس سے رو رو کر درخواست کی کہ ان کی مدد کو آئے۔

---

[1] لین پول ۱۱۲ ۔ ابن کثیر جز ۱۲ ۔ ۲۸۹ ۔

ابن کثیر فرماتے ہیں۔ صلاح الدین ابھی تک حمص کے مجروح قلعہ کی مرمت میں لگا تھا۔ ابھی قلعہ کی مرمت سے اسے پوری فرصت نہ ہوئی تھی کہ حلب کے پیغامبر سیف الدین غازی کے پاس جا پہنچے۔

سیف الدین غازی نورالدین زنگی کے بھائی ودود کا بیٹا تھا۔ جب تک نورالدین زندہ رہا۔ سیف الدین ایک طرح سے محصور رہا۔ نورالدین نے اس کی نگرانی کے لئے اپنا ایک معتمد موصل میں بٹھا رکھا تھا۔ نورالدین کی موت کے بعد، سیف الدین نے نہ صرف آزادی پائی۔ الصالح کے بہت سے علاقے قبضہ میں کر لئے۔ جس وقت صلاح الدین (ابن کثیر جز ۲ ۲۹۰) دمشق پہنچا ہے۔ سیف الدین اپنے مقبوضات کو وسعت دینے میں مصروف تھا۔ اس لئے اس نے دمشق والوں کی مدد نہ کی تھی۔ اس وقت اسے اندازہ نہ تھا کہ صلاح الدین یہاں (ابن اثیر جز ۱۱ ۱۵۹) پہنچ کر اتنے پاؤں پھیلائے گا۔ لیکن حمص و حماۃ کی فتح نے اس کے لئے بھی خطرات پیدا کر دیئے تھے۔ جیسے ہی حلب والوں نے اسے پکارا۔ اس نے اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ اپنے بھائی عزالدین کی قیادت میں دے کر حلب بھیج دیا۔ حلب والوں نے اس فوج کا شاہانہ خیر مقدم کیا اور اس کے ساتھ ہو کر صلاح الدین کے مقابلہ کو چلے۔ (ابن کثیر جز ۱۲ ۲۹۰)

نہیں کہا جا سکتا کہ موصل کی فوج جب حلب کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ صلاح الدین کے مخبر کہاں تھے آیا انہیں اس فوج کے سفر کا علم ہو چکا تھا یا نہیں۔

بہر حال ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صلاح الدین کو اس فوج کے حلب پہنچ جانے اور پھر دونوں فوجوں کے ایک ساتھ مل کر حماۃ کی طرف بڑھنے کی خبر حمص ہی میں ملی۔ گو اس کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی۔ پھر بھی اس نے اپنی عام عادت کی طرح آگے بڑھ کر اس فوج کا مقابلہ کرنا ضروری سمجھا۔ وہ حمص سے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ حماۃ آیا۔ وہ جب حماۃ پہنچا ہے۔ تو دشمن وہاں پہنچ چکا تھا، اس کی تعداد بے پناہ تھی۔ انسانوں کے دل کے دل چاروں طرف پھیلے تھے۔

صلاح الدین گو بڑا بہادر، بڑا جری اور بہت حوصلہ مند تھا۔ مگر اتنی بڑی فوج کے مقابلہ میں صف آرا ہونا، نہ بہادری تھی اور نہ دانائی۔ اس لئے ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ اس نے ان لوگوں سے مصالحت کی گفتگو شروع کی۔ اس نے ان سے کہا۔

"آپ لوگ اگر چاہیں تو میں اپنے تمام شامی مفتوحہ مقامات کو آپ کے سپرد کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں صرف دمشق پر اکتفا کر لوں گا۔ اور دمشق میں الصالح اسماعیل کے نام کا خطبہ پڑھوں گا۔ اور اسی کے نام کے سکے مسکوک کروں گا"۔[1]

مگر دشمن نے اپنی کثرتِ تعداد پر گھمنڈ کر کے صلاح الدین کی کوئی شرط قبول نہ کی۔ یہاں تک کہ کمشتگین نے جو سارے فتنہ و فساد کا اصل باعث تھا۔ صلاح الدین کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کے لیئے اس کی غیرت پر حملہ کر دیا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ رحبہ، جو پہلے اسدالدین شیرکوہ کی اور اب اس کے بیٹے کی ملکیت تھا حلب والوں کو دے دیا جائے۔ اسدالدین شیرکوہ نہ صرف صلاح الدین کا محبوب چچا تھا۔ اس کا استاد، مہربان اور بڑا محسن تھا۔ اس کی موت کے بعد وہ اس کے بیٹے کا حق چھین کر دوسروں کو دے دیتا۔ یہ اس کے لئے ناممکن تھا۔ یہ تو سخت احسان ناشناسی ہوتی۔ صلاح الدین نے ایک بہادر کی طرح یہ شرط رد کر دی اور اللہ پر بھروسہ کر کے اپنی مختصر سی فوج کی صفیں درست کیں۔ پروردگار کے نزدیک صلاح الدین چونکہ ملت کے لئے زیادہ مفید تھا۔ اس لئے عین اس وقت جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل خیمہ زن تھیں۔ صلاح الدین کا بھتیجا تقی الدین عمر بن شہنشاہ اپنے دوسرے بھائیوں اور مصری سواروں کے ایک تازہ دم دستہ کے ساتھ موقع پر آن پہنچا۔

یہ ایک غیبی امداد تھی۔ صلاح الدین نے اس غیبی امداد کے ملتے ہی، دشمن پر حملہ

---

[1] ابن کثیر جز ۱۲ - ۲۶۰ -

کر دیا۔ یہ حملہ اتنا سخت تھا کہ حلب اور موصل کے لوگ اسے برداشت نہ کر سکے۔ اس دن صلاح الدین نے آپ اپنی فوج کی راہ نمائی کی تھی اور اسے اس ہنرمندی سے آگے بڑھایا تھا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔[1]

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حلب اور موصل کی متحدہ فوج کی کمان زلفندار کے سپرد تھی۔ یہ لڑائی کے فن سے قطعاً ناواقف تھا۔ صلاح الدین کے سخت حملہ سے سب سے پہلے اسی کی ہمت شکست ہوئی۔ سب سے پہلے وہی بھاگا۔ پھر جو سپاہی حلب اور موصل سے یہ لڑائی لڑنے آئے تھے۔ ان میں نہ کوئی عزم تھا اور نہ کوئی خاص جذبہ اُنہیں اس میدان میں لایا تھا۔ جب انہوں نے ہر طرف موت رقصاں ولرزاں پائی تو ان کے پاؤں جم نہ سکے اور وہ اپنا سارا ساز و سامان وہیں چھوڑ کر بھاگ اُٹھے۔ حلب والے حلب کی طرف بھاگے اور موصل والوں نے موصل کا رُخ کیا۔

صلاح الدین کا مقصد نیک تھا۔ اس نے متحدہ فوج کے فرار کو کافی سمجھا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے اور نہ کسی زخمی سے بے اعتنائی برتی جائے۔ صلاح الدین نے زخمیوں کی آپ تیمارداری کی۔ اس نے ان میں سے بہت لوگوں کے زخموں کی آپ مرہم پٹی کی۔

یہ بادشاہانِ عالم میں پہلی مثال تھی کہ ایک فاتح بادشاہ مفتوح جماعت کے ساتھ اس قدر محبت اور ہمدردی سے پیش آیا تھا۔ صلاح الدین کا یہی وصف، اس کی ہردلعزیزی کا سبب بنا۔ نہ صرف یہ کہ صلاح الدین نے زخمیوں کے زخم سئے، اس نے زخمیوں کی مالی مدد بھی کی۔ انہیں زادِ راہ دیا اور جن لوگوں نے اس کی ملازمت کرنی چاہی، انہیں اپنی ملازمت میں بھی لے لیا۔[3]

اس فتح نے صورتِ حال ہی بدل ڈالی۔ پہلے صلاح الدین نے ان سے مصالحت کی درخواست کی تھی اور حلب و موصل کے امرا نے اسے رد کر دیا تھا۔ اب حلب والوں

ابن شداد - ۳۲ - [2] ابن اثیر جزء ۱۱ - ۱۵۱ - [3] ابن کثیر جزء ۱۲ - ۲۹ -

نے خصوصیت سے الملک الصالح اور اس کے سب سے بڑے مشیر سعد الدین نے صلاح الدین کے حضور رحم کی اپیل کی اور اپنی طرف سے اسے خوش کرنے کے لئے پیشکش کی:

کہ آپ نے شام کے جو شہر و مقامات فتح کر لئے ہیں۔ وہ آپ کے ہوں گے اور آپ اس کے خود مختار بادشاہ ہیں۔ جو ہمارے پاس ہیں وہ ہمارے پاس رہنے دیجئے اور ہماری حکومت ان پر تسلیم کر لیجئے۔

ابن کثیر جز ۱۲ ص ۲۹۰ ابن شداد ۷۳

یہ بیان ابن کثیر کا ہے۔ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ متحدہ فوج کی شکست کے بعد صلاح الدین نے مال غنیمت سمیٹنے اور اسے فوج میں تقسیم کرنے کے بعد حلب کا رُخ کیا اور کوئی ایک مہینہ تک اس کا محاصرہ کر کے اس کے رہنے والوں پر جینا دشوار کر دیا۔ اس وقت حلب کے امرا نے یہ پیشکش کی تھی۔

ابن اثیر جز ۱۱ ص ۱۵۹

حلب کے محاصرہ اور صلح کے بعد صلاح الدین حماۃ واپس پہنچا۔ وہ یہیں تھا کہ خلیفہ بغداد کی طرف سے ایک سفیر اس کے پاس آیا جو اس کے لئے خلعت فاخرہ، سیاہ جھنڈا، اور مصر اور شام کی حکومت کی سند لایا تھا۔ گو یہ ایک نمائشی سند تھی۔ لیکن اس کا ایک بڑا سیاسی فائدہ اسے ضرور حاصل ہوا۔ کیونکہ نور الدین اور اس سے پہلے عماد الدین خلیفہ بغداد ہی کو اپنا سرپرست سمجھتے تھے۔ یہ سرپرستی صلاح الدین کے حصہ میں بھی آ گئی۔ گویا دوسرے لفظوں میں وہ نور الدین کا ایک جائز وارث قرار پایا۔

موصل

الصالح اسماعیل سے اُس کی یوں تو مصالحت ہو گئی، لیکن اس کے چچیرے بھائی سیف الدین غازی صاحبِ موصل کے مزاج درست نہ ہوئے تھے۔ اسے خیال تھا کہ اس کے بھائی عزالدین نے صلاح الدین سے جو شکست کھائی تھی۔ وہ رسمی سی تھی۔ اس خیال کی بنا پر اس نے صلاح الدین سے مقابلہ کرنے کے لئے بڑی تیاریاں شروع کیں۔ اس نے کوئی چھ ہزار سوار، بہت تھوڑی مدت میں اپنے گرد جمع کر لیے اور انہیں لے کر حلب کی طرف آیا۔ حلب والوں نے صلاح الدین سے مصالحت کر لی تھی لیکن سیف الدین نے انہیں یہ مصالحت توڑنے پر مجبور کر دیا۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ سیف الدین جب حلب پہنچا۔ تو الصالح اور اس کے ساتھیوں نے صلاح الدین سے کیا ہوا معاہدہ توڑ ڈالا اور بڑی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے سیف الدین کے ساتھ ہو گئے۔[1] ب ا د

ابن کثیر کے نزدیک اس متحدہ فوج کی تعداد بیس ہزار سوار تھی اور یہ بیس ہزار سوار بڑے ۱۲ گھمنڈ اور غرور کے ساتھ صلاح الدین کو دبانے کے لئے حماۃ کی طرف آئے تھے۔

صلاح الدین کی حالت اس وقت عجیب تھی۔ وہ حلب والوں سے پختہ مصالحت کر لینے کے بعد ان کی طرف سے ہر طرح مطمئن ہو چکا تھا اور اس نے مصر کی فوج مصر اور دمشق کی طرف روانہ کر دی تھی۔ اس کے ساتھ اس وقت حماۃ میں صرف ایک ہزار سوار تھے۔

ابن کثیر نے یہ بات لکھتے ہوئے قرآن کی یہ آیت نقل کی ہے:

وکم من فئۃ قلیلۃ غلبت علیٰ فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔

یہ یقیناً خدا کی مرضی تھی کہ صلاح الدین اپنی چھوٹی سی جماعت کے ساتھ بیس ہزار دشمنوں پر غالب آئے، شروع میں اس کی فوج اس عظیم الشان لشکر سے بہت مرعوب ہوئی۔ اس مرعوبیت کے باوجود اس نے بڑی دلجمعی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس دن بڑے گھمسان کا رن پڑا دونوں طرف کے مجاہد خوب جم کر لڑے۔ لیکن جب صلاح الدین نے لڑائی کو طول پکڑتے دیکھ کر خود اپنی فوج کی قیادت کی اور تلوار چمکاتا، فوج کے آگے آن پہنچا تو نقشہ جنگ ہی بدل گیا۔ صلاح الدین کے ساتھیوں نے دشمن کو یوں کاٹا جیسے وہ محض بے زبان جانوروں کا گلہ تھا۔ حلب والے مصری جوانمردوں سے ایک بار پہلے بھی لڑ چکے تھے۔ اس لیے ان کے پاؤں اس سخت ریلے میں شروع ہی میں اکھڑ گئے۔ البتہ موصل والے کچھ دیر جمے رہے اور جب صلاح الدین کے ساتھیوں نے ان کی بوٹیاں نوچ ڈالیں تو وہ بھی حلبیوں کی طرح پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

ابن کثیر کہتے ہیں۔ اس دن موصل اور حلب کے بڑے بڑے سردار گرفتار ہوئے۔ مگر اس صلاح الدین نے جو دنیا میں اپنا نام پیدا کرنے آیا تھا۔ ان بڑے سرداروں کو گرفتار کرنے کے بعد کوئی سزا نہ دی۔ اس نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اس کے آقا، مولا، ہادی برحق سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ قریش کے ساتھ فتح مکہ کے وقت کیا تھا۔ اس نے ان سب کو شاہانہ خلعتیں پہنائیں عمامے اور مرصع خنجر عطا کئے۔ سواریاں دیں اور روپوں کی تھیلیاں عطا کیں اور کہا۔

تم پر آج کوئی سختی نہیں ہے۔ تم اور ہم بھائی بھائی ہیں۔

یہ کام صلاح الدین ہی کر سکتا تھا۔ اگر سیف الدین غازی بھی اس لڑائی میں قید ہو جاتا تو یقینی تھا کہ صلاح الدین اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتا اور اسے بھی خلعت پہناتا۔ وہ تو قید نہیں ہوا۔ بھاگ نکلا تھا۔ البتہ اس کے کچھ پالتو پرندے اور کچھ شراب سے بھرے ہوئے جام اور سو رقاصہ عورتیں اس کے خیمہ سے صلاح الدین کو ملیں۔ صلاح الدین

نے یہ ساری چیزیں نامہ بروں کے ذریعہ سیف الدین کو بھیج دیا اور کہلوایا۔

تم پرندوں سے کھیلتے اور شراب و ساقی سے جی بہلاتے رہے اور اصل کام پر تم نے توجہ نہ کی۔ اسی لئے تمہارا یہ حشر ہوا۔

اس فتح میں صلاح الدین کو بے حساب و بے شمار غنیمت ہاتھ آئی۔ سونے چاندی کے سکوں، قیمتی خیموں، گھوڑوں اور لاتعداد اسلحہ کے علاوہ موتی جواہرات بھی ملے تھے۔ صلاح الدین نے ان چیزوں میں سے ایک چیز بھی خود نہیں رکھی۔ سب کی سب فوج میں بانٹ دیں اور فوج چونکہ بہت تھوڑی تعداد میں تھی۔ اس لئے ایک ایک سپاہی کے حصے میں کئی کئی گھوڑے، بیس بیس تیس تیس تلواریں، نیزے اور اسی قسم کا دوسرا سامان آیا۔

سیف الدین غازی خود تو موصل کی طرف بھاگ گیا تھا۔ البتہ اس کے بھائی نے حلب میں پناہ لی تھی۔

یہ قصہ ۵۷۱ھ ہجری کا ہے۔

دُوسری فتوحات

صلاح الدین، بھاگے ہوئے دشمن سے نپٹنے کے لئے جب حلب پہنچا تو حلب والوں نے اپنی شہر پناہ خوب مضبوط کر لی تھی۔ صلاح الدین نے ان کے محاصرہ کی بجائے آس پاس کے مقامات پر توجہ کی، پہلے وہ مراغہ گیا، اسے فتح کیا۔ پھر منبج پہنچا، منبج کی فتح کے بعد اعزاز کی باری آئی۔ یہ سارے مقامات حلب کے آس پاس تھے۔ ان کی فتح نے حلب کے لوگوں کے حوصلے بہت شکست کر دیئے تھے اور انہیں اپنی موت یقینی نظر آ رہی تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ انہوں نے شیخ سنان سے ایک بار اور رجوع کیا۔ اس کے فدائی ایک بار اور صلاح الدین کے قتل پر آمادہ ہو کر اس کی محافظ فوج میں مل گئے اور موقعہ پا کر سلطان پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ گو بہت سخت تھا۔ فدائی کا وار صلاح الدین کے سر پر خوب بھرپور پڑا تھا۔ لیکن صلاح الدین کی فولادی ٹوپی نے اس خنجر کا منہ موڑ دیا۔ فدائی نے دوسرا وار صلاح الدین کے گلے پر کیا۔ زرہ بکتر نے اس وار کو بھی روک لیا۔

ابنِ کثیر فرماتے ہیں۔ فدائی بڑا مضبوط اور جفاکش تھا۔ اس نے سلطان کو نیچے فرش پر گرا لیا تھا اور سلطان کے گلے پر چھری پھیرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پہرہ داروں کے ہوش درست ہو گئے اور انہوں نے فدائی پر حملہ کر کے اسے پکڑ لیا۔ فدائی پکڑا گیا۔ تو اس کی جگہ دوسرے نے اور دوسرے کی جگہ تیسرے اور چوتھے نے لی۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک فوج کی فوج ان لوگوں کی صلاح الدین کے خیمہ میں آن گھسی ہے۔ لیکن صلاح الدین کو اللہ نے ابھی زندہ رکھنا تھا کسی فدائی کا خنجر صلاح الدین کو کوئی زخم نہ پہنچا سکا اور چاروں کے چاروں

اس جدوجہد میں قتل ہوئے

یہ واقعہ ایسا تھا کہ صلاح الدین کے اپنے حواس مجتمع نہ تھے اور اس کی جان کی سلامتی بہت ہی مشتبہ ہو گئی تھی۔

ابن کثیر ج ۱۲ ص ۲۹۳ ابن خلدون جزء ۵ ص ۲۹۰

کچھ عجیب بات تھی، صلاح الدین کو اس اچانک حملہ سے متوحش ہو جانا چاہئے تھا مگر اس نے صلاح الدین کے عزم و استقلال کو پہلے سے بڑھا دیا اور اس نے محاصرہ میں پہلے سے زیادہ شدت برتی اور جب تک کامیاب نہیں ہوا، کسی اور طرف توجہ نہیں کی اعزاز کی فتح اس سلسلہ کی آخری کڑی تھی۔ اب یہ زنجیر مکمل ہو گئی تھی۔ اسے مکمل کرنے کے بعد وہ پھر حلب آیا۔ اس بار اس کا محاصرہ کچھ اس طرح کیا کہ اہل حلب کو اپنی شہر پناہ کی ہر مضبوطی کے باوجود ہتھیار رکھنے پڑے۔ انہوں نے اس بار بڑے عجز کے ساتھ مصالحت کی درخواست کی، جسے صلاح الدین نے قبول کر لیا۔ محصورین کی طرف سے خود یہ تجویز پیش ہوئی تھی۔ کہ اس وقت تک صلاح الدین نے جتنی جگہیں فتح کر لی تھیں۔ ان کا وہی بادشاہ ہوگا۔ صرف حلب الصالح کے پاس رہے گا اور آئندہ کے لئے طرفین ایک دوسرے سے دھوکا نہ کریں گے اور نہ فریب۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے حلیف ہوں گے اور اگر کسی پر باہر سے حملہ ہوا تو مل کر اس کی مدافعت کریں گے۔

یہ معاہدہ طے پا چکا تھا اور اس پر طرفین نے دستخط کر دیئے تھے کہ الصالح کی ایک نوعمر بہن صلاح الدین کے حضور حاضر ہوئی۔ صلاح الدین نے اس کی بڑی تعظیم کی۔ بہت سے تحائف نذر کئے اور آخر میں پوچھا۔ کیوں تکلیف کی؟ لڑکی نے بھولے پن سے کہا۔ ہمیں "اعزاز" دے دیجئے۔

یہ "اعزاز" وہی قلعہ تھا جسے صلاح الدین نے تھوڑی مدت پہلے بڑی مشکلوں سے فتح کیا۔ یہ وہی تھا جس کے محاصرہ کے دوران میں اس پر فدائیوں نے حملہ کیا تھا۔ لیکن صلاح الدین کی نیک نفسی اور شرافت، نورالدین کی نوعمر بیٹی کی درخواست کو رد نہ کر سکی اور اس نے

اس قلعہ کی کنجیاں اس بچی کی جھولی میں اس طرح ڈال دیں جیسے یہ معمولی تحفہ تھا۔[۱]

اس مصالحت کے بعد گویا صلاح الدین حلب کے سوا، باقی شام کا بلا شرکت غیرے بادشاہ بن گیا تھا۔

اس سے پہلے اس میں اور الملک الصالح میں جو معاہدہ حلب کے دوسرے محاصرہ کے بعد ہوا تھا۔ اس میں صلاح الدین کی خود مختاری تسلیم نہ کی گئی تھی۔ اس وقت الملک الصالح شام کا آئینی حاکم تھا۔ اس کے نام کے سکے مسکوک ہوتے اور اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا۔

لیکن آج کی تاریخ کے بعد شام اور مصر دونوں صلاح الدین کے خود مختار علاقے بن گئے تھے اور کوئی دوسرا ان کی سیادت میں اس کا شریک نہ تھا اور نہ نگران۔

ابن اثیر نے صلاح الدین کے اس عروج کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

وقد عظم شانہ بما ملکہ من بلاد الشام وبکسرہ عسکر الموصل فخافہ الفرنج وغیرھم وعزم علی دخول بلادھم ونھبہ ولاغارہ علیہ فارسلوا الیہ یطلبون الھدنہ معہ فاجابھم الیھا وصالحھم[۲]

شام کے شہر فتح کرنے اور موصل کے متحدہ لشکر کو شکست دینے سے اس کی حیثیت بہت بڑھ گئی تھی۔ افرنگ اس سے ڈرنے لگے تھے۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ عیسائیوں کے شہروں میں گھس جائے گا اور انہیں لوٹے اور مارے گا۔ مگر انہوں نے اس کے حضور سفارت بھیج کر رحم اور مصالحت کی اپیل کی۔ اس نے یہ اپیل قبول کر لی۔

اس معاہدہ کی رو سے یروشلم کے عیسائی اور صلاح الدین بھی ایک دوسرے کے حلیف بن گئے تھے۔ گویا دوسرے لفظوں میں مصر اور شام اور فلسطین کے مابین کسی قسم کی لڑائی باقی نہ رہ گئی تھی۔

جب لڑائی کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی تو صلاح الدین نے مصر واپس ہونے کی تیاری کی۔ وہ دمشق سے نکلا۔ لیکن عین اس وقت وہ مصر کی طرف بڑھنے کی بجائے بلاد اسماعیلیہ کی طرف بڑھا۔ اسماعیلی

[۱] ابن اثیر جز: ۱۱ / ۱۶۳ — ابن خلدون جز: ۵ / ۲۹۱ — ابن کثیر جز: ۱۲ / ۲۹۵ — ابن شداد ۳۴

[۲] ابن اثیر جز: ۱۱ / ۱۶۴

"حشیشین" گو اونچی اونچی پہاڑیوں میں رہتے۔ گو ان کا ملک دشوار گزار گھاٹیوں، خطرناک غاروں اور گھنے جنگلات سے اٹا پڑا تھا۔ مگر صلاح الدین ان سب غاروں، گھاٹیوں اور جنگلات کو عبور کرتا۔ ان کے سب سے بڑے اور مضبوط قلعے، معیات تک جا پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔[1]

ابنِ اثیر فرماتے ہیں کہ صلاح الدین نے "معیات" کے محاصرہ سے پہلے اسماعیلیوں کا سارا ملک تباہ کر دیا۔ اسماعیلیوں کو اپنی ہر شرارت بھول گئی تھی۔ معیات کے محاصرہ کے دوران میں تو ان پر رشتۂ حیات ہی تنگ ہو گیا تھا اور ان کے شیخ سنان نے بہت لجاجت کے ساتھ صلاح الدین سے مصالحت کی اپیل کی تھی۔ یہ درخواست صلاح الدین کے ماموں شہاب الدین الحارمی صاحبِ حماۃ، صلاح الدین کے پاس لائے۔ صلاح الدین اس وقت خود بھی لڑائی سے تھک چکا تھا۔ اس نے شیخ سنان کی درخواست قبول کر لی اور اس طرح اس طرف کے سب سے بڑے دشمن کو قابو میں کر لیا۔ ابن اثیر نے یہ قصہ کہتے وقت یہ عجیب بات بھی کہی ہے کہ شیخ سنان نے مصالحت کی درخواست کے ساتھ ساتھ یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر صلاح الدین نے ان سے مصالحت نہ کی تو ہم اس کی فوج سے تو نہیں۔ اس کے سارے خاندان سے اس کا بدلہ لیں گے اور ہر فرد کو الگ الگ قتل کر دیں گے۔ یہ دھمکی یقیناً وزن رکھتی تھی۔ صلاح الدین نے خود دو بار مشاہدہ کر لیا تھا کہ یہ لوگ پہرہ داروں کے جھرمٹ کو چیر کر کس پھرتی سے اس تک پہنچ گئے تھے اور ان میں یقیناً یہ ہمت تھی کہ وہ اسے یا اس کے خاندان کے بعض دوسرے افراد کو قتل کر دیتے۔[2]

---

[1] ابن خلدون نے معیات کی جگہ اس قلعہ کا نام بامیان لکھا ہے۔ ابن خلدون جزء ۵، ۲۹۱ - ابن اثیر جزء ۱۱، ۱۶۵

[2] ابن خلدون جزء ۵، ۲۹۱ ابن اثیر جزء ۱۱، ۱۶۵

پھر مصر آیا

یہ مصالحت ۵۷۱ھ کا آخری قابلِ ذکر واقعہ تھا۔ دوسرا سال شروع ہو چکا تھا۔ اسے اور اس کی فوج کو مصر سے آئے کافی دن ہو چکے تھے۔ پھر مصری فوج مالِ غنیمت سے لدی پھندی تھی اور وطن لوٹنا چاہتی تھی۔ صلاح الدین اسے لے کر مصر کی طرف[1] چلا۔

وہ جب مصر سے شام کی طرف آیا تھا تو محض مصر کا ایک محکوم تاجدار تھا اور اب جب مصر لوٹ رہا تھا تو اس سے بڑی قوت مصر و شام و فلسطین و عراق میں کوئی دوسری[2] نہ تھی۔

وہ مصر لوٹ کر آیا تو مصر کے لوگوں نے اس کا اس طرح استقبال کیا جس طرح اس زمانہ کے فاتحین کا استقبال ان کی رعایا کرتی تھی۔ قاہرہ کے لوگ اس سے ملنے کے لئے شہر سے میلوں باہر نکل آئے۔ شعرا نے قصیدے پڑھے اور علما نے اسے دعائیں دیں۔

وہ شہر میں ایک بڑے تاجدار اور ایک بڑے بادشاہ کی حیثیت سے داخل ہوا۔ اس کی سخاوت پہلے ہی ضرب المثل تھی۔ قاہرہ میں داخلہ کے وقت اس نے جو بخشش عام کی اور علما و فضلا اور دوسرے لوگوں کو جو صلے دیئے۔ ان سے تو وہ سخیوں کا سخی کہلایا۔

صلاح الدین کی یہ عادت بہت ہی پسندیدہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ انسانی دل مٹھی میں لینے کے لئے سخاوت بہت ضروری ہوتی ہے۔ کچھ اس علم نے اسے سخی بنا دیا تھا۔ کچھ یوں بھی اسے انسانی فلاح و بہبود سے بہت لگاؤ تھا۔ قاہرہ آنے کے بعد اس نے محض علما و فضلا کو صلے ہی نہ دیئے۔ اس نے رفاہِ عامہ کے کئی نئے کام شروع کئے، نئے مدرسے قائم کئے اور نئی عمارتیں تعمیر کیں۔ نئی عمارتوں میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر قاہرہ کا نیا قلعہ، اس کی نئی فصیل اور جیزہ کا بند تھا۔ گو نئے قلعہ کی تعمیر

[1] ابن اثیر جز ۱۲ ص ۱۴

[2] ابن کثیر جز ۱۲ ص ۲۹۴

صلاح الدین کی موت تک جاری رہی پھر بھی اس کی موت تک یہ کام مکمل نہ ہو سکا۔

بہرحال اس ایک سال یعنی ۵۷۲ھ کے قیامِ مصر کے دوران میں صلاح الدین نے مصر کے نظم و نسق کو بہتر بنانے اور رعایا کی فلاح و بہبود اور رفاہِ عامہ کے کاموں کے سوا کوئی دوسرا کام نہیں کیا۔[1] یہ زمانہ مکمل امن و سکون کا تھا اور اس نے ایک علم دوست اور عوام کے ایک بہی خواہ کی حیثیت سے عوام کی پوری خدمت کی۔

البتہ جب عیسائیوں نے معاہدہ صلح توڑ کر دمشق کے آس پاس کو لوٹنا شروع کیا تو صلاح الدین کو بہت ناگوار گزرا۔ ابنِ اثیر نے یروشلم کے عیسائیوں کی اس بدعہدی کا ذکر صلاح الدین کی دمشق سے واپسی کے تھوڑے دن بعد کیا ہے۔ گو اس نے اس حملہ کی تاریخ درج نہیں کی لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۵۷۲ہجری کے شروع ہی میں پیش آیا تھا اور یہ عجیب بات تھی کہ صلاح الدین کے بھائی شمس الدولہ توران شاہ نے جو اپنی جنگجوئی کے سبب بہت مشہور تھا۔ آگے بڑھ کر دشمن سے جب مقابلہ کیا تو سخت شکست کھائی۔[2]

اس کے برعکس بعلبک کے علاقہ میں جو عیسائی فوج در آئی تھی اسے بعلبک کے حاکم شمس الدین محمد بن عبدالملک نے عبرت ناک مار ماری اور ایسا رسوا کیا کہ ان کی شکست سارے عالم میں مشہور ہو گئی۔

بہرحال صلاح الدین کے مصر جاتے ہی یروشلم کے عیسائیوں نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ وہ وقت پڑنے پر جو معاہدہ کر لیتے ہیں۔ ان کی پابندی ان کے نزدیک ضروری نہیں ہوتی[3] جب عیسائیوں نے عہد نامہ توڑ ڈالا تو صلاح الدین نے ان سے بدلہ لینے کے سامان کئے اور رفاہِ عامہ کے کاموں کے ساتھ جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں۔

---

[1] سیاہ پول ۱۴

[2] ابن اثیر جلد ۱۱

[3] سیاہ پول ۱۴

میدان جنگ

ابن کثیر ۲۹۷ — یہ جمادی الاول ۵۷۳ھ ہجری کا آغاز تھا جب صلاح الدین[1] ایک بڑی فوج کے ساتھ
مصر سے نکلا اور رملہ کا رُخ کیا جو کسی زمانہ میں سلیمان بن عبدالملک کا محبوب مقام تھا اورات
ابن اثیر ۱۶۷ — یروشلم کے عیسائی اس پر قابض تھے۔

لین پول نے ولیم صوری کی زبانی صلاح الدین کی اس مہم کی تفصیل بیان کی ہے۔ پہلے اسے سُن لیجئے۔ پھر ابن اثیر اور ابن خلدون کا بیان پڑھئے۔

ولیم صوری کہتا ہے کہ صلاح الدین جب مصر سے اس بار چلا تو اس کے ساتھ چھبیس ہزار سپاہی تھے۔ ان میں اکثریت سوڈانی سپاہیوں کی تھی اور یہ سوڈانی سپاہی ہی اس ہزیمت کا سبب بنے جو بعد میں صلاح الدین کو حاصل ہوئی۔

ولیم صوری کے بیان کی رو سے یہ سوڈانی جب رملہ اور لد پہنچے تو انہوں نے خوب لوٹ مار کی۔ انہیں اپنی کثرت پر اس قدر گھمنڈ تھا کہ یروشلم کے دروازوں تک پہنچ گئے اور
لین پول ۱۲۳ — یہ تک بھول گئے کہ یروشلم کا بادشاہ بالدون عسقلان پہنچ چکا ہے اور ان پر عقب سے حملہ کر سکتا ہے۔

ولیم صوری نے یہ اعتراض صلاح الدین پر بھی کیا ہے کہ اس نے اپنی فوجوں کی نگرانی صحیح طور پر نہ کی اور انہیں بلا احتساب دشمن کے ملک میں پھیل جانے دیا۔

ابن خلدون کے الفاظ سے بھی کسی قدر اس اعتراض کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اس نے صلاح الدین کی بجائے فوج کو اس بے خبری کا الزام دیا ہے۔ کہتا ہے :۔

وانتھی الی اعمالھا، ولم یروا الافرنج خبراً فانساحوا فی البلاد ... [۱]

وہ اس کے گرد و نواح تک جا پہنچے۔ اس کے شہروں اور قصبات میں پھیل گئے اور افرنگیوں کی خبر نہ لی اور نہ ان کے بارے میں کچھ جانا۔

ابن اثیر نے تمام مورخین کی نسبت اس باب میں زیادہ وضاحت سے کام لیا ہے۔ ان کے بیان کی رُو سے، صلاح الدین کی فوج جب دشمن کے علاقہ میں داخل ہوئی تو وہ آگے بڑھتی ہی چلی گئی۔ یہاں تک کہ عسقلان پہنچ گئی۔ عسقلان تک چونکہ کسی نے اس کی راہ نہ روکی تھی اس لئے فوج کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ عسقلان پہنچ کر ساری فوج مختلف دستوں میں بٹ کر عسقلان کے اضلاع میں پھیل گئی۔ عیسائی فوج اب بھی مقابلہ میں نہ آئی تو مصری سپاہی بے لگام ہو گئے اور جدھر مُنہ آیا۔ ادھر ہی چل نکلے۔ وہ قیدی اور غنیمتیں جمع کرتے، دشمن کے افراد کو قتل کرتے دور دور تک پھیل گئے۔ [۲]

فوج یوں منتشر ہو گئی تھی اور خود صلاح الدین اپنے مخصوص دستہ کے ساتھ رملہ پہنچ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ رملہ کے بعض قلعوں کو سر کر لے گا۔ اس ارادہ سے وہ نہر رملہ کو، عبور کرنے ہی والا تھا کہ اچانک عیسائیوں کی ایک مضبوط فوج نہر کے دامنوں سے یوں اُبھر کو اُٹھی جیسے نہر کے کناروں نے اچانک اسے اگل دیا تھا۔

اس وقت صلاح الدین کے ساتھ بہت کم سپاہی ہوں گے (ہزار بھی نہ تھے) مگر دشمن کی تعداد بہت کافی تھی اور اس تعداد نے صلاح الدین کے ساتھیوں پر اس تیزی اور پھرتی سے حملہ کیا کہ صلاح الدین اور اس کے ساتھی گھبرا گئے۔

ابن اثیر کہتے ہیں۔ اس کے باوجود صلاح الدین اور اس کے ساتھیوں نے دشمن سے بڑی سخت لڑائی کی، خصوصیت سے صلاح الدین کے بھتیجے شہزادہ محمد نے تو اس دن غیر معمولی شجاعت دکھائی۔ وہ گو بالکل نو عمر جوان تھا۔ ابھی اس کے داڑھی نہ اُگی تھی۔ اس نوعمری کے

[۱] ابن خلدون جزء ۵ ۳۹۱

[۲] ابن اثیر جزء ۱۱ ۱۶۷ ابن خلدون جزء ۵

باوجود اس نے اپنے چچا کے آگے ہو کر دشمن پر بہت زور کا حملہ کیا۔ وہ دشمن کی صفوں میں گھس گیا اور ان میں انتشار پیدا کر دیا۔

اس نے اس دن دشمن کے بہت سے آدمی قتل کئے اور کامیاب و کامران چچا کے پاس آیا۔ چچا نے شاباش دی اور ایک بار اور دشمن پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ اس بار وہ پہلے سے زیادہ جرأت اور بہادری کے ساتھ دشمن کی صفوں میں گھسا اور جوش میں بہت آگے نکل گیا۔ دشمن نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور شہید کر ڈالا۔ اس دن فقیہ الہکاری نے بھی بڑی بہادری دکھائی۔ وہ بھی دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور بالآخر گرفتار کر لیے گئے۔ فقیہ الہکاری کی گرفتاری سے اسلامی صفیں بکھر گئیں۔ گو صلاح الدین نے بہت کوشش کی کہ مسلمان بھاگیں نہیں۔ لیکن سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ ان کے پاؤں کچھ ایسے اکھڑے کہ خود صلاح الدین کو بھی راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔[1]

ابن اثیر جز ۱۱ ۱۶۷
ابن شداد ۲۵

ابن کثیر نے گو واقعۂ الرملہ کے بیان میں بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ لیکن انہیں اس شکست پر بہت تعجب ہوا اور انہوں نے انتہائی رنج کے ساتھ لکھا کہ یہ شکست صلاح الدین کے حصہ میں پورے دس سال بعد آئی تھی۔[2]

ابن کثیر جز ۱۲ ۲۹۴

ابن کثیر کے بیان کی رو سے گو مسلمانوں کو اس شکست میں بہت نقصان پہنچا تھا۔ ان کے بہت سے آدمی قتل ہو گئے تھے مگر چند دن بعد منتشر سپاہی پھر صلاح الدین سے آن ملے تھے

ابنِ اثیر نے اس فوج کی تباہی کو کسی قدر زیادہ مبالغہ سے لکھا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ رستے میں اس فوج نے ہزاروں مصائب اٹھائے اور جب مصر پہنچی تو اس کی یہ حیثیت ایک لٹے ہوئے کارواں کی تھی۔

ابن اثیر جز ۱۱ ۱۶۷ ۵۳

لین پول نے صحیح بات کہی ہے کہ اس بڑی شکست کے باوجود اس بڑے آدمی کے حوصلے بالکل شکست نہ ہوئے تھے تھوڑی مدت بعد اس نے خود کو پھر سنبھال لیا۔ یہ تھوڑی مدت تین مہینے سے بھی کم تھی۔

لین پول ۱۳۴،۱۳۵

ابن کثیر کے بیان کی رو سے صلاح الدین نے جیسے ہی یہ خبر سُنی کہ افرنگیوں کے ایک بڑے بادشاہ نے شام کا رُخ کیا ہے اور حماۃ کو گھیر لیا ہے تو وہ اللہ کا نام لے کر مصر سے چلا اور ۲۴ر شوال ۵۷۳ھ کو دمشق آن پہنچا۔

اگر رملہ کی شکست جمادی الاخریٰ کے پہلے ہفتہ میں واقع ہوئی تھی تو ۲۴ر شوال تک کی مدت تین مہینوں سے زائد بنتی ہے۔ بہرحال وہ جمادی الاخریٰ کی سولہ تاریخ کو شکست کھانے کے بعد مصر پہنچا تھا اور شوال کے شروع میں وہاں سے نکل کر دوبارہ شام کی طرف روانہ ہوا[1] تاکہ دشمن سے اس شکست کا انتقام لے۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ مصر سے سلطان صلاح الدین کی جلد روانگی کے اسباب میں حماۃ کا محاصرہ بھی تھا۔ حماۃ کا محاصرہ، جمادی الاخریٰ کی کسی تاریخ کو کیا گیا۔ یعنی عین اس وقت جب صلاح الدین رملہ سے شکست کھانے کے بعد مصر کی طرف بھاگا تھا۔ حماۃ کے محاصرہ کا بانی کون تھا۔ کسی عرب مورخ نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ ابن خلدون نے اسے زعیم من طواغیت الافرنج اور ابن کثیر نے ملک کبیر من ملوک الافرنج لکھا ہے[2]۔

یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ مصر سے صلاح الدین کی فوراً شام کی طرف واپسی اسی سبب سے ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات تھی کہ حماۃ کے مسلمانوں نے ان افرنگیوں سے بڑا سخت مقابلہ کیا اور چار دن کی لڑائی کے بعد انہیں حماۃ سے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

بہرحال یہ اس کا فرض تھا کہ افرنگیوں کے حملہ کی خبر پا کر شام آتا۔ وہ جس وقت حمص پہنچا تو افرنگی جدھر سے آئے تھے ادھر ہی لوٹ گئے تھے۔ کہیں کہیں کچھ ٹولیاں موجود تھیں۔ سلطان کے بعض سرداروں نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں خوب مارا۔ ان میں سے کئی سو پکڑے گئے جو سلطان کے حضور پیش ہوئے اور قتل کیے گئے[3]۔

حماۃ سے صلاح الدین پھر دمشق آیا۔ ابھی وہاں آئے اسے تھوڑی مدت ہوئی تھی کہ یروشلم کے بادشاہ کو شوخی سوجھی اور اس نے بیت الاحزان کے قریب ایک قلعہ تعمیر کر کے مسلمانوں کی راہ بند کر دی۔

ف۱ ... جزء ۱۱ ... ن جزء
ف۲ ... ن جزء ... جزء ۱۲
ف۳ ... جزء ۱۲

لین پول کہتا ہے کہ دریائے اُردن کے قریب جسر یعقوب کے نام سے جو پل تھا یہ نیا قلعہ وہیں تعمیر کیا گیا تھا۔ کیونکہ یہی جگہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی سرحد کا کام دیتی تھی۔ یہاں ایک طرف بانیاس کے سرسبز و شاداب میدان تھے، یہیں دور دور تک مسلمانوں کی چراگاہیں تھیں۔ یہ دمشق کی زمین تھی اور دمشق کے لیے یہیں سے غلہ مہیا کیا جاتا تھا۔ دشمن کا یہاں قلعہ تعمیر کرنا صلاح الدین کو گوارا نہ تھا۔ اس نے یروشلم کے بادشاہ کو لکھا، یہ قلعہ توڑ دے۔ مگر اس نے یہ خواہش رد کر دی اور جواب دیا۔ ہمارا اس پر بہت خرچ آیا ہے۔ سلطان نے پیش کش کی۔ تم نے اس پر جو خرچ کیا ہے وہ ہم سے لے لو۔ اس نے اس سلسلہ میں پہلے ساٹھ ہزار اور پھر ایک لاکھ اشرفیاں پیش کیں مگر مغرور بالڈون نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ ناچار صلاح الدین کو تلوار سے کام لینا پڑا۔ وہ آپ، اپنی فوج کے ساتھ اس قلعہ پر حملہ آور ہوا اور اسے آپ اپنے سامنے گروا دیا۔ دشمن دور کھڑا یہ تماشہ دیکھتا رہا، مگر آگے نہ آیا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس قلعہ میں دشمن نے ایک بہت بڑا کنواں کھود رکھا تھا جس میں ایک لاکھ مختلف ہتھیار اور بہت سی خوراک جمع کر دی تھی تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔ یہ خوراک بھی سلطان کے ہاتھ لگی اور اسلحہ بھی۔ سلطان نے یہ قلعہ جب گرایا تو شعرا نے اس کی شان میں قصیدے پڑھے۔

اسی سال سلطان نے دشمن کو ایک اور بڑی شکست دی، یہ شکست، وقعۂ مرج عیون کے نام سے مشہور ہوئی۔

ابن کثیر فرماتے ہیں دشمن کی شوخیوں کے انسداد کے لئے سلطان بانیاس کے ایک مقام تل قاضی پر خیمہ زن تھا کہ دشمن، ایک بڑی تعداد کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا۔[۱]

لین پول کا بیان ہے شروع میں بالڈون نے مسلمان فوج پر کئی کامیاب حملے کئے وہ مسلمانوں کو کافی پیچھے ہٹا لے گیا تھا۔[۲]

لیکن یہ کہتے وقت لین پول بھول گیا ہے سلطان کا مخصوص طریق جنگ یہی تھا۔ وہ دشمن

[۱] ابن کثیر ج ۱۲ - ۳۰۱

[۲] لین پول ۱۳۶

کے بھرپور اور تازہ حملہ کے وقت لازمی طور پر پسپائی اختیار کرتا۔ وہ فوج کو اتنا پیچھے لے جاتا کہ دشمن سمجھتا اس کی فوج فرار اختیار کر رہی ہے اور جیسے ہی دشمن اس کی چوکیوں میں آن پہنچتا وہ اپنی فوج کو باز کے بازوؤں کی طرح پھیلاتا دشمن کو گھیرے میں لے لیتا۔

اس بار بھی اس نے یہی کیا تھا۔ اس نے پہلے بالڈون کو آگے بڑھنے دیا اور جب وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ بہت آگے بڑھ آیا تو سلطان نے اپنی فوج کو آگے بڑھا کر اسے گھیرے میں لے لیا۔ پھر وہ مار ماری کہ زمین و آسمان لرز اٹھے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں۔ فقتل منهم خلقا كثيرا واسر من ملوكهم جماعة

ان میں بہت سے آدمی مارے گئے اور ان کے بادشاہوں کی ایک جماعت قید کر لی گئی۔

جس میں سے ابن کثیر نے مقدم الابطار، صاحب الرملہ، صاحب طبریا اور صاحب قسطلان یافا کے نام لئے ہیں۔ ان ملوک کے علاوہ تین سو اور دوسرے بڑے سردار بھی اس لڑائی میں قیدی بنے۔ قیدیوں میں عملین کا بالیان اور ریمند امیر طرابلس بھی تھا۔[۱] ابن کثیر جز ۱۲، ۳۰۲

ابن اثیر نے، ابن بیرزان صاحب الرملہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بادشاہ یروشلم کے بعد عیسائیوں کا سب سے بڑا شہزادہ تھا۔ صرف اس شخص نے اپنی رہائی کے لئے ایک لاکھ پچاس ہزار اشرفیاں صلاح الدین کے حضور پیش کیں۔ اسی طرح دوسرے بڑے لوگوں نے بھی زر فدیہ ادا کر کے رہائی پائی۔[۲] ابن اثیر جز ۱۱، ۲۰۲ / ابن کثیر جز ۱۲، ۳۰۲ / ابن خلدون جز ۵، ۲۹۴

یہ بڑی فتح وقعۃ الرملہ سے کہیں زیادہ بڑی اور کہیں عظیم تھی۔ وقعۃ الرملہ میں صرف صلاح الدین نے ہزیمت اٹھائی تھی۔ اس میں صرف ایک شہزادہ شہید ہوا تھا اور فقیہ الہکاری قید ہوئے تھے۔ مگر اس میں صلاح الدین نے تین سو بڑے آدمیوں کو پکڑا۔ جن میں سے ایک بڑا تو بادشاہ کے بعد دوسرے نمبر پہ تھا۔

اس فتح میں نہ صرف بڑے آدمی قیدی ہوئے۔ مسلمانوں کو بے شمار مال غنیمت بھی ہاتھ آیا اور صلاح الدین کی شخصیت اس قدر بڑھ گئی کہ عیسائی اس کے نام سے ڈرنے لگے۔

لین پول اعتراف کرتا ہے کہ یہ اس بڑی فتح کا اثر تھا کہ جب سلطان ۱۱۸۰ء کے موسمِ بہار میں خشکی اور سمندر کے رستے، سواحلِ شام پر دوبارہ اترا۔ تو بالڈون بادشاہِ یروشلم نے اس سے مقابلہ کرنے کی بجائے، اس کے حضور بے شمار تحائف نذر کر کے اس سے مصالحت کی درخواست کی۔ سلطان نے اسے قبول کیا اور دو سال کے لئے یروشلم پر حملہ آور نہ ہونے کی بات مان لی[1]۔

لین پول ۱۹۰

ہم نے لین پول کی یہ شہادت محض اس لئے پیش کی ہے کہ اندازہ ہو سکے کہ صلاح الدین کی شخصیت سیاسی لحاظ سے اس دور میں کس قدر بلند ہو گئی تھی۔

لین پول کا بیان ہے کہ وہ ایشیائے کوچک کے بادشاہوں میں سب سے بڑا مانا جانا تسلیم کر لیا گیا تھا۔ موصل، بادشاہِ آرمینیہ، بادشاہ قونیہ، بادشاہ جزیرہ، اربل، کیفا اور ماردین سب نے اس کی بزرگی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سب اسے اپنے میں سے بہتر جانتے اور کسی قسم کے باہمی نزاع کے وقت اسے اپنا حاکم بناتے۔ اس لئے کہ ان میں سے قریب قریب ہر شخص نے صلاح الدین سے خم ٹھونک کر مقابلہ کر کے اس کی سیاسی برتری کا ذاتی مشاہدہ کیا تھا۔ قونیہ کے بادشاہ قلیج ارسلان نے تو ابھی حال ہی میں اس سے شکست کھائی تھی اور یہ شکست بھی ابن کثیر کے الفاظ میں بہت عجیب[2] تھی۔

ابن کثیر ۱۰۲

اس شکست سے پہلے بادشاہ قونیہ یا بلادِ روم کو صلاح الدین کی عظمت کا احساس نہ تھا۔ اس نے صلاح الدین کو ایک عام بادشاہ سمجھ کر قلعہ رعبان پر جو کبھی متنازعہ فیہ تھا اور اب صلاح الدین کی قلمرو کا ایک حصہ تھا۔ بیس ہزار سپاہی بھیج دیئے اور خیال کیا۔ کہ صلاح الدین اس بڑی فوج سے مرعوب ہو کر قلعہ رعبان سے اپنا قبضہ ہٹا لے گا۔ سلطان صلاح الدین نے مرعوبیت کی بجائے تاریخ حرب میں ایک نرالی مثال قائم کی: اس نے اپنے بھتیجے تقی الدین عمر کو صرف آٹھ سو سوار دے کر بیس ہزار قونیوں سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ تقی الدین عمر نے انہیں نہ صرف خوفناک ہزیمت دی۔ ان میں سے ہزاروں مار ڈالے

اور ان کے سارے سامانِ حرب پر قبضہ کر لیا۔[1] غالباً یہی سبب تھا کہ جب قلیج ارسلان اور کیفا کے نور الدین میں باہمی نفاق پیدا ہوا تو صلاح الدین نے صاحبِ کیفا کے حلیف ہونے کے سبب قلیج ارسلان کو دھمکی دی۔ کہ اگر اُس نے بات بڑھائی تو وہ اپنی فوج کے ساتھ اس کے ہاں پہنچ جائے گا۔ اس نے یہ محض دھمکی نہ دی تھی۔ وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ حلب ہوتا ہوا، قونیہ کی طرف پوری قوت سے بڑھا۔ قلیج ارسلان کو معلوم تھا۔ صلاح الدین سے مقابلہ آسان نہیں ہے۔ اس لئے اس نے اس کے حضور سفارت بھیج کر مصالحت کر لی۔

اسی زمانہ میں صلاح الدین نے آرمینیہ پر بھی یلغار کی تھی اور آرمینیہ کے تاجدار نے بھی اس کی سیاسی برتری کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔[2]

---

[1] ابن خلدون جز ۵ - ۲۹۷ [2] ابن کثیر جز ۱۲ - ۳۰۵

دامن پھیلا

دامن پھیلا

دامن پھیلا

یروشلم کے عیسائیوں اور موصل، قونیہ اور حلب اور ماردین کے تاجداروں سے دو سال کی مصالحت کر لینے کے بعد صلاح الدین مصر لوٹ گیا تھا اور مصر کے نظم و نسق کو سنوارنے، اور عمارتیں بنانے میں ہمہ تن مشغول تھا کہ حلب کے نوعمر بادشاہ الصالح اسماعیل کی موت کی اچانک خبر آئی، بے چارہ الصالح اسماعیل قلعہ حلب میں رہتا رہتا پچیس رجب ۵۷۶ھ کو بیمار پڑا

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ان سے کہا گیا کہ امیر علم الدین سلیمان بن حیدر نے اسے شکار کے دوران میں کوئی زہریلی چیز کھلا دی تھی۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ یاقوت الاسدی نے یہ فعل کیا تھا۔ بہر حال وہ اس زہر کے اثر سے قولنج میں مبتلا ہوا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں وہ اس قدر نیک تھا کہ اس بیماری کے دوران میں بعض اطبا نے اس سے کہا۔ شراب کا استعمال کرے مگر اس نے اپنی نیکوکاری کے سبب، شراب کا استعمال مناسب نہ سمجھا[1]

مرنے سے پہلے اس نے اپنے چچازاد بھائی عزالدین صاحبِ موصل کو اپنا جانشین بنانے کی ہدایت کی۔ عزالدین صاحبِ موصل ابھی چند ماہ پہلے اپنے بھائی سیف الدین غازی صاحب موصل کی موت پر اس کا جانشین ہوا تھا۔ ہمت والا آدمی تھا۔ اس لئے الصالح نے اس کی سفارش کی۔ حلب والے عزالدین سے خوب متعارف تھے۔ انہوں نے الصالح کی موت پر عزالدین کو حلب آنے کی دعوت دی اور جب وہ وہاں پہنچا تو اس کا خوب استقبال کیا اور تمام خزائن و

[1] ابن کثیر جز ۱۲ ص ۳۰۳
ابن اثیر جز ۱۱ ص ۱۶۸

اموال اس کے سپرد کر دیئے۔

عزالدین حلب میں کئی مہینے ٹھیرا۔ اس دوران میں اس نے الملک الصالح کی ماں سے سیاسی شادی بھی کی۔ موت کے وقت الصالح انیس برس کا تھا۔ اس کی ماں کی عمر عزالدین کے نکاح میں آنے کے وقت پینتیس سال سے کسی طرح کم نہ تھی۔ بہرحال اپنی اس نئی دلھن کو جو نورالدین محمود جیسے تاجدار کی محبوبہ رہ چکی تھی ساتھ لے کر عزالدین حلب سے رقہ کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ رقہ ہی میں تھا کہ اس کے بھائی عمادالدین زنگی نے جو سنجار کا والی تھا۔ اس سے مطالبہ کیا وہ حلب کا تبادلہ سنجار، خابور، رقہ، نصیبین اور سروج وغیرہ سے کر لے۔ اس کا اصرار بہت بڑھا تو عزالدین کو بھائی کی بات مان لینی پڑی۔[1]

یہ تبادلہ گو آئینی طور پر جائز تھا اور صلاح الدین کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اس تبادلے نے اسے بہت حد تک پریشان کر دیا تھا۔ خاص طور پر اس لئے کہ عمادالدین زنگی قابلِ اعتماد شخص نہ تھا اور یہی ہوا۔ ابھی صلاح الدین مصر سے چل کر دمشق آیا ہی تھا کہ اسے خبر ملی کہ عمادالدین زنگی نے اپنے بھائی عزالدین اور حلب کے دوسرے امرا کے ساتھ مل کر شاہِ یروشلم سے ایک معاہدہ کیا ہے کہ وہ سب صلاح الدین کے خلاف متحدہ لڑائی لڑیں گے۔[2]

یہ خفیہ معاہدہ صلاح الدین کے غصہ کو بھڑکانے کا سبب تو ہوا لیکن اس کے نزدیک معاہدہ شکنی چونکہ بہت بڑی خطا تھی۔ اس لئے اس نے ان میں سے کسی سے کوئی باز پرس نہ کی۔ البتہ یروشلم کے عیسائیوں کو سزا دینے کے لئے اس نے اپنے دو بھتیجوں فرخ شاہ اور تقی الدین عمر کو حکم دیا کہ فلسطین پر چڑھ جائیں۔

اس یلغار سے مقصود تنبیہ بھی تھی اور خفیہ معاہدہ کے زور کو کم کرنا بھی مطلوب تھا۔ پہلے فرخ شاہ روانہ ہوا۔ اس نے دریائے اردن کو لبیان کے قریب عبور کر کے حصن کوکب کی طرف یلغار کی۔ یہیں تقی الدین عمر بھی اس سے آن ملا اور دونوں ایک ساتھ مل کر آگے کی طرف بڑھے۔ حصنِ کوکب کے قریب، عیسائی فوجوں اور ان دونوں کی سپاہ میں بڑا

۱۔ ابن اثیر جز ۱۲ ص ۳۰۸-۳۰۹

۲۔ لین پول ص ۱۶۴

سخت مقابلہ ہوا۔ دشمن کی کثرتِ تعداد، صلاح الدین کو بھی موقعہ پر لے آئی تھی۔ اس کی تشریف آوری نے صورتِ حال بدل ڈالی اور دشمن ہزیمت اٹھا کر پسپا ہوا اور صلاح الدین کامیاب و کامران دمشق لوٹا۔

جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا۔ اس فوج کشی سے مقصود یروشلم اور صاحبِ موصل کے باہمی معاہدہ کو ضعف پہنچانا تھا۔ صلاح الدین نے یہ مقصد پا لیا تو اس نے ایک نیا محاذ کھولا، اور بیروت پر حملہ آور ہوا۔ اس نے بیروت کا محاصرہ دو طرف سے کیا تھا۔ ایک خشکی کی طرف سے اور دوسرا سمندر کی طرف سے، اس کے بحری بیڑے نے اس کا پورا ساتھ دیا تھا مگر بیروت کی چہار دیواری اس قدر مضبوط تھی کہ صلاح الدین اسے فتح نہ کر سکا یہی دن تھے۔ جبکہ فریق ثانی سے کئے ہوئے معاہدہ کی مدت ختم ہو گئی اور حران کے اتابک مظفر الدین اور صاحبِ کیفا نور الدین اور موصل و جزیرہ کے دوسرے سرداروں نے اس سے اپیل کی کہ جزیرہ آئے اور انہیں عز الدین سے نجات دلائے۔

لین پول کا بیان ہے کہ جزیرہ اور موصل کے عوام و خواص، عز الدین سے سخت نالاں تھے۔ ان کا جی چاہتا۔ صلاح الدین وہاں آئے اور انہیں اپنے دامنِ کرم میں پناہ دے۔ صلاح الدین کا کارواں جب حلب سے ہوتا دریائے فرات پر سے گزر کر، جزیرہ کی سرحد میں داخل ہوا تو نہ صرف حران کے اتابک اور کیفا کے والی نور الدین نے اس کا خیر مقدم کیا۔ بلکہ جزیرہ کے عوام نے اس کی کامیابی کے لئے دعائیں کیں۔

ابن خلدون کہتے ہیں: صلاح الدین نے فرات عبور کرنے کے بعد سب سے پہلے البیرہ کا رخ کیا۔ البیرہ سے اس نے آس پاس کے جاگیرداروں سے نامہ و پیام کیا۔[۱]

[۱] ابن خلدون جزء ۵ ۲۹۸

اس نامہ و پیام کا اثر ہوا اور بہت سے جاگیردار اس سے مل گئے۔ نور الدین محمود اس کا بہت ہی خواہ تھا۔ یہ وہی تھا جس نے اسے جزیرہ آنے کی دعوت دی تھی۔ جیسے ہی صلاح الدین کی سواری اس طرف آئی۔ وہ بھی اس سے آن ملا اور اس کے ساتھ ہو کر الرہا پر چڑھائی کی

یہ وہی قلعہ ہے جو کسی زمانہ میں عیسائیوں کی ملکیت تھا۔ عماد الدین زنگی نے بڑی سخت لڑائی کے بعد اسے عیسائیوں سے چھینا تھا۔ یہ اس نواح کا مضبوط ترین قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی حصار اونچی، اور آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے حاکم امیر فخر الدین نے صلاح الدین سے خوب جم کر لڑائی کی۔ لیکن آخر میں صلاح الدین کے غیر معمولی عزم و استقلال نے فخر الدین کی گردن جھکا دی۔

المسایا پر قبضہ کے بعد صلاح الدین نے اسے اپنے حلیف مظفر الدین کے سپرد کر دیا ابن اثیر و ابن خلدون فرماتے ہیں کہ مظفر الدین سے صلاح الدین نے الرہا کے محاصرہ سے پہلے اس بات کا عہد کیا تھا کہ اگر اس نے الرہا پر فتح پائی تو اسے مظفر الدین کے سپرد کر دے گا الرہا، مظفر الدین کے سپرد کر کے صلاح الدین نے اسی عہد کو نباہا۔ اس نے الرہا کو مظفر الدین کو سونپ کر خود رقہ کی راہ لی۔ؔ

ؔ ابن اثیر جز ۱۱ ۱۸۱

ابن خلدون جزء ۹۷

رقہ بھی گو ایک مضبوط قلعہ تھا۔ لیکن اس کے قلعدار نے الرہا کے انجام کے پیش نظر مدافعت پسند نہ کی اور شہر اور قلعہ دونوں اہل ان کے رہنے والوں کے سپرد کر کے خود راہِ فرار اختیار کی۔ صلاح الدین رقہ آیا تو وہاں کے لوگوں نے اسے خوش آمدید کہا اور خود کو اس کے رحم و کرم کے سپرد کر دیا۔

رقہ سے صلاح الدین قبر قیسا، ماسکین اور عربان آیا، یہ سارے قلعے بڑی آسانی سے مفتوح ہو گئے۔ آخر میں اس نے نصیبین پر چڑھائی کی۔ شہر نے ہتھیار نہیں اٹھائے البتہ قلعہ چند دن تک اطاعت قبول کرنے پر تیار نہ ہوا۔ بعد میں اس نے بھی شہر کی پیروی کی۔

نصیبین جزیرہ کا آخری شہر تھا۔ اس پر قبضہ کرنے سے سارا جزیرہ صلاح الدین کی قلمرو میں شامل ہو چکا تھا۔ اب موصل باقی تھا۔ صلاح الدین کے حلیفوں کی رائے تھی۔ صلاح الدین، موصل پر اسی وقت حملہ آور ہو جائے۔ اس نے ان کی بات مان لی، اور موصل آیا۔

صلاح الدین کے موصل آنے سے پہلے ہی عزالدین نے یہ جان لیا تھا کہ صلاح الدین موصل پر حملہ آور ہوگا۔ اس لئے اس نے موصل میں نہ صرف خوب فوج جمع کر لی تھی۔ ہر طرح کا اسلحہ اور سامانِ خوراک بھی بھر لیا تھا کہ محاصرہ کے وقت کام آئے۔

موصل کا محاصرہ شروع ہوا۔ طرفین میں لڑائیاں بھی ہوئیں مگر نہ موصل کی شہر پناہ نے کمزوری دکھائی اور نہ محصورین کے دل ٹوٹے۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ محاصرہ کی ہر شدت کے باوجود عزالدین کے پندار میں پہلے سے بھی اضافہ ہو گیا تھا اور جب خلیفہ عباسی الناصر کی طرف سے، طرفین کو، آپس میں مصالحت کرنے کی ہدایت ہوئی تو بھی، عزالدین نے جھکاؤ پر میلان ظاہر نہیں کیا۔ اس نے صاف الفاظ میں صلاح الدین سے کہہ دیا۔ ہم اس وقت مصالحت کریں گے۔ جب آپ ہمارے تمام مقبوضات ہمیں واپس کر دیں گے[1]

صلاح الدین اس پر آمادہ نہیں ہوا۔ اس کی طرف سے صرف ایک مطالبہ تھا۔ یا حلب ہمیں دے دو یا موصل، دونوں طرف سے جھکاؤ نہ ہونے کی صورت میں مصالحت کی ناکامی لازمی تھی۔ مصالحت ناکام ہو گئی تو لڑائی پھر چھڑ گئی۔ مگر یہ لڑائی بھی بے نتیجہ رہی۔ اور صلاح الدین کو محاصرہ چھوڑ کر سنجار کا رُخ کرنا پڑا۔ سنجار کے لوگ صلاح الدین سے لڑے لیکن آخر میں اطاعت قبول کر لی۔ سنجار سے صلاح الدین حران آیا۔ پھر ماردین پہنچا اور چند دن وہاں رہ کر، آمد پر چڑھائی کی۔ آمد بڑا مشہور مقام تھا اور اس کا مضبوط قلعہ تو استحکام و مضبوطی میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس لئے صلاح الدین جب وہاں پہنچا تو اُس کے قلعدار ابن بیان نے محصور ہونا پسند کر لیا۔ صلاح الدین سے اس نے کئی لڑائیاں بھی لڑیں اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ابنِ بیان کو ضد تھی۔ وہ صلاح الدین کے سامنے نہیں جھکے گا۔ لیکن محاصرہ کی شدت جیسے جیسے بڑھتی گئی۔ شہر والے حوصلے ہارتے گئے۔ انہیں ابن بیان سے نہ کوئی عقیدت تھی اور نہ کوئی دلی لگاؤ۔ انہوں نے محاصرہ کو طول پکڑتے دیکھا تو مصالحت کی راہیں سوچنے لگے

[1] الجلد ۱۱ ص ابن اثیر ۲۹۹

ابن خلدون فرماتے ہیں۔ آمد کے رہنے والے ابن میسان کی بُری عادتوں اور ظالمانہ حرکات سے بہت نالاں تھے۔ انہوں نے صلاح الدین کی آمد کو غنیمت سمجھا اور تین دن کے اندر اندر، ابن بیسان سے کنارہ کشی کر کے صلاح الدین کی طرف مائل ہو گئے۔

ابن بیسان کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے بھی ہتھیار رکھ دیئے اور صلاح الدین سے درخواست کی۔ تین دن کی مہلت دے۔ تاکہ وہ وہاں سے اپنے بال بچوں کو لے کر نکل جائے۔

صلاح الدین نے اُسے نہ صرف تین دن کی مہلت دے دی۔ اسے اپنے ساز و سامان کو منتقل کرنے کی اجازت بھی عطا فرما دی۔ بلکہ اپنی طرف سے بہت سے مزدور اور بوجھ اٹھانے والے جانور بھی دیئے[1] (1) ابن خلدون جلد ۵ ۳۰۰

اس شہر پر تین دن کے بعد جب صلاح الدین کا قبضہ ہوا تو اس نے اسے اسی وقت نورالدین محمود کے سپرد کر دیا۔ نورالدین محمود اس کے حاکم کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا اور شاہی محلات کے ذخائر کی خبر صلاح الدین کو کی اور اس سے درخواست کی کہ یہ ذخائر اٹھوا لے۔ صلاح الدین بڑا امیر اور سیر چشم تھا۔ اس نے نورالدین کی اس پیش کش کا جواب دیا۔ (2) ابن اثیر جلد ۱۱ ۱۵۵

جب ہم نے تمہیں اصل چیز ہی دے دی تو اُس کی شاخوں کو لے کر کیا کریں گے
خدا تمہیں مبارک کرے۔

نورالدین کو آمد سپرد کر دینے کے بعد صلاح الدین، تل خالد اور عتاب آیا۔ یہ دونوں مقام حلب کے نواح میں تھے۔

پھر حلب کی باری آئی۔

جیسے کہ ہم نے پیچھے عرض کیا۔ حلب پر قبضہ کرنے کی خواہش صلاح الدین کو بہت دنوں سے تھی مگر محض الصالح اسماعیل کے سبب وہ اس سے مانع رہا۔ ابھی جب وہ موصل کا محاصرہ

کئے پڑا تھا۔ اس نے عزالدین سے دو مطالبے کئے۔ یا موصل دے دو یا حلب۔

مگر یہ حلب، عزالدین کے پاس نہ تھا۔ وہ اپنے بھائی عمادالدین کو سنجار کے بدلہ میں دے چکا تھا اور اس پر صلاح الدین نے حال ہی میں قبضہ کیا تھا۔

ابنِ اثیر اور ابن خلدون فرماتے ہیں کہ صلاح الدین اس بار جب حلب پہنچا تو وہ کئی دن تک میدان اخضر میں پڑا رہا۔ پھر جبلِ جوشن پر ڈیرے ڈالے اور کچھ اس قسم کا مظاہرہ کیا کہ حلب والے یہ یقین کر لیں کہ صلاح الدین حلب کے سامنے سے کبھی ہٹے گا نہیں، وہیں مستقل طور پر رہنے لگے گا۔

اس مظاہرہ کے ساتھ ساتھ اس نے شہر کے محاصرہ میں خوب شدت برتی۔ گو شہر کی فوج شہر پناہ سے باہر نکل کر سلطان سے کئی بار لڑ چکی تھی لیکن یہ مسلّمہ حقیقت تھی کہ شہر کا والی عمادالدین، صلاح الدین کے مقابلہ میں زیادہ دن ٹھیر نہ سکتا تھا۔ نہ تو وہ کوئی جری اور حوصلہ مند فرمانروا تھا اور نہ شہر کے لوگ ہی اس کے ہمدرد تھے۔ شہر کے لوگ تو اس پر پھبتیاں کستے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ اسے بیرونی آدمی سمجھتے تھے۔ جو بیگار کے طور پر ان پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب محاصرہ نے طُول کھینچا تو عمادالدین زنگی نے سوچا کیوں بات بڑھائے۔ اس نے اپنے آدمی صلاح الدین کے پاس بھیجے کہ ہمیں ہمارا سنجار اور اس سے ملحقہ علاقے پھر دے دیجئے۔ ہم آپ کو حلب دے دیں گے۔

سنجار، نصیبین، خابور، رقہ اور سروج وہ مقامات تھے جو صلاح الدین نے ابھی ابھی فتح کئے تھے۔ صلاح الدین نے یہ سارے مقامات اسے واپس کر دینے کی بات مان لی۔[ھ] یہ صفر ۵۷۹ھ ہجری کی اٹھارویں تاریخ تھی۔ جب عمادالدین زنگی جس کا نام تو عمادالدین تھا مگر جس میں مرحوم عمادالدین کا کوئی بھی وصف نہ تھا۔ حلب سے نکل کر اس کے ملحقہ میدان میں پہنچا۔ حلب کی فوج بھی باہر آئی اور صلاح الدین کی خدمت میں سلامی دی۔

ابنِ اثیر فرماتے ہیں کہ حلب کے لوگوں نے اس موقع پر عمادالدین پر خوب پھبتیاں کسیں

ھ ابن اثیر ج ۱۱: ۱۲۸، ابن خلدون ج ۵: ۱۲، ابن شداد ۳۲، کتاب الروضتین ۲۰۱

طعنے دیئے کہ اس نے حلب جیسا بڑا شہر دے کر چند بستیاں اور چند کھیت عوض میں لے لئے۔
حلب کے بعض ستم ظریفوں نے تو اس کا اس حد تک مذاق اُڑایا کہ کسی دھوبی کی ناند
اٹھا لائے اور اس میں پانی بھر کر اس کے سامنے رکھ کر شور مچانے لگے۔

"یہ لو اور کپڑے دھویا کرو۔ تم بادشاہت کے اہل نہ تھے۔ تمہارا کام کپڑے دھونا ہے"[۱] ابن اثیر جز ۱۱ ص ۱۸۰

ابن اثیر نے یہ قصہ بیان کرتے ہوئے ایک دردناک داستان بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

عماد الدین نے مصالحت کی خوشی میں صلاح الدین کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کی تھی۔ صلاح الدین اور اس کے امرا اس دعوت کے مزے لُوٹ رہے تھے کہ اچانک ایک خواجہ سرا نے حاضری دی اور صلاح الدین کو اطلاع کی۔ اس کے بھائی تاج الملوک بوری اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ تاج الملوک بوری اس محاصرہ میں زخمی ہوئے تھے۔ صلاح الدین نے ان کے زخم آپ دھوئے تھے اور پھر جب حلب والوں سے اس کی مصالحت ہوئی۔ تو وہ مصالحت کی خبر لے کر ان کے پاس خود حاضر ہوا تھا اور بڑی خوشی سے کہا تھا۔ ہم نے حلب لے لیا۔ یہ میری طرف سے آپ کی نذر ہے۔ صلاح الدین کو زخموں کی شدّت کا علم نہ تھا مگر بوری جانتے تھے کہ زخم کتنے مہلک ہیں، انہوں نے بڑی حسرت سے جواب دیا تھا۔

"ہم اگر زندہ رہے تو؟"

صلاح الدین نے انہیں تسلّی دی تھی اور آنسو بہائے تھے۔ لیکن اس وقت جب خواجہ سرا یہ دردناک خبر لے کر اس کے پاس آیا تو اس نے نہ آنسو بہائے نہ واویلا کیا۔ اس نے اپنے سوا کسی دوسرے کو علم تک نہ ہونے دیا کہ اس کا دل اندر سے کٹ چکا ہے۔ ایضاً

صلاح الدین کا یہ انتہائے ضبط اور صبرِ جمیل تھا۔ وہ اپنے غم کو ظاہر کر کے دوسروں کے قہقہوں کو سلانا اور انہیں سوگوار بنانا نہ چاہتا تھا۔ ابن اثیر جز ۱۱ ص ۱

ابن کثیر کا بیان ہے کہ صلاح الدین ۲۷ صفر کو حلب کے قلعہ میں داخل ہوا۔ وہ جب اس کے دروازہ میں پہنچا تو اس نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ قل اللھم مالک الملک"

پھر جب شاہی محل میں پہنچا تو پڑھا

وادرثکم ارضھم ودیارھم واموالھم

مقام ابراہیم قریب آیا، تو قبلہ رو ہو کر کھڑا ہو گیا اور دو رکعت نماز پڑھی، اس نے بڑے لمبے لمبے سجدے کئے اور اپنی پیشانی، خدا کے حضور بہت دیر تک رگڑی۔ وہ خوب رویا۔ وہ سجدوں میں روتا رہا۔ لیکن جب سلام پھیر کر اٹھا اور شعرا نے اس کے حضور تہنیتی قصیدے پڑھے تو اس کا چہرہ دمک اٹھا تھا اور آنکھوں سے مسرت کی شراب چھلک رہی تھی۔[ا]

ابن کثیر جز ۱۲ ۳۱۳

اس دن بڑی خوشیاں منائی گئیں، جشن ہوئے، لوگوں کو انعامات ملے، غریبوں پر روپوں کی بارش ہوئی اور امرا نے خلعت ہائے فاخرہ پائیں۔

اس دن کی خوشی میں اس نے حلب، جزیرہ، مصر اور شام کے عوام کو بھی شریک کر لیا تھا۔ انہیں اس نے جو خوشی عطا کی، وہ محض وقتی نہ تھی۔ دائمی تھی۔ اس نے ان سب کو ہر قسم کی چنگی اور محاصل معاف کر دیئے تھے۔[ے]

ابن کثیر جز ۱۲ ۳۱۳

ابن کثیر کہتے ہیں کہ اسی دن فقیہ مجد والدین الشافعی نے ایک عجیب پیش گوئی کی تھی کہ آپ بیت المقدس بھی فتح کریں گے اور یہ فتح رجب میں ہو گی۔

لین پول حلب کی فتح کا ذکر کرنے کے بعد کہتا ہے کہ حلب کی فتح سے سلطان کا دامن ایک طرف سلطان قونیہ کی سرحدوں تک اور دوسری طرف سے طرابلس الغرب تک پھیل چکا تھا۔ وہ اب مسلمانوں کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ مصر، شام، حلب، جزیرہ اور دیار بکر اس کے تابع فرمان تھے۔ وہ جب پاپائے روم کو خط لکھتا تو خود کو مشرق کے بادشاہوں کا بادشاہ لکھتا تھا۔[۳]

لین پول ۱۵۰-۱۵۱

درحقیقت وہ ایسا ہی تھا۔ مصر، شام، حلب، جزیرہ اور حتیٰ کہ بغداد کی مساجد میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا اور کوئی ایسا نہ تھا جو اس وسیع قلمرو میں اس کی عظمت و بڑائی کو چیلنج کر سکتا۔

لیکن اس عظمت و بزرگی کے باوجود وہ خود کو خلیفہ بغداد کا ایک ادنیٰ خادم سمجھتا۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ جب بھی وہ کوئی نیا کام کرتا۔ یا کوئی نئی فتح اسے حاصل ہوتی، یا وہ کوئی فوج لے کر دشمن کے ملک پر چڑھائی کرتا تو خلیفہ الناصر کو ادباً، احتراماً، وطاعۃً واحتشاماً لازمی اطلاع دیتا[1]۔

خلیفہ الناصر لدین اللہ، ابی العباس، احمد بن المستنضیٔ بامر اللہ، سلطان کے بڑے دوستوں اور مربیوں میں سے تھے۔ صلاح الدین ان کا بڑا احترام کرتا اور وہ اسے بہت پسند کرتے۔ خلیفہ الناصر ستر سال جئے۔ انہوں نے ۴۷ یا ۴۶ سال حکومت کی۔ ۲۲ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھے۔ ۵۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۲۲ھ میں وفات پائی[2]۔

---

[1] ابن کثیر جز ۱۲ - ۳۱۴ - ابن اثیر جز ۱۱ - ۱۶۸ - ۱۶۹ -

سب سے بڑا کام

یروشلم سے جہاد

پہلے سے بڑا حملہ

یروشلم کے عیسائی

نئے ولولے

فیصلہ کن لڑائی

طبریہ کے بعد

بیت المقدس میں

صور کا محاصرہ

صور کے بعد

پھر میدانِ جنگ میں

یروشلم سے جہاد

حلب کی فتح کے بعد، اس نے حلب کو اپنے بیٹے، الملک الظاہر کے سپرد کیا۔ اور خود دمشق آیا۔ اس دن سے دمشق اس کا پایہ تخت بنا۔ اس دن سے اس نے دمشق کو مرتے دم تک نظر انداز نہیں کیا۔ وہ نہ قاہرہ واپس گیا اور نہ اس نے حلب کو پایہ تخت بنانے کی کوئی سعی کی۔

دمشق، اسے بہت پسند تھا۔ یہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔ یہاں وہ جوان ہوا تھا اور یہیں اس کی شاہی نے عظمت کا ہر نشان پایا تھا اور یہیں بیٹھ کر اس نے دنیائے عیسائیت کے خلاف جہادِ عظیم کے نعرے بلند کئے۔

لین پول کہتا ہے کہ اس زمانہ میں جب سلطان حلب اور جزیرہ کی فتح میں مصروف و مشغول تھا، یروشلم کے عیسائی بہت دلیر ہو گئے تھے۔ وہ کئی بار دمشق کے نواح میں آن پہنچے تھے اور خوب لوٹ مار مچائی تھی۔ فصلیں تباہ کر دی تھیں۔ بستیوں میں آگ لگا دی تھی۔ یہی کچھ کم نہ تھا کہ کرک کے ریجنالڈ نے مورخ ابن جبیر کے بیان کے مطابق جو کوئی بڑا بادشاہ نہ تھا۔ ایک بڑی خوفناک جرأت کی۔ اس نے کرک میں بیٹھ کر کچھ ایسے جہاز بنائے جنہیں بوقتِ ضرورت ٹکڑے ٹکڑے کیا جا سکتا۔ وہ جب یہ جہاز بنا چکا تو ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بدوؤں کے سروں پر لادا اور بحرِ قلزم کے ساحل پہلے آیا وہاں یہ ٹکڑے پھر جوڑے گئے۔ اس نے ان میں اپنی فوج بھری اور ساحل ساحل چلتا عرب ساحل پر جا پہنچا۔ رستہ میں اس نے حاجیوں کے ایک جہاز پر چھاپہ مارا، اسے لوٹا اور حاجی

ع ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۱۳۸، ابن کثیر جلد ۱۲ ص ۳۱۴

۵ لین پول ۱۵۲

۶ سفرنامہ ابن جبیر باب سیاحت سکندریہ

قتل کر دیئے۔ اس نے عیذاب پر بھی ایک جہاز لوٹ لیا تھا۔ یمن کے دو اور جہازوں پر بھی حملہ آور ہوا۔ جو جدّہ پہنچ چکے تھے۔

جدّہ سے ریجنالڈ الحورا پہنچا۔ مگر ابھی اس نے الحورا کا ساحل نہ چھوڑا تھا۔ ابھی اس نے خشکی پر پاؤں نہ رکھے تھے کہ صلاح الدین کا مصری بیڑا خدا کی عظمت و بڑائی کے گیت گاتا الحورا کے ساحل پر نمودار ہوا۔

ابن جبیر فرماتے ہیں۔ اس بحری بیڑہ کی قیادت امیر البحر لولو کے سپرد تھی اور کچھ عجیب بات تھی کہ حالانکہ اسے ریجنالڈ کی روانگی کی خبر بہت بعد میں ملی تھی۔ لیکن وہ اپنے جہازوں کو ہوا کی طرح اڑاتا، اس تیزی سے اس کے تعاقب میں چلا تھا کہ ریجنالڈ ابھی اپنے فاسد ارادوں کی تکمیل کے لئے خشکی پر نہ اترپایا تھا کہ اس نے اسے آن پکڑا۔

بزدل عیسائی سپاہی اور ریجنالڈ، اس غیر متوقع بحری حملہ کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ وہ سمجھے تھے۔ جب تک وہ الحورا سے اتر کر مکہ اور مدینہ نہ پہنچ جائیں گے اور اپنے فاسد ارادے پورے نہ کر سکیں گے، اس وقت تک صلاح الدین یا اس کے کسی نائب کو ان کے سفر کی خبر نہ ہوگی۔ انہوں نے اپنے اس سفر کو بڑے اخفا کے ساتھ شروع کیا تھا۔

جب اچانک انھوں نے مصری بحری بیڑے کو الحورا کے ساحل کے قریب آتے دیکھا تو جہازوں سے اتر کر ساحل پر آئے اور الحورا کے قریب کے پہاڑوں میں جا چھپے۔

امیر البحر لولو نے جلد جلد جہاز ساحل پر پہنچائے اور بدوؤں سے گھوڑے مستعار لے کر ان بھگوڑوں کا تعاقب کیا۔ اس نے انہیں غار رودباغ میں جا لیا اور ایک ایک کو اس طرح مارا جیسے وہ محض جانور تھے۔ اس نے ان میں سے کچھ کو بچا لیا کہ مکہ میں بھیج کر وادی منیٰ میں بھیڑوں اور بکریوں کی طرح ذبح کرائے۔ کچھ کو اس نے اسکندریہ خلدون جزء ۲۰

اور مصر بھیجا تاکہ مصری جان سکیں یہ کون بہادر تھے جو مکہ و مدینہ پر صلاح الدین کے ہوتے ہوئے حملہ آور ہوئے تھے۔

ابن جبیر اس زمانہ میں اسکندریہ میں تھے جب ان بہادر سورماؤں کی نمائش امیر البحر لولو نے اسکندریہ میں کی[1]

بہر نوع دمشق کے نواح میں لوٹ مار ہی کوئی کم جرم نہ تھا کہ کرک کے ریجی نالڈ نے اتنی بڑی جرات کر کے صلاح الدین کی غیرت کو کھلا چیلنج دیا۔ وہ حلب سے فراغت پاتے ہی دمشق آیا۔ وہاں بہت تھوڑی مدت ٹھیرا اور فوج کو ساتھ لے کر یکم جمادی الاخری ۵۷۹ھ کو یروشلم کی سمت روانہ ہوا۔ اس نے چند دن بعد دریائے اردن کو عبور کیا اور الفورہ کو تاخت و تاراج کرتا بیسان[2] پہنچا۔ وہ جب وہاں پہنچا تو بیسان کے باشندے شہر خالی کر کے کہیں بھاگ گئے تھے۔ اس نے فوج کو اجازت دی کہ شہر لوٹ لے۔ شہر لوٹنے اور آس پاس کے علاقہ کو پامال کرنے کے بعد اس نے عین جالوت پر چھاؤنی ڈالی۔ وہ خود یہیں ٹھیرا اور تیز رفتار اور قوی ہیکل سواروں پر مشتمل ایک دستہ آگے بھیجا۔ جس نے دشمن کے علاقہ میں خوب لوٹ مار کی۔ بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور سینکڑوں کو پکڑ لائے[3] صلاح الدین کی اس یلغار کی خبر یروشلم کے بادشاہ کو بھی ہو گئی تھی۔ اس نے مدافعت کے لئے ایک بڑی فوج بھیجی۔ یہ فوج الفورہ کے میدان میں صلاح الدین کے سامنے صف آرا ہوئی۔

اس وقت تک فلسطین میں صلاح الدین کے ساتھ جتنی لڑائیاں ہوئی تھیں۔ ان میں اتنے عیسائی کبھی شریک نہ ہوئے تھے جتنے کہ اس موقعہ پر اس سے لڑنے کے لئے آئے تھے۔

لین پول کہتا ہے کہ اس سے پہلے فلسطین میں صلیبیوں کی اتنی فوجیں جنگ کے لئے جمع نہ ہوئی تھیں جتنی کہ اس وقت صف آرا تھیں۔ ایک ہزار تین سو مسیحی نائٹ اور پندرہ ہزار

[1] ابن جبیر سفرنامہ
[2] ابن ... ۴
[3] ابن ... ابن ۲ / ۴ ابن ... ۹

خوب مسلح پیدل فوج تھی۔ اس میں یورپ کے بہت اونچے خاندانوں کے افراد بھی شریک تھے۔ کئی نواب تھے۔ مثلاً ہنری بودیں، ہلیتی کارالف، ان کے علاوہ یروشلم کے قریب قریب سب چھوٹے بڑے بادشاہ، ریجی نالڈ، بالڈون، بالیان، والٹر، جوسلن اور ان کے امرا بھی بڑے ساز و سامان کے ساتھ صلاح الدین کا راستہ روکنے کے لئے اس میدان میں آن جمع ہوئے تھے۔

لین پول کے بیان کے مطابق: "دونوں فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ صلاح الدین کے پانچ ہزار سواروں نے سخت خونریزی کی مگر وہ عیسائیوں کے نیزہ برداروں کی صفیں منتشر نہ کر سکے۔"

۱ لین پول ۱۵۴

لین پول کے اس بیان کی تائید کسی اور عرب مورخ نے نہیں کی۔ ابن اثیر لکھتے ہیں :-

"فاجتمع الفرنج، وجاؤا الی قبالتہ فحین راوا کثرة عساکرہ لم یقدموا علیہ فاقام علیہم وقد استندوا الی جبل ہناک، وخندقوا علیہم فاحاط بہم وعساکر الاسلام ترمیہم بالسہام وتناوشہم القتال فلم یخرجوا واقاموا"۔ ۲

۲ ابن اثیر جز ۱۱ ص ۱۸۹

(فرنگی جمع ہوئے اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے اس کے سامنے آئے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس کی فوج بہت ہے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر لڑائی نہیں کی۔ وہ پہاڑوں کی اوٹ میں ہو گئے۔ انہوں نے اپنی چھاؤنی کے گرد خندقیں کھود لیں۔ سلطان نے یہ صورت حال دیکھ کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ لشکر اسلام ان پر تیروں کی بارش کرتا اور انہیں لڑائی پر مشتعل کرتا۔ مگر وہ ان خندقوں کے اندر سے باہر نہ آئے اور وہیں ٹھہرے رہے۔)

ابن خلدون نے بھی ابن اثیر ہی کے الفاظ نقل کر دیئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے گا:-

"فلما راوہ خاموا عن لقائہ واستندوا الی جبل وخندقوا علیہم، واقام یحاصرہم خمسة ایام ویستدرجہم لینزلوا فلم یفعلوا"۔ ۳

۳ ابن خلدون ج ۵ ص ۳۰۲

(جب انہوں نے اسے دیکھا تو اس سے ملنے سے کنارہ کشی کی اور پہاڑ کی اوٹ میں چھپ گئے

اپنے چاروں طرف خندق کھودلی - وہ وہاں آیا - ان کا پانچ دن تک محاصرہ کیا۔ اور انہیں مقابلہ پر اکسایا - مگر وہ مقابلہ پر نہ آئے

ابن کثیر کا بیان ان تینوں بیانات سے بہت الگ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

فقصدھم، وتصدیٰ لھم لعلھم یصافونہ، فالتقی معھم فقتل منھم خلقاً کثیراً، وجرح مثلھم فرجعوا ناکصین علےٰ اعقابھم خائفین منہ غایۃ المخافۃ ولا زال جیشہ خلفھم یقتل ویاسر حتیٰ اغزوا فی بلادھم ورجعوا عنھم"۔[1]

ابن کثیر ۱۲، ۳۱۳

ابن کثیر کے اس بیان کی رو سے، فرنگی جب اس سے لڑنے کے لئے جمع ہوئے تو وہ ان تک جا پہنچا اور اس نے ان کو اپنے سامنے صف آرا ہونے پر مجبور کر دیا۔ وہ صف آرا ہوئے تو ان میں سے بہت سے آدمی مارے گئے اور بے شمار زخمی ہوئے اس سے ان کے دلوں میں دہشت بیٹھ گئی اور وہ الٹے پاؤں بھاگ اٹھے صلاح الدین کی فوج ان کے پیچھے لگی رہی - اس نے اس تعاقب کے دوران میں بھی کتنوں کو قتل کیا اور کتنوں کو گرفتار، اور اس طرح ان کے ملک میں لڑتی واپس ہوئی

یہ بیان بہت واضح ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے بیان کو اس پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ خصوصیت سے لین پول کا بیان تو محتاج تصدیق بھی ہے اور اس سے جانب داری کی بو بھی آتی ہے -

بہر حال صلاح الدین کی اس فوج کشی سے کوئی بڑا مقصد تو حل نہیں ہوا، البتہ عیسائی متنبہ ہو گئے اور انہیں یہ پتہ چل گیا کہ انہیں ان کی چیرہ دستیوں اور گستاخیوں پر سزا دینے والے صلاح الدین کے بازو بہت مضبوط ہیں اور اس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ان کے گھروں تک پہنچ کے ان کی مزاج پرسی کر سکتا ہے -

---

پہلے سے بڑا حملہ

گو اس یلغار سے، عیسائیوں کو بڑا نقصان پہنچا تھا اور صلاح الدین نے ان کے بہت سے آدمی مار ڈالے تھے۔ لیکن اصل مقصد ابھی پورا نہ ہوا تھا۔ کرک کے گستاخ والی ریجی نالڈ کی مزاج پرسی ابھی باقی تھی۔ اسی لئے اس نے دمشق آتے ہی کرک پر چڑھائی کی تیاری کی۔ اس کا بھتیجا تقی الدین عمر اس کے پاس آچکا تھا۔ اس نے اپنے بھائی العادل کو جو مصر میں تھا۔ مصر سے شام آنے کا حکم دیا۔ اس کا خیال تھا۔ ان دونوں کی موجودگی میں وہ کرک پر کامیاب حملہ کر سکے گا۔

ابنِ خلدون فرماتے ہیں کہ صلاح الدین نے بھائی کا انتظار کئے بغیر کرک پر چڑھائی کر دی۔ مگر یہ چڑھائی کوئی مفید نتائج پیدا نہ کرسکی۔ کرک اس دور کا مضبوط ترین قلعہ تھا۔ اس کی دیواریں بڑی مضبوط چٹانوں سے بنی تھیں۔ صلاح الدین کی منجنیقیں گو کئی دن تک متواتر ان دیواروں پر آگ اور پتھر برساتی رہیں۔ لیکن وہ نہ ٹوٹیں اور صلاح الدین کو بالآخر مجبوراً محاصرہ اٹھا کر واپس ہونا پڑا۔

دمشق آن کر اس نے پہلے سے زیادہ تیاری کی۔ اس نے ابن کثیر کے بیان کی رو سے اپنے تمام حلبی، شامی، مصری اور جزیری سپہ سالاروں کو امدادی دستے بھیجنے کی دعوت دی۔ نیز اپنے حلیف نور الدین محمود صاحب کیفا و آمد کو بھی بلا بھیجا۔

جب ہر طرف سے فوجی دستے دمشق آن پہنچے تو صلاح الدین انہیں لے کر ایک بار پھر کرک، کی طرف بڑھا۔ اس بار اس کے ساتھ سپاہ بھی کافی تھی اور قلعہ شکن آلات بھی بکثرت

تھے ۔وہ عہد کر کے چلا تھا کہ اس بار کرک کے محاصرہ میں اپنی تمام قوتیں آزمائے گا۔
اور کرک کے بدو ماغ ریجنالڈ کی حکومت ختم کر دے گا۔ یہ عہد بہت بڑا عہد تھا۔

ابن کثیر کا بیان ہے سلطان نے اس بار کرک پر چڑھائی ۱۴ جمادی الاولیٰ ۵۸۰ھ میں کی۔ اس کے ساتھ نو منجنیقیں تھیں۔ یہ پہاڑ کی پہاڑ منجنیقیں کئی دنوں تک متواتر کرک کی شہر پناہ پر پتھر برساتی رہیں۔ لیکن دیواروں نے اس بار بھی شکست تسلیم نہ کی۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ محصورین کی مدد کے لیے یروشلم سے ایک بڑی فوج کرک کی طرف آئی۔ سلطان کو جیسے ہی اس کے قریب آنے کی خبر ملی۔ اس نے محاصرہ اٹھا لیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اس عیسائی فوج سے نپٹ لینے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ خردنتہ الارض پہنچ کر رکا اور اس انتظار میں رہا کہ یہ فوج سامنے آئے۔ مگر یہ فوج سامنے نہ آئی اور راہ کترا کر کرک کی طرف بڑھ گئی۔

ابن کثیر نے لکھا ہے سلطان اور اس فوج میں مقابلہ ہوا۔ عیسائی فوج نے بڑی سخت ہزیمت اٹھائی اور کرک کی طرف بھاگ نکلی۔ سلطان کی فوج نے اس کا تعاقب کیا، اور بہت سے سپاہیوں کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ سپاہ بھاگ کر کرک میں جا چھپی اور اس طرح تعاقب سے بچ گئی۔

سلطان نے کرک کا دوبارہ محاصرہ بیکار سمجھ کر نابلس کا رخ کیا اور اس کے آس پاس اور دوسرے سواحلِ شام کو پریشان کرنے کے بعد دمشق واپس ہوا۔

ایک طرح سے، یہ مہم کامیاب تھی۔ لیکن اس سے جو بڑا مقصد تھا۔ وہ ہنوز پورا نہ ہوا تھا کرک کے ریجی نالڈ کو اس کی گستاخی کی سزا نہ مل سکی تھی۔

لین پول نے اس لڑائی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کچھ ایسی باتیں لکھی ہیں جو ہمیں کسی دوسری تاریخ میں نظر نہیں آتیں۔ بہرحال لین پول کا یہ بیان اس لئے قابلِ توجہ ہے کہ اس نے کسی عیسائی مورخ پر بھروسہ کیا ہے۔ لین پول کے بیان کی رو سے سلطان کا یہ

ابن کثیر ج ۱۲ ص ۳۱۵

ابن خلدون ج ۵ ص ۳۰۲

محاصرہ کافی حد تک کامیاب تھا۔ مسلمانوں نے ایک رات جبکہ بادشاہ یروشلم کی سوتیلی بہن کی شادی، ہمفری چہارم سے ہو رہی تھی اور سارا شہر راگ رنگ میں مصروف تھا، شہر پہ حملہ کیا اور زبردستی فوجِ محافظ کو کاٹتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے اور اس رات، کرک کا شہر سلطان کے قبضہ میں آگیا۔ لین پول کہتا ہے کہ اس رات قریب تھا کہ سلطان کی فوج ریجنالڈ کو گرفتار کر لے۔ مگر شہر اور قلعہ کے درمیانی پل پر تن تنہا ایک نائٹ نے کھڑے ہو کر سلطانی فوج کی راہ اس وقت تک روکے رکھی۔ جب تک ریجی نالڈ بھاگ کر قلعہ میں داخل نہ ہو گیا۔ پھر کرک کی فوج نے دریائے اردن کا وہ پل کاٹ دیا جو شہر اور قلعہ کو باہم ملاتا تھا۔

لین پول ہی نے لکھا ہے کہ سلطان نے باوجود اس کے کہ اس میں اور کرک کے لوگوں میں جنگ جاری تھی۔ شادی کے تحفہ کے طور پر دلہن اور دولہا کو اچھے اچھے کھانے بھجوائے۔ نیز فوج کو حکم دیا کہ وہ اس برج پر پتھر اور تیر نہ برسائے جس میں دولہا اور دلہن شب بسر کر رہے تھے۵

بہرحال لین پول کے اس بیان کے باوجود سلطان صلاح الدین کو کرک سے واپس آنا پڑا۔

ابن خلدون کا بیان ہے صلاح الدین نے اس مہم میں کرک کا بدلہ نابلس اور جینین سے لے لیا تھا دونوں مقامات اور ان کے نواح میں بڑی تباہی مچائی تھی۶ اور وہ اور اس کی فوج جب دمشق لوٹ کر آئی تو بے اندازہ مالِ غنیمت اٹھائے تھی۔ گویا ایک طرح سے صلاح الدین اور اس کی فوج نے کرک کے ناکام محاصرہ کا عوض نابلس اور جینین سے وصول کر لیا تھا۷

دمشق واپس آنے پر صلاح الدین نے اس سال یہی فتوحات کافی سمجھیں۔ جہاں جہاں سے فوجیں منگوائی تھیں، انہیں واپس کر دیا۔

۵ لین پول ۱۵۶

۶ ابن خلدون جزو ۵، ۳۰۲-۳۰۳

۷ ابن شداد ۴۲

رمضان کا مہینہ سلطان نے دمشق میں گزارا۔ یہیں اسے خبر ملی کہ موصل کے والی نے اس کے حلیف صاحبِ اربل پر لشکر کشی کی ہے۔ صاحبِ اربل نے خود بھی سلطان کو اپنے سفیر بھیج کر اس حادثہ کی خبر کی اور مدد مانگی، سلطان فوراً اس کی مدد کو چل پڑا۔ بعلبک حماۃ اور حلب ہوتا ہوا موصل پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ چند دن کے محاصرہ کے بعد اس نے اپنی فوجیں جزیرہ اور دیارِ بکر کے علاقہ میں پھیلا دیں اور بہت سے شہر قبضہ میں کر لیے وہ لوٹ کر موصل آیا۔

ابنِ شداد کے بیان کی رُو سے سلطان اس وقت موصل سے کافی فاصلے پر ایک مقام کفر زمار پر اترا[1]۔ یہاں گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ گرمی کی شدت نے اسے بیمار کر دیا اور بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ طبیبوں نے اسے تبدیل آب و ہوا کا مشورہ دیا۔ وہ کفرِ زمار سے چل کر حران آیا۔ حران میں بیماری اور بڑھی۔ عمائدینِ سلطنت اور ورثائے سلطان سب ہی اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اس بیماری کے عالم میں اس کا بھائی العادل حلب سے بہت سے طبیب لے کر حران پہنچا۔ وہ جب یہاں آیا تو سلطان کی حالت بہت خراب تھی۔ العادل سمجھا۔ بھائی موت کے دروازے پر کھڑا ہے۔ اس نے اسے اشارہ کیا کہ اپنے وارث کے لئے وصیت کر جائے۔ سلطان گو بہت ہی ضعیف تھا مگر حواس قائم تھے۔ اس نے کہا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ سوائے اس کے کہ میں اپنے پیچھے ابا بکر، عمر، عثمان اور علی کو چھوڑے جا رہا ہوں۔

یہ کچھ عجیب تمثیل تھی۔ العادل، ابو بکر کنیت کرتے۔ صلاح الدین کا ایک بھتیجا عمر کہلاتا ایک بیٹے کا نام عثمان تھا اور ایک کا علی[2]۔

ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ جب سلطان کی بیماری بہت بڑھ گئی تو اس نے خدا کے حضور نذر مانی کہ اگر اس نے اسے شفا دی وہ اپنی تمام قوتیں افرنگیوں کے مقابلہ میں صرف کرے گا اس دن کے بعد کسی مسلمان سے نہیں لڑے گا۔ بیت المقدس فتح کرے گا اور اپنے تمام

[1] ابن شداد ۲۴۷

[2] ابن کثیر جز ۱۲ ۳۱۶

اموال و ذخائر جہاد کے لئے مخصوص کر دے گا۔ اور اگر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کرنے والے البرنس یا یحیٰ نالڈ صاحب کرک پر تسلط پایا تو اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے گا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں۔ یہ صاحب کرک وہ شخص تھا جس نے ایک مصری کارواں کو لوٹا تھا اور تمام مسافروں کو قتل کرتے ہوئے چلایا تھا۔

این محمدکم، دعوہ ینصرکم"

تمہارے محمدؐ کہاں ہیں، انہیں پکارو کہ تمہاری مدد کو آئیں

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس نذر نے بارگاہِ خداوندی میں شرف قبول پایا۔ اور سلطان اچھا ہونے لگا۔ اس کی صحت سنور گئی اور وہ اس قابل ہو گیا کہ آپ چل پھر سکتا تھا۔ اس کی بیماری نے سارے عالم اسلام میں ایک کہرام مچا دیا تھا۔ اس کی صحتیابی سارے عالم اسلام کے لیئے ایک عجیب مسرّت کا پیغام لائی۔ ہر جگہ خوشیاں منائی گئیں۔ وہ خود حران سے چل کر دمشق آیا۔ شعرا نے قصیدے پڑھے۔ عوام و خواص نے نیازیں دیں اور بادشاہ نے بڑی سخاوت کی۔

بادشاہ کی اس طویل علالت نے صورت حال ہی بدل دی تھی۔

ابن شداد کے بیان کی رو سے اس بیماری کے دوران میں صاحب موصل سے سلطان نے مصالحت کر لی تھی لیکن ابن کثیر فرماتے ہیں۔ یہ مصالحت بیماری سے پہلے ہوئی تھی۔ بہر حال موصل سے مصالحت ہو گئی۔ موصل کے عزالدین نے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ ملک اسی کے پاس رہا۔ لیکن ملک میں خطبہ اور سکہ صلاح الدین کے نام کا جاری ہوا۔ گویا وہ سیدھے لفظوں میں اب سلطان، مصر، شام جزیرہ، حلب، دیار بکر کے علاوہ موصل کا بھی تاجدار بن گیا تھا اور یہ ایک ایسا بڑا اعزاز تھا جو بہت کم تاجداروں کے حصوں میں آیا تھا۔ دمشق آنے کے بعد سلطان نے پورا ایک سال بظاہر آرام کیا۔ سلطنت کے انتظامی معاملات میں دلچسپی لی اور بالآخر وہ ہر طرف سے فراغت پا لینے کے بعد ۵۸۳ھ میں اس قابل ہو گیا کہ اپنی وہ نذر پوری کرے جو اس نے ایک سال پہلے کی بیماری میں خدا سے کی تھی۔

یروشلم کے عیسائی

صلاح الدین نے جس عیسائی ریاست کے خلاف ۵۸۳ھ میں جہادِ عظیم کا آغاز کیا وہ سلطان ملک شاہ سلجوقی اور نظام الملک طوسی کی وفات کے کئی سال بعد اس وقت عالم وجود میں آئی تھی جب سلجوقی شہزادے آپس میں بری طرح الجھ رہے تھے جب انہیں اپنے اقتدار کے سوا کسی اور مصلحت کا احساس نہ تھا۔ جب وہ قومی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دینے کے عادی ہو گئے تھے۔

لین پول کے بیان کی رو سے مسیحی راہب پطرس اور پاپائے روم اربن ثانی نے سلجوقی شہزادوں اور شامی امرا کی خانہ جنگی اور طوائف الملوکی سے خوب فائدہ اٹھایا اور شام کے ساحلی مقامات پر قبضہ کرنے کے لئے عیسائی فوجیں اُدھر روانہ کر دیں۔ یہ ۱۰۹۸ء کا منحوس سال تھا جب عیسائی فوجیں یکے بعد دیگرے الرہا اور ولایت انطاکیہ کے کئی بڑے شہروں پر قابض ہو گئیں۔ اگلے سال انہوں نے انطرطوس، عکہ، طرابلس الشرق، صیدا اور یروشلم پر تسلط پا لیا اور پھر آہستہ آہستہ ان کی سلطنت قریب قریب شام کے تمام ساحلی مقامات کو اپنے دائرہ میں لے آئی۔

عیسائیوں کی یہ نئی سلطنت جو شام کے مسلمان حکمرانوں کی کمزوری اور باہمی چپقلش کے سبب فلسطین اور شام میں قائم ہوئی ۱۱۲۴ء میں اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ شام کے تمام ساحل اس کے قبضہ میں تھے۔ حصن المرقاب، انطرطوس، حصن الاکراد، طرابلس، بیروت، صیدا، صور، عکہ، قیساریہ، ارسوف، یافہ اور عسقلان سارے کے سارے شہر اس کے پاس تھے۔ ان بڑے ساحلی شہروں کے علاوہ دیارِ بکر کے کئی قلعے مثلاً سروج، تل باشر،

صومعتہ، اور عین تاب بھی اس کے زیرِ تسلط تھے۔ انطاکیہ اور اس کے مضافات اثاریب، المصرہ، افامیہ اور لاذقیہ بھی اس کے تھے۔ پھر صحرائے شام میں جیلین، بلانشے گارڈے اور امرابل، غزہ، لدا اور رملہ پر بھی وہ قابض تھی۔ وہ بحیرہ مردار کے اس پار کے دو اہم مقامات کرک اور شابک بھی مسلمانوں سے چھین چکی تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صلاح الدین کے دو پیشروؤں عماد الدین زنگی اور اس کے بیٹے نور الدین نے یروشلم کے عیسائیوں پر کئی بھرپور وار کئے تھے خود صلاح الدین نے بھی سنہ ۵۸۳ ہجری سے پہلے، ان سے کئی معرکے جیتے تھے۔ لیکن عیسائی ریاست پر وہ اب تک کوئی کاری ضرب نہ لگا سکا تھا اور نہ یہ دعوےٰ کیا جا سکتا ہے۔ کہ صلاح الدین نے یروشلم کے عیسائیوں سے کوئی ایسی بڑی لڑائی لڑی جسے تاریخ زیادہ اہمیت دیتی۔ لیکن صلاح الدین کے دمشق آنے اور شام، حلب، جزیرہ اور موصل پر تسلط حاصل کرنے سے یہ ضرور ہوا تھا کہ عیسائیوں کے حوصلے پہلے ایسے نہیں رہے تھے۔ مگر انہوں نے "مغلوبیت" تسلیم نہ کی تھی اور نہ ان کے "مزاج" میں کوئی فرق پڑا تھا۔

یہ سنہ ۵۸۱ ہجری ہی کی بات تھی۔ جب سلطان کچھ دنوں کے لئے مصر گیا تھا تو عیسائی دمشق کے نواح میں گھس آئے تھے۔ کرک کے نیم خود مختار بادشاہ ریجی نالڈ نے بھی اسی زمانہ میں اچھی خاصی گستاخیاں کی تھیں صلاح الدین کئی بار کرک پر حملہ آور ہوا، اُس نے کئی بار کرک کا محاصرہ کیا۔ لیکن وہ کرک فتح نہ کر سکا۔

درحقیقت سنہ ۵۸۳ ہجری تک عیسائی قلمرو پر اس کے حملے محض تادیبی حیثیت رکھتے تھے۔ اس نے ارضِ مقدس کو عیسائیوں کے قبضہ سے چھین لینے کی کوئی نیت نہ کی تھی اور یہ اس لئے کہ ابھی خود اسے اپنی قلمرو میں مکمل اطمینان نصیب نہ ہوا تھا۔ سنہ ۵۸۱ تا سنہ ۵۸۲ ہجری میں نہ موصل اس کا تھا اور نہ ہی جزیرہ کے

حکمرانوں نے اس کے سیاسی تسلّط کو تسلیم کیا تھا۔ ایسے عالم میں وہ عیسائیوں پر کوئی کاری ضرب نہ لگا سکتا تھا۔

لین پول کا یہ بیان قطعاً صحیح ہے۔ کہ اگر سلطان، اس وقت سے پہلے عیسائی حکومت کو چیلنج کرتا۔ تو بہت ممکن تھا کہ موصل اور جزیرہ کے حکمران پیچھے سے اس کی قلمرو میں گھس آتے۔ اور اس طرح سے دو محاذ کھل جاتے۔

نئے ولولے

ابن شداد فرماتے ہیں۔ یہ ۵۸۳ھ ہجری کا محرم تھا۔ جب سلطان نے مصر، شام، حلب، دیار بکر اور عراق کے والیوں کے نام مراسلے بھیجے اور شہر شہر اور قریہ قریہ منادی کی۔ کہ اللہ کے بندے، دشمن کے خلاف ایک بڑی جنگ لڑنے کے لئے دمشق آئیں[1]

ان انتظامات کے بعد وہ دمشق سے نکلا، اس کے ساتھ اس وقت صرف وہی فوج تھی۔ جو دمشق میں اس کے ساتھ مقیم تھی۔ ابن خلدون نے اس فوری خروج کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

فبلغہ ان البرنس ارناط صاحب الکرک، یرید ان یتعرض للحاج من الشام وکان معھم ابن اخیہ محمد بن لاجین وغیرہ[2]

(اسے خبر ملی کہ برنس ارناط صاحب کرک چاہتا ہے کہ شام کے حاجیوں کی راہ روک لے، ان حاجیوں کے ساتھ بادشاہ کے بھائی کا بیٹا محمد بن لاجین بھی تھا)

ابن اثیر، ابن کثیر اور عماد الدین الکاتب الاصفہانی نے بھی اس بیان کی تائید کی ہے۔ خصوصیت سے عماد الدین الکاتب، تو کہتے ہیں کہ صلاح الدین جب دمشق سے چلا۔ تو اس کے ساتھ پوری شامی فوج بھی نہ تھی[3]۔ یہ فوج راس الماء میں اسے آن ملی اور وہ اسے اپنے بیٹے الملک الافضل کی قیادت میں دے کر خود اس رستہ کی طرف بڑھا۔ جہاں

[1] ابن شداد ۹۴ — ابن اثیر جز ۱۱ ۱۹۹

[2] ابن خلدون جز ۵ ۳۰۰

[3] العماد الکاتب الفتح القسی ۱۲

سے شامی حاجیوں کا کارواں کرک کے قریب سے ہوتا ہوا عرب جا رہا تھا۔ وہ ابھی بصریٰ پہنچا تھا[1] کہ اس کی آمد آمد کی خبر پورے علاقہ میں پھیل گئی اور ابرنس صاحب الکرک کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ حاجیوں کے قافلہ پر حملہ کر سکے۔ قافلہ بڑے اطمینان کے ساتھ کرک کے پاس سے گزر گیا تو صلاح الدین آگے بڑھا اور کرک کے قریب پہنچ کر اپنی فوج کو کئی حصوں پر بانٹا اور انہیں کرک و شوبک کے نواح میں پھیلا دیا۔

صلاح الدین کی فوج نے ان دونوں بڑے قلعوں کے آس پاس کو خوب روندا، فصلوں کو نقصان پہنچایا اور پورے ماحل کو اس قابل نہ رہنے دیا کہ وہاں کی آبادی، فصلوں پر انحصار کر سکے[2]۔

اس وقت جب صلاح الدین کی فوجیں کرک اور شوبک کے نواح میں فتنے اٹھائے تھیں۔ مغرور ابرنس صاحب الکرک اپنے قلعہ میں محصور غصے سے دانت پیس رہا تھا۔ وہ باہر نکلنے کی ہمت نہ رکھتا تھا اور یروشلم اور دوسری عیسائی ریاستوں کی فوجیں اپنے اپنے علاقے میں رکی پڑی تھیں۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر وہ اپنی جگہ سے ہلیں تو الملک الافضل ان کے علاقہ میں گھس آئے گا[3]۔

---

[1] ابن خلدون جز ۵ ۳۰۵-۳۰۶

[2] ابن شداد ۴۸-۴۹، العماد ۱۲-۳۰، ابن اثیر ۱۹۹-۲۰۰

[3] ابن اثیر جز ۱۱، ابن کثیر جز ۱۲ ۳۲۰-۳۲۱

فیصلہ کن لڑائی

اس وقت جب سلطانی فوج دشمن کی قلمرو کو روند رہی تھی۔ یروشلم کے نابالغ بادشاہ بالدون پنجم کو انتقال کیے کچھ دن ہو چکے تھے اور اس کی جانشینی کا مسئلہ متنازعہ فیہ بن چکا تھا۔ بااقتدار عیسائی سیاست دان دو فریقوں میں بٹے تھے۔ ایک فریق نواب جوسلن، اور نواب ریجی نالڈ (کونتی اور جوزنین کے نواب) اور الداویہ کے نائٹوں کے سردار مائڈ فورڈ پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ نابالغ بالدون سے پہلے کے تاجدار اماں رک کی بڑی بیٹی سیبیلا کے حامی تھے۔ ان کی مدد سے سیبیلا یروشلم کے تخت پر بیٹھ گئی۔ یہ الگ بات تھی کہ سیبیلا نے اپنے شوہر گائی لوسگنان کے سر پر اپنا تاج رکھ دیا تھا۔ سیبیلا کے حامی فریق کے ساتھیوں کی تعداد کافی تھی۔ اس کے باوجود ریمنڈ اور رملہ کے دو بڑے نوابوں ریمنڈ اور بالڈون نے گائی لوسگنان کی اطاعت نہ کی تھی۔ اس کے خلاف ایک نیا محاذ بنا کر تبنین کے ہمفری کو یروشلم کا بادشاہ بنا دیا۔ تبنین کے ہمفری کو ان دونوں نے بادشاہ تو بنا دیا۔ مگر شاہی تخت و تاج پر قبضہ نہ کر سکے۔ اس کوشش میں خود بھی اقتدار سے محروم ہوئے اور تبنین کے ہمفری کو بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔

لین پول ۱۷۵-۱۷۶

لین پول کہتا ہے کہ ریمنڈ سے جب اس کا اقتدار چھینا اور بڑے بڑے مسیحی سردار اس کے مخالف ہو گئے تو اس نے صلاح الدین سے مصالحت کر لی۔ لیکن اس وقت جب صلاح الدین کی فوج چاروں طرف سے پر تولتی عیسائی قلمرو میں داخل ہو رہی تھی۔ ریمنڈ اور اس کے ساتھی یروشلم کے گائی لوسگنان سے مل گئے تھے۔ صلاح الدین کے حملہ

نے ان سب کو ایک محاذ پر کھڑا کر دیا تھا۔ اور سب کی متحدہ فوجیں صلاح الدین کی راہ روکنے کے لیے صفوریہ کے چشموں کے قریب آن پہنچیں۔ لین پول کے بیان کی رو سے ان متحدہ فوجوں میں بارہ سو مشہور نائٹ اور اٹھارہ ہزار پیادہ سپاہ تھی[۱]۔

یہ لین پول کا بیان ہے۔ ابن کثیر نے اس فوج کی تعداد پچاس ہزار بیان کی ہے[۲]۔ کثرت تعداد کے زعم میں یہ لوگ بہت آگے بڑھ آئے تھے۔ ورنہ جیسے کہ لین پول کہتا ہے کہ ان کی تعداد بیس ہزار سے بھی کم تھی۔ وہ کبھی اس زور سے آگے نہ بڑھتے۔۔۔

اس کے برعکس سلطان کی فوج میں صرف بارہ ہزار سوار تھے۔ ان میں کچھ حلب سے آئے تھے۔ کچھ مصر سے اور کچھ شام سے۔ یہ بارہ ہزار سوار، کچھ دیار بکر کے تھے اور کچھ بلادِ اکراد کے۔

یہی وجہ تھی کہ جب عیسائی فوجیں صفوریہ پہ اتریں اور ان کی کثرتِ تعداد کی اطلاعات سلطان کی فوج کے عہدیداروں کو ملیں تو ان میں سے کئی بڑوں نے سلطان کو مشورہ دیا کہ وہ عیسائیوں کی متحدہ فوج سے مقابلہ نہ کرے اور پہلے ہی کی طرح اچانک حملوں پہ اکتفا کرے۔ مگر سلطان نے ان امرا کے مشورہ کو کوئی اہمیت نہ دی[۳]۔ وہ جہاد کرنے آیا تھا۔ اس نے نیت کر لی تھی کہ عیسائیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑے گا۔ اس لئے اس نے حکم دیا۔ فوج پیش قدمی کے لئے تیار رہے۔

ابن اثیر فرماتے ہیں۔ یہ جمعرات کا دن تھا (۲۳ ربیع الآخر) جب سلطان اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھا۔ اس نے طبریہ کو پیچھے چھوڑا اور اس کے پہاڑ پہ چڑھ کر کچھ اس طرح دشمن کے قریب آیا کہ دشمن کو خبر تک نہ ہوئی[۴]۔

وہ دن کے وقت ہی جبل الطبریہ پر خیمہ زن ہو چکا تھا۔ جب رات آئی تو اس نے اپنی فوج کا ایک بڑا دستہ دشمن کی راہ روکنے کے لیے چھاؤنی میں چھوڑا اور خود بقیہ فوج کے ساتھ طبریہ کی طرف بڑھا۔ اس کی دیواروں تلے مسلمانوں اور عیسائیوں کی خوب

[۱] لین پول ۱۷۰
[۲] ابن کثیر جز ۱۲ ۳۲۰
[۳] ابن اثیر جز ۱۱ ۲۰۰
[۴] ابن اثیر جز ۱۱ ۲۰۰
[۵] ابن الاثیر ۲۰۱

لڑائی ہوئی۔ سلطانی فوج نے طبریہ کے کئی برج بہت جلد فتح کر لئے اور رات ہی رات میں پورے شہر پر قابض ہوگئی۔ شہر کے امرا خصوصیت سے طبریہ کے والی کا خاندان اور خدام اس ابتلا کے وقت قلعہ میں جا چھپے۔ ابن الاثیر کا بیان اگر صحیح مان لیا جائے۔ تو اس رات سارا شہر خالی ہو گیا تھا اور سلطانی فوج نے اس میں آگ لگا دی تھی۔[1]

ابن الاثیر ہی کا بیان ہے کہ صبح کے وقت جب طبریہ کی فتح اور اس کے جلنے کی خبر عیسائی فوج کو ہوئی تو امرا مجتمع ہوئے اور مشورہ دیا کہ صلاح الدین سے لڑنے کے لئے طبریہ کی طرف پیش قدمی کریں اور اس کے قبضہ سے طبریہ چھین لیں۔ اس مشورہ کو طبریہ کے والی القمص نے رد کر دیا۔ اس نے ان سے کہا۔

"طبریہ میرا اور میری بیوی کا ہے۔ صلاح الدین نے شہر کے ساتھ جو کیا ہے کر چکا ہے۔ قلعہ باقی ہے جس میں میری بیوی ہے۔ اگر صلاح الدین اس پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے تو کرلے۔ میں اس بات پر راضی ہوں کہ صلاح الدین قلعہ بھی لے لے اور میری بیوی کو بھی گرفتار کرلے۔

وہاں جو کچھ بھی ہے وہ بھی لیتا جائے۔ اگر وہ طبریہ کو کافی سمجھ کر لوٹ جائے آگے نہ بڑھے تو اسے غنیمت جانئے۔ خدا کی قسم میں نے اسلامی فوجیں پہلے بھی دیکھی ہیں۔ اور اب بھی دیکھی ہیں، کوئی فوج کثرتِ تعداد اور تربیت و تنظیم کے لحاظ سے ایسی نہ تھی جیسی صلاح الدین کی ہے۔ اس نے طبریہ لے لیا۔ لیکن وہ طبریہ میں رہے گا نہیں جب وہ وہاں سے چلا جائے گا۔ ہم آگے بڑھیں گے اور طبریہ پر دوبارہ قبضہ کرلیں گے۔"

القومس کی اس تقریر کو سننے کے بعد، برنس ارناط صاحب الکرک جو اپنی عیاری اور مسلمان دشمنی میں شہرۂ آفاق تھا۔ اٹھا، اس نے القومس پر ذاتی حملے شروع کئے اُس نے کہا۔

"ہم جانتے ہیں کہ تو مسلمانوں سے بہت ڈرتا ہے۔ ہمیں یہ بھی خبر ہے کہ وہ تیرے

[1] اثیر جز ۱۱

دوست ہیں اور تو انہیں پسند کرتا ہے"۔

اس کے علاوہ بھی اس نے القومس پر کئی اور چوٹیں کیں۔ ... کے بیان کی رو سے اس نے اسے اسلام قبول کر لینے کا الزام بھی لگایا۔ بہرحال قومس نے ان الزامات کا کوئی جواب نہیں دیا اور کھڑے ہو کر کہا۔

"اگر تم لوگ پیش قدمی پر تیار رہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں اور میں تم میں سے ایک ہوں"۔

القومس نے ہتھیار ڈال دیئے تو فیصلہ ہوا۔ فوج آگے بڑھے۔ جیسے ہی یہ فوج آگے بڑھی صلاح الدین بجلی کی سی تیزی سے طبریہ سے ہٹا اور اپنی چھاؤنی میں آن پہنچا اس نے جس پہاڑی پر اپنی فوج اتاری تھی۔ وہ نہ صرف زرخیز و شاداب تھی۔ وہاں زیتون اور پھلوں کے لاتعداد باغات تھے۔ ایک بڑا اچھا اور شیریں چشمہ بھی بہتا تھا۔ اس کے علاوہ کئی اور چشمے بھی قرب و جوار کی زمین میں جاری تھے۔ سلطان نے اپنی چھاؤنی کے لئے موزوں ترین جگہ انتخاب کی تھی۔ گو عسکری نقطہ نگاہ سے لین پول نے اس انتخاب کو پسند نہیں کیا۔ مگر سلطان اپنی فوج کشی کے طریق کو لین پول سے چونکہ بہتر جانتا تھا اس لیئے وہ اس جگہ سے قطعاً نہیں ہٹا اور اس لئے نہیں ہٹا کہ اس سے تھوڑے فاصلہ پر طبریہ کی مشہور جھیل بھی تھی۔ سلطان کا خیال تھا کہ آس پاس کے سارے اس علاقہ پر قابض رہے جہاں پانی ہے۔ اس نے یہی کیا۔ آس پاس کے ہر چشمہ اور ہر ندی پر اپنی فوج بٹھا دی۔ اور جب جوشیلے عیسائی، اپنے ہر جوش اور اپنے ہر ولولے کے ساتھ ہتھیار بجاتے اس سے ملنے کے لیے حطین کی طرف بڑھے تو اس نے اپنے طوفانی دستے ان کے چاروں طرف پھیلا دیئے۔

مورخ ارنول نے جس پر لین پول نے کافی بھروسہ کیا ہے۔ صفوریہ سے عیسائی فوج کی روانگی کی کیفیت بہت وضاحت سے لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے صفوریہ سے

طبریہ جانے والی راہ خشک اور بنجر چٹانوں سے گھری تھی۔ دور دور تک پانی کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ دھوپ سخت پڑ رہی تھی۔ بیچاری فوج بروشلم کے بادشاہ کے پیچھے پیچھے بندھی چل رہی تھی۔ جو سپاہی سر سے لے کر پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ چلچلاتی دھوپ کے سبب انہیں دوزخ میں جلنے کی لذت نصیب ہوئی، لوہے کا لباس خوب تپا اور بے چاروں کے جسم جھلس گئے۔ اگر کہیں پانی ہوتا تو جسم کی تپش ہلکی بھی کی جا سکتی۔ مگر رستہ خشک اور بنجر تھا۔ کہیں کوئی سایہ دار درخت بھی نہ تھا جس کے نیچے بے چارے سپاہی کچھ دیر کے لئے دم ہی لے لیتے۔

ارنول کہتا ہے کہ وہ بھی اس لشکر میں شریک تھا۔ اس نے لوہے میں غرق ناطوں کا حالِ تباہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ خصوصیت سے داویہ اور ترکپول سواروں کی حالت پر آنسو بھی بہائے، بے چارے بوجھل زرہ بکتروں اور خودوں کے سبب شاہی فوج کے ساتھ بھی نہ رہ سکے اور پھر ظلم یہ ہوا کہ سلطان کے طوفانی دستوں نے ان پر اچانک ایسے زوردار حملے کئے کہ غریب آنسو بھر بھر کر رونے کو تھے۔

یہ عالم دیکھ کر انہیں ستانے کی اجازت ملی اور وہ جگہ کا صحیح انتخاب کئے بغیر بنجر اور خشک پہاڑ پر اتر پڑے۔ یہاں دور دور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔

لین پول کا بیان ہے کہ "ریمنڈ" (القومس) صاحب الطبریہ چونکہ اس علاقہ کی خصوصیات سے واقف تھا۔ وہ بار بار چیخا۔ خدا کے لئے یہاں نہ ٹھیرو، یہاں پانی نہیں ہے۔ مگر اس کی کسی نے نہ سنی اور وہیں ٹھیر گئے۔

یہ رات اس فوج پر بڑی المناک تھی۔ رات بھر فوج کے سپاہی پانی کے لئے تڑپتے اور چیختے رہے۔ پیاس نے ان کی روحیں تک لرزا دیں۔

مسلمانوں نے جو دشمن کو ستانے کے لئے اس لشکر کے چاروں طرف جمع تھے۔ ستم ظریفی یہ کی کہ ادھر ادھر پھیلی خشک اور سوکھی جھاڑیوں میں آگ لگا دی۔ اس نے

جلتی پر تیل چھڑک دیا اور بیچارے سپاہی اس طرح چیخ اُٹھے جیسے انہیں لاتعداد سانپوں نے ڈس لیا تھا۔

رات جیسی کٹی، کٹی۔ صبح ہوئی تو عیسائیوں نے دیکھا۔ صلاح الدین کی فوج ہر سمت پر صف بستہ اور پوری طرح منظم و مرتب مقابلہ کے لئے کھڑی ہے۔

ابنِ شداد کا بیان ہے۔ یہ جمعہ کا مبارک دن تھا جب دونوں فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ عیسائی فوج، پچھلی رات کے سفر اور تکان کے سبب کچھ زیادہ جوشیلی نہ تھی اور اگر اس میں (ابن شداد ص ۵۰) کوئی جوش پیدا ہوا تو مسلمان تیر اندازوں نے جو بڑے سلیقے کے ساتھ صفیں باندھے مناسب (ابن خلدون جز ۵ ص ۳۰۶-۳۰۷) مقامات پر کھڑے تھے۔ اس پر کچھ اس انداز سے تیر اندازی کی کہ اس کی ہر حرارت کسل میں بدل گئی۔

لین پول نے نول کا بیان نقل کیا ہے کہ مسلمان فوج کی تیر اندازی سے سب سے زیادہ نقصان عیسائیوں کی سوار فوج کو پہنچا اور بڑے بڑے گرانڈیل شہسوار گھوڑوں پر سے اس طرح گرے جیسے وہ گرنے ہی کے لئے آئے تھے۔

مسلمان تیر اندازوں نے، اس دن اپنے خوب جوہر دکھائے۔ پھر عام لڑائی شروع ہوئی۔ اسلامی فوج بھوکے شیروں کی طرح ایک دم دشمن پر ٹوٹ پڑی۔

یہ دن عیسائیوں پر بڑا سخت تھا۔ مسلمان فوج اس سے گن گن کر بدلے لے رہی تھی خود صلاح الدین میں آج ہزاروں بجلیاں بھری تھیں۔ وہ کبھی ایک صف میں پہنچتا کبھی دوسری (ابن خلدون جز ۵ ص ۳۰۶) میں، وہ کبھی ایک صف کو آگے بڑھاتا کبھی دوسری کو۔

ابنِ خلدون کہتے ہیں کہ جب لڑائی اس انداز سے ہو رہی تھی۔ تو مس رلمند اپنے مخصوص دستے کو لے کر آگے بڑھا اور تقی الدین عمر بن شاہ کے بازو پر بڑا سخت حملہ کیا۔ اس کے اس سخت حملہ سے تقی الدین کے بازو کی صفیں پچھپٹ گئیں۔

(ابن اثیر جز ۱۱ ص ۲۳) ابن اثیر فرماتے ہیں کہ تقی الدین نے انہیں آپ راہ دے دی تھی۔

بہر حال ہوتے ہوتے مسلمان فوج نے ساری عیسائی فوج کو ایک طرح سے گھیرے میں لے لیا اور مارتے مارتے حطین کے کنارے پر لے آئی۔ یہاں عیسائی فوج حطین کے ٹیلے پر چڑھ گئی اور گرمی سے بچنے کے لئے کچھ خیمے نصب کرنے چاہے مگر ایک خیمہ کے سوا جو بادشاہ کے لئے تھا کوئی دوسرا خیمہ نصب نہ کر سکی۔ ابن خلدون ج ص ۳۰۷

ابن خلدون نے لڑائی کو اس دن ختم کر دیا ہے۔ بالتفصیل بیان کرنے سے احتراز کیا ہے۔ ابن شداد کہتے ہیں اس دن صبح سے لے کر شام تک بڑی سخت لڑائی ہوتی رہی جب شام ہوئی تو دونوں فوجیں اپنی اپنی چھاؤنی میں لوٹ گئیں مگر کسی فریق نے دشمن کے شب خون کے ڈر سے ہتھیار نہیں کھولے۔ رات بھر یہ ڈر رہا کہ دوسرا فریق حملہ نہ کر دے۔ ابن شداد

یہاں تک کہ دوسرے دن سورج طلوع ہوا اور دونوں فوجیں پھر میدانِ جنگ میں اتریں اور اپنی اپنی جگہ صف بستہ ہو کر ایک دوسرے سے لڑنے لگیں۔

اس دن مسلمانوں کو ایک ہی بات یاد تھی کہ ان کے پیچھے دریائے اردن ہے اور ان کے آگے ان کے دشمن ہیں اور اللہ کی مدد ہی انہیں دشمن سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اس دن انہوں نے خوب بہادری دکھائی۔ بڑے حوصلے اور بہادری سے لڑے اور دشمن کی صفیں الٹ ڈالیں۔

مسلمانوں نے ایک اور ستم یہ کیا کہ دشمن کی فوجیں جہاں جم کر لڑ رہی تھیں۔ وہاں لمبی لمبی سوکھی گھاس دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس میں آگ لگا دی۔ پہلے ہی صفیں ترتیب سے محروم ہو چکی تھیں۔ جلتی گھاس نے ان میں اور انتشار پیدا کیا اور بے چارے سپاہی آگ سے بچنے کے لئے ادھر ادھر بھاگے۔ ابن خلدون جزء ۵ ص ۳۰۷، ابن اثیر جز ۱۱ ص ۲۰۲

لین پول کہتا ہے۔ اس دن عیسائی سوار اس طرح موت کی طرف ہانکے جا رہے تھے جیسے بھیڑیں مذبح کی طرف ہنکائی جاتی ہیں)۔

یہ سواروں کا حال تھا۔ پیدل فوج کی حالت ان سے بھی خراب تھی۔ وہ خشک اور تپتی

پہاڑی پر، پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگتی پھر رہی تھی۔ مسلمان سپاہ اس پر اس عالم میں حملے کرتی۔ وہ بے چاری اپنی طرف سے حملوں سے بچاؤ تو کرتی۔ مگر پیاس نے اس سے حواس چھین رکھے تھے۔

لین پول کہتا ہے۔ اس میں سے بہت سے سپاہی کتوں کی طرح زبانیں نکالے سلطان
[1] لین پول ١٠٥ کے پاس آئے۔ ہتھیار پھینک دیئے اور پانی مانگا۔[1]

حطین کی یہ لڑائی فلسطین کے عیسائی کبھی نہیں بھول سکے۔ ان پر اس لڑائی میں جو بیتی کبھی نہ بیتی تھی۔ مسلمان فوج نے ان کے سرداروں، ان کے شہسواروں، امراء، رؤسا اور پادریوں سب کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا اور انہیں مولی گاجر کی طرح کاٹ رہے تھے۔ ان کی ساری بہادری اس دن ختم ہو گئی تھی۔ سارے حوصلے سو گئے تھے اور ساری اُمنگیں ان کے جسموں سے بہنے والے خون کی ندی میں ڈوب گئی تھیں۔

وہ جب اس میدان کی طرف بڑھے تھے بڑے حوصلوں سے آئے تھے۔ وہ اپنی صلیبِ اعظم جو ان کے نزدیک، مسیح کے بعد سب سے مقدس دولت تھی ساتھ لائے تھے۔ اس صلیب کی بھی حفاظت نہ کر سکے۔ گو انہوں نے ابنِ اثیر کے بیان کے مطابق اس صلیب کو مسلمانوں کے قبضہ میں جانے سے بچانے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ ان میں سے
[2] ابن اثیر جز ١١ ٢٠٢ بہت سے اس جدوجہد میں مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے۔[2]

العماد الکاتب اپنی شاعرانہ زبان میں اس دن کے مقتولین اور اسیروں کا قصہ کہتے ہوئے لکھتا ہے:

هذا احساب من قتل فقد حصرت ابنة الامام حصره

[3] العماد الکاتب فتح القسی (عطین) وعدّه، واما من أسر فلم تكف الطناب الخيم لقيده وشدّه

ولقد رأيت في حبل واحد ثلاثين واربعين يقودهم

فارس۔[3]

"اس لڑائی میں جو لوگ مارے گئے۔ ان کی زبانیں ان کے حصر و شمار سے عاجز رہی ہیں۔ اس دن جو قید ہوئے ان کو باندھنے کے لیے خیموں کی طنابیں کافی نہ ہوئیں میں نے اس دن دیکھا کہ تیس تیس چالیس چالیس آدمیوں کو ایک رسی میں باندھ کر ایک سوار ہنکائے لئے جا رہا تھا۔

جب کوئی بزدل قوم میدانِ جنگ میں ہارتی ہے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ عیسائی بھی بزدل تھے۔ وہ ہارے تو ان پر بھی یہی بیتنی تھی جو بیتی۔

ابن شداد نے دشمن کی ہزیمت کا ذکر کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ اس دن سب سے پہلے قومس ریمند بھاگا۔ ایک اور جماعت بھی اس کے ساتھ بھاگی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے اس جماعت کا تعاقب کر کے اسے ختم کر دیا تھا۔ البتہ ریمند بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس دن جو لوگ قید ہوئے، ان میں یروشلم کا بادشاہ کرک کا والی ریجی نالڈ (البرنس ارناط) صاحب جبیل ابن ہمفری، مقدمِ الداویہ اور کئی اور بڑے شاہسوار بھی تھے۔[۵] العماد الکاتب کہتے ہیں کہ یروشلم کا بادشاہ اس وقت تک قید نہ ہوا، جب تک کہ صلیبِ مقدس، یا صلیبِ اعظم مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ چلی گئی۔ اس صلیب کو بچانے کے لیے اہلِ طاغوت خوب کٹے تھے۔

یہ وہ صلیب تھی جس کے بارے میں ان لوگوں کا گمان تھا کہ اس میں اس بڑی صلیب کی لکڑی لگی ہوئی ہے جس پر حضرت مسیح سولی پر چڑھائے گئے تھے۔ انھوں نے اس صلیب کو سونے کی پتریوں سے منڈھ رکھا تھا۔ اس پر غیر معمولی قیمت کے جواہرات ٹانکے گئے تھے یہ عید کے موقع پر عوام کو دکھائی جاتی۔ پریشانی اور اضطراب کے وقت اس سے برکت حاصل کی جاتی۔ یہ صلیب جب منظرِ عام پر لائی جاتی۔ کسی مسیحی میں یہ جرأت نہ تھی کہ اس سے پیچھے رہے۔ یہ جب عیسائیوں کے ہاتھ سے چھنی گئی۔ تو پھر انہیں کوئی ہوش نہ رہا۔ پھر وہ بھی قید ہوئے اور ان کا بادشاہ اور بڑے امرا بھی۔[۶]

۵۔ ابن اثیر جز ۱۱ - ۲۰۲ - ابن خلدون جز ۵ - ۲۰۸ - ابن شداد ۵۱ - العماد الکاتب (ص)

ابنِ اثیر، البرنس ارناط صاحبِ الکرک کے قید ہونے کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَلم یکن فی الفرنج اشد منہ عداوۃ للمسلمین[1]

اس شخص سے زیادہ مسلمانوں کا کوئی دوسرا دشمن نہ تھا۔

اس دن جو لوگ قید ہوئے۔ وہی یروشلم کے حاکم والی، نگران اور نگہبان تھے گویا دوسرے لفظوں میں حطین کی یہ لڑائی پورے یروشلم کی لڑائی تھی۔ پورے یروشلم کے بڑے عیسائی اس لڑائی میں یا تو کٹ گئے تھے یا قید ہو گئے تھے۔ اس لڑائی کی حیثیت بالکل وہی تھی جو اندلس کی اس بڑی لڑائی کی تھی جو وادی الکبیر کے کنارے لڑی گئی تھی۔

ابن اثیر کا یہ بیان مبالغہ سے قطعاً خالی ہے کہ میدانِ جنگ میں لعشیں اس کثرت سے پڑی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ جتنے آدمی تھے سب مارے گئے۔ جب قیدیوں پر نگاہ اٹھتی تو ایسا لگتا کہ جتنے سپاہی تھے وہ سب قید ہو گئے ہیں۔ کوئی قتل نہیں ہوا۔

ابن اثیر کے الفاظ ہیں:۔

وکثر القتل والاسر فیھم، فکان من یر القتلیٰ
لایظن انھم اسروا واحداً ومن یری الاسریٰ
لایظن انھم قتلوا احداً[2]

بہرحال یہ امرِ واقعہ ہے کہ یہ لڑائی، عیسائی دنیا کے لئے ایک بہت بڑا حادثہ تھا ایسا حادثہ، انہوں نے ۴۹۱ھ ہجری سے لے کر ۵۸۳ھ ہجری تک کبھی نہ دیکھا تھا۔[3]

خود صلاح الدین نے بھی کبھی کسی فریق کو ایسی خوفناک اور لرزہ خیز شکست نہ دی تھی اس نے اس عظیم الشان فتح پر جو خدا نے اسے عطا کی، سجدہ شکر ادا کیا۔ اس نے اپنی پیشانی خدا کے حضور رکھ دی اور پھر حکم دیا۔ اس کا خیمہ نصب کیا جائے اور قیدی حضور میں پیش ہوں۔

[1] ابن اثیر جزء ۱۱ ۲۰۲

[2] ابن الاثیر ج ۱۱ ۲۰۲

[3] ابن خلدون جزء ۵ ۳۰۶

ابن شداد کے بیان کی رُو سے، سب سے پہلے بادشاہ جفری اس کا بھائی اور البرنس ارناط پیش ہوئے۔ سلطان نے بادشاہ جفری کو اپنے پہلو میں جگہ دی، اور ٹھنڈا شربت پینے کو دیا۔ بے چارے بادشاہ کی پیاس سے بُری حالت ہو رہی تھی۔ جب اسے شربت پینے کو دیا گیا تو اس نے اس میں سے حسبِ اشتہا پی لیا اور پیالہ البرنس ارناط کی طرف بڑھا دیا۔

ابنِ شداد کہتے ہیں کہ جب یہ پیالہ البرنس کے ہاتھ میں آیا تو سلطان نے ترجمان سے کہا۔

قل للملك انت الذی سقیته، واما انا فما سقیته،
وکان علیٰ عادة جمیل العرب وکریم اخلاقهم
ان الاسیر اذا اکل او شرب من ماءٍ لمن اسره،
امن بذالك جریاً علیٰ مکارم الاخلاق۔

بادشاہ سے کہہ دو، یہ آپ ہیں، جو اسے پلا رہے ہیں، یہ میں نہیں ہوں۔ میں نے اسے یہ پانی پینے کو نہیں دیا۔

ابنِ شداد فرماتے ہیں کہ سلطان عربوں کے اس اچھے خلق کا پابند تھا۔ کہ اگر کسی اچھے عرب کے ہاں اس کا کوئی قیدی کچھ کھا لیتا یا پی لیتا تو اسے امان مل جاتی۔ ان کی یہ عادت پہلے سے چلی آ رہی تھی اور یہ ان کے مکارمِ اخلاق میں سے تھی۔

سلطان نے اسی لئے اس وقت یہ صفائی ضروری سمجھی۔ کیونکہ وہ البرنس ارناط کے سخت خلاف تھا۔ بہرحال بادشاہ جفری نے اسے پینے کے لئے جو پانی دیا۔ اسے البرنس نے پی لیا۔ اس مختصر سی حاضری کے بعد سلطان کے حکم سے انہیں ان کے خیموں میں لوٹا دیا گیا۔ اس وقت سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ جب انہیں کھانا کھلا دیا گیا تو انہیں ایک بار اور سلطان کے حضور پیش کیا گیا۔ اس وقت سلطان کے پاس

ابن شداد۔ ۵۱

اس کے بعض خدام کے سوا کوئی اور نہ تھا تو سلطان نے البرنس ارناط کو بلوایا۔

ابنِ شداد کا بیان ہے کہ سلطان نے نذر مانی تھی کہ اگر اس نے البرنس ارناط پر تسلط پایا تو اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے گا۔ کیونکہ اس شخص نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی۔ ان دنوں جب مسلمانوں اور اس میں صلح تھی۔ مصری مسلمانوں کا ایک قافلہ شوبک میں اترا۔ اس نے اسے امان دی۔ مگر پھر دھوکہ دیا اور ان سب کو قتل کر ڈالا۔ اس وقت مسلمانوں نے رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پکارا تھا اور اس نے ان کا مذاق اڑایا تھا اور کہا تھا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بلاؤ۔ وہ آن کر تمہیں مجھ سے بچائے[۵]۔

ابن اثیر اور ابن خلدون فرماتے ہیں۔ اس البرنس ارناط نے یہی جرم نہیں کیا تھا۔ بلکہ مکہ اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی جسارت بھی کی تھی۔

ان دونوں مواقع پر صلاح الدین نے اسے قتل کرنے کی قسم کھائی تھی۔ یہی بات اس نے البرنس ارناط سے اس وقت کہی۔ اور آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے اس پر تلوار چلائی۔

یہ صورتِ حال بادشاہ جفری نے دیکھی تو سہم گیا۔ سلطان اس کے پاس آیا۔ اسے تسلی دی اور اس کی خاطر مدارات کی[۶]۔

اس موقعہ پر اس نے یہ بھی کہا تھا کہ بادشاہوں کی عادت نہیں ہے کہ وہ بادشاہوں کو پکڑنے کے بعد انہیں قتل کر دیں۔ یہ شخص حد سے تجاوز کر گیا تھا۔ بہر حال جو کچھ ہوا آپ اسے بھول جائیں۔

ابنِ شداد کے الفاظ ہیں:۔

قال لم تجرِ عادۃ الملوك ان یقتلوا الملوك واما

ھذا فانہ تجاوز حدہ فجری ما جری[۷]

اس رات مسلمانوں نے خوب خوشیاں منائیں۔ سلطان نے بھی آرام کیا اور فوج بھی خوب ستائی۔ صبح ہوئی تو سلطان طبریہ آیا۔ طبریہ کی مالکہ القومس کی بیوی تھی۔ اس نے سلطان سے اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے اماں طلب کی۔ سلطان نے اسے بھی امان دی۔ اس کے بچوں کو بھی، اور اس کے مال و متاع کو بھی اس کے لئے مخصوص کر دیا۔

یہیں طبریہ میں اس کے حضور جنگ کے دوسرے بڑے قیدی پیش ہوئے۔ ان قیدیوں میں دو سو کے قریب وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے اپنے اقتدار کے زمانہ میں مسلمانوں پر بہت ظلم کئے تھے۔ سلطان نے ان سب کو قتل کرا دیا۔ باقی کو دمشق بھیج دیا۔

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ یہ جگہ جہاں، یہ لڑائی لڑی گئی۔ مدتوں مردوں کی ہڈیوں کی وجہ سے سفید رہی[۱]۔

یہ تھی وہ لڑائی، جو حطین کے نام سے مشہور ہوئی اور جسے افرنگی تاریخ کبھی بھول نہ سکی۔

طبریہ کے بعد

ابن کثیر کے بیان کی رُو سے سلطان، طبریہ کے قلعہ پر قبضہ کر لینے کے بعد حطین آیا اور حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار کی زیارت کی۔ پھر وہ اقلیم اردن اور اس نواح کی تمام بستیوں پر قبضہ کرتا ہوا عکا کا پہنچا۔[1]

ابن اثیر فرماتے ہیں۔ سلطان، منگل کے دن طبریہ سے روانہ ہوا۔ بدھ کے دن عکا کے نواح میں آیا۔ گویا اس نے طبریہ اور عکا کے مابین واقع بستیوں پر صرف ایک دن کے وقفہ میں قبضہ کر لیا۔ جب اس کی فوجیں عکا کے نواح میں اتریں تو شہر کے لوگ شہر پناہ کے اونچے اونچے برجوں اور میناروں پہ اس طرح چڑھ گئے جیسے صلاح الدین کو چیخ چیخ کر، اپنی شہر پناہ کی اونچائی اور ناقابلِ تسخیر بلندی پہ متوجہ کر رہے ہوں۔

سلطان نے ان لوگوں کو شہر پناہ پہ چڑھے دیکھا تو بڑا تعجب کیا۔ کیونکہ یہ لوگ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی پیادہ اور سوار فوج ابھی ایک بڑے معرکہ میں کام آچکی ہے اور وہ بادشاہ سے مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتے۔[2]

صلاح الدین شہر والوں کی اس حرکت پر تعجب تو ظاہر کرتا رہا۔ لیکن اس نے ان کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی۔ دوسرے دن اس نے فوج کو لڑائی کے لئے تیار کیا۔ ابھی صفیں مرتب ہو رہی تھیں۔ ابھی شہر پہ حملہ شروع نہ ہوا تھا کہ شہر پناہ کے دروازے اچانک کھلے اور عکا کے شہری موج در موج اور کارواں در کارواں ہاتھوں میں سفید جھنڈے لئے الامان الامان پکارتے سلطان کے سامنے آئے۔ ان میں سے کوئی بھی مسلح نہ تھا۔ ان کے ترجمان نے

[1] ابن کثیر ج ۱۲ ص ۳۲۲

[2] ابن اثیر ج ۱۱ ص ۲۰۲

آگے بڑھ کر بادشاہ سے امان مانگی۔ بادشاہ نے یہ اپیل سُنی اور ان سب کو ان کی جانوں اور اور مال ومتاع کی امان دی۔ نیز انہیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو حسب سابق شہر میں رہیں۔ بادشاہ کی سپاہ ان کی ہر چیز کی حفاظت کرے گی اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دے گی[1]

لیکن پچھلی جنگ کی خبروں نے انہیں بہت متوحش کر دیا تھا اور وہ بہت سہمے اور ڈرے ڈرے تھے۔ اس لئے انہوں نے بادشاہ سے شہر سے نکل جانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے انہیں اجازت عطا فرما دی۔

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو کچھ اٹھا سکے یا سامان اٹھانے والے جانوروں پر لاد سکے لادے گئے اور شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا[2]

جمعہ کا دن تھا جب صلاح الدین اور اس کی فوج عکا کے شہر میں داخل ہوئی اور بازاروں سے گزرتی جامع مسجد کے سامنے آن رکی۔ یہ جامع مسجد کئی سو سال تک متواتر جامع مسجد رہی تھی مگر نوّے سال پیچھے جب عیسائیوں نے عکا فتح کر لیا اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا تو اس کو کلیسا میں تبدیل کر لیا۔ سلطان نے اسے پھر مسجد بنا دیا۔ اس دن جمعہ کی نماز وہیں پڑھی اور شہر کے انتظامات پر توجہ کی۔ شہر کی حکومت اس نے اپنے بیٹے الافضل کے سپرد کی۔ شہر کے اندر و باہر جتنی جائدادیں اقطاعیہ کے ناٹوں کی ملکیت تھیں۔ وہ سب کی سب الفقیہ عیسیٰ کے سپرد کر دیں۔ باقی سامان ومتاع فوج کے حوالے کیا۔

ابن اثیر کا بیان ہے اس شہر میں ابھی تک بہت مال ومتاع جوں کا توں پڑا تھا شہر کے لوگ ڈر کے مارے بہت تھوڑا سامان یہاں سے جاتے وقت ساتھ لے جا سکے تھے۔ حتیٰ کہ سونا، چاندی، جواہرات، سقلاط اور دوسرا بہت سا قیمتی سامان یہیں چھوڑ گئے تھے۔

یہ شہر ساحلی مقام ہونے کے سبب بہت بڑا تجارتی مرکز تھا اور شہر کے تاجروں کی دوکانیں اور مکان ڈھیروں سامان تجارت سے بھرے پڑے تھے۔

صلاح الدین اور الافضل نے یہ سارا سامان بغیر کسی تخصیص کے تمام فوجیوں میں

[1] ابن اثیر جز ۱۱ ۲۰۲
[2] العماد الکاتب ۲۰۰

باٹ دیا۔

صلاح الدین عکا پر قبضہ کرنے کے بعد کچھ دن یہاں ٹھیرا۔ یہ چونکہ ایک بڑا مقام تھا اس لئے اس کے نظم ونسق کی اصلاح کے لیئے اسے کافی توجہ دینی پڑی۔ صلاح الدین ابھی یہیں تھا کہ اسے خبر ملی۔ اس کا بھائی العادل مصر سے چل کر حصن مجدل یابا پہنچ چکا ہے۔ اور اس نے اسے فتح کر کے اس کی غنیمتوں سے جھولی بھر لی ہے۔

ابن اثیر ج۱۱
۲۰۴
العماد
۱۳۱

عکا کے قیام کے دوران ہی میں سلطانی فوج، الناصرہ، قیساریہ، حیفا، صفوریہ، معلیا شقیف، الفولہ اور دوسرے قصبات میں پھیل گئی تھی۔ اور یہ سارے مقامات اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے تھے۔

ان کے علاوہ تقی الدین عمر تبنین اور جور جا پہنچے تھے اور حسام الدین عمر نے نابلس اور سبطیہ فتح کر لئے تھے۔ ابن اثیر تبنین کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صلاح الدین نے اپنے بھتیجے تقی الدین عمر کو جب تبنین بھیجا تو تقی الدین عمر نے وہاں پہنچ کر چچا کو لکھا تبنین کی شہر پناہ بہت مضبوط ہے اور اس کی فتح آسان نہیں ہے۔ اس لیئے آپ بھی تشریف لائیے۔

اس کی درخواست پر سلطان بھی وہاں گیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ پہاڑ پر بنا تھا۔ اور اس کی شہر پناہ آسمان سے باتیں کرتی تھی۔ سلطان نے اس کے محاصرہ میں اس درجہ شدت برتی کہ محصورین کے حوصلے پانچ دن کے اندر اندر ہی شکست ہو گئے۔

ابن اثیر کہتے ہیں شہر کے لوگوں نے بادشاہ کی خوشنودی پانے کے لئے سو مسلمان قیدی جو نہ جانے کب سے تبنین کی جیلوں میں بند تھے، رہا کر کے بادشاہ کے پاس بھیجے۔ سلطان ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے انہیں عمدہ عمدہ لباس پہنائے ان کی خوب دلجوئی کی اور پھر ان کی جھولیاں سونے اور چاندی کے سکوں سے بھر کر انہیں ان کے گھروں کو بھیج دیا۔

چھٹے دن شہر کے لوگوں نے امان مانگی اور ایک باقاعدہ سفارت سلطان کے حضور بھیجی۔ بادشاہ نے شہر والوں کے مطالبات مان لئے۔ انہیں امان دی اور اپنے آدمیوں کے ذریعہ انہیں ان جگہوں پر پہنچوا دیا۔ جہاں جہاں انہوں نے جانا چاہا[1]۔

[1] ابن اثیر جز ۱۱ ص ۲۰۳ – العماد الکاتب ۳۶

سلطان کی شرافت اور انسانی ہمدردی کی یہ دوسری مثال تھی اور عیسائی شہریوں نے یہ پہلی بار مشاہدہ کیا تھا کہ ایک بادشاہ، دوسری قوم کے افراد سے ان پر فتح پانے کے باوجود کس درجہ حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے۔

العماد الکاتب کا بیان ہے کہ تبنین کے محاصرہ سے پہلے الفولہ فتح ہوا۔ الفولہ بہت مضبوط، خوبصورت اور نفیس قلعہ تھا۔ یہ عیسائیوں کے مخصوص دستہ الداویہ کا بڑا مرکز تھا۔ جب اسلامی فوج وہاں پہنچی تو الداویہ کے باقی ماندہ افراد نے شہر پناہ سے باہر آن کر اس سے مقابلہ کیا اور خوب دادِ شجاعت دی۔ لیکن آخر کار شکست کھائی[2]۔

[2] العماد الکاتب ۳۵

تبنین کے بعد بادشاہی فوج صرفند گئی۔ العماد الکاتب کہتے ہیں کہ شام کا یہ ساحلی مقام بڑا خوبصورت اور لطیف تھا۔ قدم قدم پر پھولوں کی روشیں بہار دے رہی تھیں۔ نارنجی اور سنگترے کے باغات چاروں طرف پھیلے تھے۔ العماد الکاتب بھی اس فوج کے ساتھ تھے۔ جو صرفند آن کر رُکی تھی۔ فوج یہاں سستائی، باغات میں پھری۔ خوب پھل کھائے اور پھولوں سے جھولیاں بھر کر صیدا کی طرف بڑھی[3]۔ جیسے ہی اسلامی فوج صیدا کے قریب آئی۔ صیدا کے شہر کے حاکم نے شہر کی کنجیاں سلطان کی خدمت میں بھجوا کر امان طلب کی۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کی اور امان عطا فرما دی۔

[3] العماد الکاتب ۳۸

ابنِ اثیر فرماتے ہیں۔ صیدا پر اسلامی قبضہ ۲۱ جمادی الاولیٰ کو ہوا[4]۔ پھر بیروت کی باری آئی۔ موجودہ لبنان کا دار الخلافہ بیروت اس وقت بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا یہ خوبصورت شہر ٹھنڈی اور سرسبز پہاڑیوں سے لپٹا سمندر تک پہنچتا ہے۔ اس کی العالیہ پہاڑی آج بھی ویسی ہی دلفریب ہے جیسی اس وقت تھی جب سلطان صلاح الدین وہاں

[4] ابن اثیر جز ۱۱ ص ۲۰۴

پہنچا تھا۔ اس کا قلعہ اپنی مضبوطی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا۔ یاد ہوگا کہ جب صلاح الدین نے مصر سے شام آنے کے بعد موصل کا محاصرہ کیا تھا اور ناکام ہوا تھا تو بیروت کی راہ لی تھی۔ بیروت کے قلعہ نے متواتر کئی مہینے تک اس کی ہر شدت اور ہر جذباتیت کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کی شہر پناہ نے سلطان کی ہر منجنیق کو شکست دے دی تھی۔ یہی بیروت اب پھر سلطان کے سامنے تھا۔ سلطان کو شہر پناہ سے قریب آتے دیکھ کر بیروت کے شہری ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر برجوں پر چڑھ گئے۔ گو انہوں نے سلطانی فوج پر تیروں اور پتھروں کی خوب بارش کی۔ گو انہوں نے شہر سے نکل نکل کر سلطانی فوج پر بہت زور کے حملے کئے تھے۔ لیکن ان کی یہ ساری کوششیں آٹھ دن کے اندر اندر ناکام ہو گئیں، اور نویں دن یعنی ۲۹ جمادی الاول کو سلطانی علم بیروت کی پیشانی پر لہرانے لگا۔[۱]

۱ ابن اثیر، العماد

العماد الکاتب فرماتے ہیں کہ سلطان ابھی بیروت ہی میں تھا کہ دمشق کے نائب السلطنت نے سلطان کو ایک مراسلہ بھیجا کہ جبیل کے امیر اوک نے اس سے اس شرط پر مصالحت کر لی ہے کہ جبیل اسلامی فوج کو لڑے بغیر دے دیا جائے گا۔ بشرطیکہ سلطان اسے رہائی بخش دے۔ امیر اوک صاحب جبیل ان بڑے عیسائی جاگیرداروں میں سے ایک تھا جو حطین کی لڑائی میں قیدی بنائے گئے تھے۔ سلطان نے یہ شرط منظور کر لی۔ اوک کو رہائی دے دی اور جبیل بغیر کسی قسم کی خونریزی کے سلطان کے سپرد کر دیا گیا۔[۲]

۲ العماد، ابن اثیر ۵

العماد الکاتب جبیل و بیروت پر اسلامی قبضہ کی کیفیت لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ صیدا، بیروت اور جبیل کے اکثر باشندے مسلمان تھے۔ اب تک وہ بڑی ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ سلطان نے انہیں ذلت کے بعد عزت بخشی۔ ان کی چھنی ہوئی مساجد انہیں واپس کیں اور حکومت و سیاست میں شریک کیا۔

بیروت کی فتح کے بعد سلطان عسقلان کی طرف چلا۔ العماد الکاتب اور مورخ ابن اثیر کے بیانات کی رو سے عسقلان کی فتح سلطان کے نزدیک بہت اہمیت رکھتی تھی۔ کیونکہ شہر مصر اور

شام کے رستے میں واقع تھا۔ ادھر سے سلطان بیروت سے عسقلان آیا۔ ادھر سے اس کا بھائی العادل وہاں پہنچا، دونوں بھائی عسقلان میں ایک دوسرے سے ملے العادل کے ساتھ مصری فوج بھی تھی ۱۵ جمادی الآخر کو اتوار کے دن عسقلان کے قریب اترے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہر اپنی مضبوطی کے سبب بہت ہی محفوظ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس میں رہنے والوں کے حوصلے بہت بلند تھے۔ انہوں نے محاصرہ کی شدت اور منجیقوں کی گولہ باری بڑے حوصلہ سے برداشت کی۔

البتہ ابنِ اثیر کا بیان ہے محاصرہ کو چودہ دن ہو چکے تو شہر والوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ پندرھویں دن انہوں نے سلطان سے جان و مال و آبرو کی امان مانگی جب سلطان نے انہیں امان دے دی تو شہر کے دروازے اس پر کھول دیئے اور خود بیت المقدس کی راہ لی سلطانی فوج ان کی حفاظت کرتی بیت المقدس تک ان کے ساتھ گئی اور ان کی جان و مال و اولاد و آبرو کسی چیز پر حرف نہ آنے دیا۔[1]

العماد الکاتب فرماتے ہیں کہ عسقلان آتے وقت سلطان نے الرملہ، ابنی، بیت لحم، اور الخلیل بھی فتح کر لئے تھے۔ مگر ابن اثیر کا بیان ہے سلطان نے یہ مقامات عسقلان کی فتح کے بعد عسقلان کے دورانِ قیام میں فتح کئے۔ اس نے عسقلان فتح ہوتے ہی اپنی فوج کے مختلف دستے، آس پاس کے مقامات اور قلعوں کی طرف روانہ کر دیئے تھے۔ خود عسقلان میں مقیم رہا

یہ الرملہ، الدارم، غزہ، مشہد ابراہیم تبنین، بیت لحم، بیت جبریل اور النطرون تھے۔[2]

بیت المقدس میں

ابن اثیر فرماتے ہیں سلطان اس وقت تک عسقلان میں رہا۔ جب تک آس پاس کے مقامات فتح نہ ہو گئے اور جب تک امیر البحر لولو شاہی بحری بیڑہ کے ساتھ عسقلان نہیں آن پہنچا۔ ابن اثیر کے بیان کی رو سے سلطانی فوج جب عسقلان اور اس کے نواح میں مصروف تھی تو یہ شاہی بیڑہ سمندر میں موجود تھا۔ وہ اس بحری راہ کی حفاظت کر رہا تھا جو مصر کو جاتی تھی لولو جس افرنگی یا مغربی بیڑہ کو سمندر کی سطح پر تیرتا دیکھتا اس پر حملہ آور ہو جاتا۔

سلطان نے عسقلان کی فتح سے فراغت پالی تو یہ بیڑہ عسقلان ٹھیر گیا۔ اور خود سلطان، مصری اور شامی فوج کی معیت میں بیت المقدس کی طرف بڑھا جس کی فتح سلطان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی۔

ابن شداد سلطان کی اس بڑی آرزو کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں سلطان نے جیسے ہی عسقلان اور اس کے ملحقات پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی آرزو کو بروئے کار لانے کی جد و جہد شروع کی۔ اس نے اپنی تمام وہ افواج جو ساحل پر پھیل گئی تھیں یکجا کیں اور ان سب کو لے کر خدا پر بھروسہ کر کے فتح باب الخیر پر متوجہ ہوا۔

۵ ابن شداد ۵۳

وہ پندرہ رجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس پہنچا۔ یہ بیت المقدس وہی ہے جہاں سے حضور معراج کے لئے آسمان کی طرف تشریف لے گئے تھے وہاں وہ

صحرا ہے۔ جو کعبتہ اللہ کے بعد سب سے متبرک اور مقدس سمجھا جاتا ہے۔ وہاں وہ مسجدِ اقصیٰ ہے جس کے ماحول کو قرآن نے بابرکت قرار دیا ہے۔

جس کے متعلق قرآن کہتا ہے۔

الذی بارکنا حولہٗ

سچ مچ وہ جگہ کتنی مبارک ہو گی۔ جہاں ابراہیم و عیسیٰ جیسے بڑے پیغمبروں نے آرام فرمایا۔ جس کی طرف مسلمان مُنہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ جو ان کا قبلہِ اول تھا، جہاں کی چپہ چپہ زمین، بزرگ انبیا کی مبارک نعشوں کی زمین ہے۔ جہاں، حضرت مریم قدم رنجہ فرمایا کرتیں۔ جہاں حضرت ذکریا خدا کے حضور اپنی پیشانی ٹیکا کرتے۔ جس کی بنا حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھی، جس کی دیواریں حضرت سلیمان نے اوپر اٹھائیں۔ جہاں اس ملت کے سب سے بزرگ خلیفہ حضرت فاروق اعظم تشریف لائے جہاں انہوں نے نماز پڑھی اور خطبہ ارشاد فرمایا

یہ یقیناً ایسی جگہ تھی جس کا حصول ہر مسلمان کے لیے ضروری اور جس کے لئے لڑنا ہر مسلمان کا فریضہ تھا۔

سلطان جس وقت بیت المقدس آیا تو وہاں ساٹھ ہزار عیسائی سپاہ ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح موجود تھی۔ عیسائیوں کا بطریک اعظم، رملہ کا بالیان اور الداویہ کے کئی اور مشہور شاہسوار بھی وہیں تھے۔ حطین سے جتنے سپاہی بھاگ سکے تھے وہ بھی یہیں آن بسے تھے۔ نیز عسقلان، عکا اور دوسرے نو مفتوحہ شہروں کی آبادی نے بھی یہیں پناہ لی تھی۔

یہ سارے لوگ عزم کر چکے تھے کہ اپنی اس آخری پناہ گاہ کی مدافعت ہر قیمت پر کریں گے۔ وہ اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں اس کی حفاظت میں لڑا دیں گے۔ وہ اپنے مال کی ایک ایک پائی خرچ کر دیں گے اور اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں گے مگر

صلاح الدین کو اس پر قابض نہ ہونے دیں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی تعداد بہت تھی، ان کے پاس کھانے پینے کے سامان کی بھی کمی نہ تھی۔ ان کے پاس بہت کافی اسلحہ بھی تھا۔ سونے اور چاندی کے انبار بھی تھے اور حوصلے بھی بلند تھے۔ لیکن اس ہر بات کے باوجود سلطان بھی فیصلہ کر چکا تھا کہ بیت المقدس فتح کرے گا اور اس کی دیواروں سے اس وقت نہ ہٹے گا۔ جب تک شہر کے دروازے اس پر کھل نہ جائیں۔

ابن اثیر کا بیان ہے "ابھی سلطان بیت المقدس نہ پہنچا تھا کہ اس کے مقدمۃ الجیش کے ایک سردار نے بے احتیاطی اور عدم تدبر سے کام لے کر از خود پیش قدمی کی، اور دشمن کی ایک بڑی فوج سے جو بادشاہ کی راہ روکنے کے لئے عسقلان کی طرف بڑھ رہی تھی، الجھ بیٹھا۔ اس کے ساتھی بہت تھوڑے تھے اور اس فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی کام آیا اور اس کے ساتھی بھی شہید ہو گئے

یہ نیک فال نہ تھی۔ مسلمانوں کی اس جماعت کی شہادت کی خبر بڑی فوج کے لئے بہت پریشان کن اور افسوس ناک بنی۔ مسلمانوں نے ان کی شہادت پر بہت رنج کیا۔ لیکن اس کے باوجود سلطان آگے بڑھا اور بیت المقدس کے سامنے آن رکا شہر میں جس کثرت سے لوگ جمع تھے۔ اس کا اندازہ اس شور سے خوب ہوا جو شہر سے بلند ہو رہا تھا۔ سلطان متواتر پانچ دن تک بیت المقدس کے ارد گرد گھومتا رہا تاکہ شہر پناہ کا کوئی ایسا حصہ معلوم کر سکے۔ جہاں فوجیں اتاری جا سکیں اور جہاں سے شہر پر حملہ آسان ہوتا۔

سلطان کو پانچ دن کی متواتر جدوجہد کے بعد شمال کی سمت ایسی معلوم ہوئی جو نسبتاً زیادہ کمزور تھی۔ یہ جگہ باب عمود یا کنیسا صیہون کے قریب تھی۔ بیس رجب کو سلطان اپنی ساری فوج یہیں لے آیا۔ یہ رات کا وقت تھا جب سلطانی فوج اس

سمت منتقل ہوئی، رات ہی رات میں سلطانی منجنیقیں اس سمت نصب کر دی گئیں۔
اور دوسری صبح منجنیقوں نے اپنا کام شروع کر دیا[1]

العماد الکاتب کے بیان کی رو سے منجنیقیں پتھر بھی برسا رہی تھیں اور آگ بھی
اگل رہی تھیں[2]

ابن کثیر فرماتے ہیں سلطان نے جب اپنی فوج بیت المقدس کے ارد گرد اتاری
تو ہر دستہ فوج کے لئے شہر پناہ کا ایک ایک حصہ اور برج مخصوص کر دیئے۔ اس حصہ
اور برجوں کی تسخیر ان لوگوں کے ذمہ تھی جو وہاں متعین کئے گئے تھے خود آپ سلطان
نے اپنے مخصوص دستہ فوج کے ساتھ شمالی دیوار کا رُخ کیا تھا۔[3]

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا۔ بیت المقدس میں ساٹھ ہزار لڑاکا سپاہی موجود تھے
ان لڑاکا سپاہیوں نے مشہور شاہسواروں کی قیادت میں سلطان کو ناکام بنانے کی بہت
جدوجہد کی، روزانہ مضبوط ٹولیوں میں بٹ کر شہر پناہ کے دروازوں سے باہر آتے،
اور سلطانی فوج سے بڑے تہور اور بہادری سے لڑتے۔ وہ خود بھی مرتے اور سلطانی فوج
کے سپاہیوں کے خون سے بھی ہاتھ رنگتے۔ متواتر کئی دن تک یہ مقابلہ جاری رہا[4] سلطانی
فوج میں سے کئی ناموران لڑائیوں میں کام آئے۔

لڑائی کی آگ، گو دن پر دن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ گو بیت المقدس کے رہنے
والے بڑی بہادری سے مدافعت کر رہے تھے۔ لیکن شہر پناہ کافی کمزور ہو چکی تھی اور
سلطانی منجنیقوں نے بھاری پتھر پھینک پھینک کر اس کے کئی برج توڑ ڈالے تھے۔

خصوصیت سے وہ شمالی سمت جہاں صلاح الدین ڈیرے ڈالے تھا۔ سب
سے زیادہ ٹوٹ چکی تھی اور جو کسر باقی رہ گئی تھی۔ وہ سلطان کے مخصوص نقب لگانے
والوں نے پوری کر دی۔ انھوں نے نہ صرف دیوار میں نقب لگائی۔ الزاویۃ الشرقیہ
کو قطعاً جلا دیا[5] محصورین اس سمت کو ایک بڑی فوج لے کر آئے تھے اور اس نے

[1] ابن اثیر جزء ۱۱ ص ۲۰۰
[2] العماد الکاتب ۔ ۴۹ ابن شداد ۴۵ ابن خلدون جزء ۵ ۳۰۹
[3] ابن کثیر جزء ۱۲ ۳۲۳
[4] ابن خلدون جزء ۵ ۳۰۹ ابن اثیر جزء ۱۱ ۲۰۰ ابن شداد
[5] ابن کثیر جزء ۱۲ ص ۳۲۴

اس ٹوٹی ہوئی دیوار اور جلے ہوئے بُرج کے قریب کھڑے ہو کر بڑی جرأت سے لڑائی کی گو اس نے ایک ایک پتھر کو مشہد کی صورت دے دی۔ لیکن اصل صورتِ حال نے عمائدینِ شہر اور سپہ سالارانِ فوج کے حوصلے توڑ ڈالے اور انہوں نے ایک سفارت صلاح الدین کی خدمت میں بھیج کر مصالحت کی درخواست کی۔

شہر پناہ، چونکہ قریب قریب ٹوٹ چکی تھی اور سلطان اور اس کی فوج نے اس کے توڑنے میں بڑی جدوجہد کی تھی۔ نیز سلطان کو یاد تھا کہ جب ۴۹۲ھ ہجری میں عیسائیوں نے بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ سے چھینا تو ان سے مصالحت نہ کی تھی۔ ان کی درخواست رد کر دی تھی اور ان کا قتلِ عام کیا تھا۔ اس لئے اس نے عزم کیا تھا کہ شہر والوں کو (ابن خلدون ۵ ۳۰۹) امان نہ دے گا۔

مگر عیسائی، دوسروں کے ساتھ تو ہر زیادتی کرنے کے عادی ہیں۔ خود زیادتی کے متحمل نہیں ہوتے۔ ابن خلدون اور ابن کثیر کا بیان ہے کہ جب سلطان نے درخواستِ مصالحت رد کر دی تو بیت المقدس کا والی "بالیان بن بازران" اپنی ذات کے لئے امان لے کر سلطان کے حضور حاضر ہوا اور دھمکی دی کہ اگر آپ نے ہماری درخواست قبول نہ کی تو ہم ان تمام مسلمانوں کو قتل کر دیں گے جو ہمارے ہاں قید ہیں (ان قیدیوں کی تعداد چار ہزار کے قریب تھی[1]) نہ صرف ان قیدیوں کو قتل کر دیں گے۔ "اپنی تمام عورتیں (ابن کثیر ج ۱۲ ۳۴۳) اور بچے بھی ذبح کر دیں گے اور تمام مقدس عمارتوں اور ساز و سامان کو آگ لگا دیں گے۔"

یہ دھمکی وقوع میں آسکتی تھی، صلیب کے پرستار پادری اس قسم کی قومی خودکشی کے پرانے عادی تھے۔ مگر بادشاہ ایک مسلمان تاجدار تھا۔ اسلام کے نزدیک اس قسم کی زیادتی اور جبر نہ گوارا ہے اور نہ اس کا ارتکاب کوئی مسلمان تاجدار کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہوئی کہ سلطان نے اس دھمکی کے سبب اپنا عزم توڑ دیا اور بیت المقدس کے

---

[1] ابن خلدون نے قیدیوں کی تعداد پانچ ہزار لکھی ہے۔ جز ۵، ۳۰۹

لوگوں سے مصالحت کر لی۔

لین پول نے صلاح الدین کے حملۂ یروشلم کے آغاز میں ایک داستان لکھی ہے۔ جو دلچسپ بھی ہے اور غور طلب بھی۔

وہ کہتا ہے کہ سلطان نے جب عسقلان فتح کیا تو اس نے تاجروں کی ایک جماعت یروشلم روانہ کی اور پیغام دیا کہ یروشلم کے لوگوں سے کہے۔ یروشلم تمہارے اور ہمارے نزدیک یکساں محترم و معزز ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اس کا محاصرہ کروں یا اس پر پتھر برساؤں"۔

سلطان کا یہ پیغام جب یروشلم والوں کو ملا تو انہوں نے ساٹھ ہزار تلواروں کے دستوں پر ہاتھ رکھ کر گردنیں اکڑا اکڑا کر اسے رد کر دیا اور قسم کھائی کہ ہم کبھی یروشلم کو مسلمانوں کے حوالے نہ کریں گے[1]

یہ قسم اب ٹوٹتی نظر آئی تو انہوں نے دوسری قسم کھائی کہ اگر سلطان نے ان سے صلح نہ کی اور ان کے جان و مال اور اولاد و ازواج کو امان نہ دی تو وہ اپنی ساری قوم کو مار ڈالیں گے۔

رحمدل صلاح الدین نے پہلے بھی لڑنا نہ چاہا تھا اور اب بھی اس نے یہ زیادتی گوارا نہ کی۔ لین پول اس موقع پر اعتراف کرتا ہے کہ سلطان نے اپنے دل کی پکار بھی سنی تھی وہ دل سے نہ چاہتا تھا کہ عیسائی عبادت گزاروں اور نیکوکاروں پر اس کی تلوار اٹھے۔

چنانچہ ایک معاہدہ مرتب ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے بیت المقدس کے ہر شہری پر دس اشرفی زرِ فدیہ عائد ہوا۔ عورتوں پر پانچ اشرفی اور بچوں پر ایک اشرفی لگی۔

غریبوں کو زرِ فدیہ سے مستثنیٰ تو نہیں رکھا گیا۔ البتہ ان کے لئے سلطان کی طرف سے پابندی لگائی گئی کہ مرحوم ہنری کے خزانہ میں سے جو بیت المقدس میں موجود تھا۔ تیس ہزار اشرفیاں مخصوص کی جائیں۔ یہ اشرفیاں ان کے زرِ فدیہ کے طور پر کام آئیں۔

[1] لین پول ۱۹۶

لین پول کا بیان ہے "سلطان نے یہ شرط اس لئے عائد کی تھی کہ اس نے عیسائیوں
کے مظالم سے تنگ آن کر قسم کھائی تھی کہ وہ بیت المقدس پر بزورِ تلوار قبضہ کرے گا اور فقہا
نے فتوٰے دیا تھا کہ شرعی لحاظ سے یہ قسم اس وقت پوری ہوگی جب شہریوں۔کے بدلہ میں
لین پول ۲۰۱ — زرِ فدیہ لیا جائے گا اور وہ سب قیدی متصور ہوں گے

اس شرائط نامہ پر جمعہ کے دن فریقین نے مہریں ثبت کیں۔

لین پول کہتا ہے۔جب بالیان معاہدہ پر دستخط کرنے کے بعد بیت المقدس میں
داخل ہوا تو لوگوں نے رو رو کر یہ معاہدہ سنا، گو ان کی جانیں بچ گئی تھیں اور وہ اس پر
مشکور تھے مگر مہدِ عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی جدائی انہیں بہت شاق تھی۔وہ رو رو کر
دیواروں سے لپٹتے اور چیختے اور چلاتے۔

لین پول اعتراف کرتا ہے:

"صلاح الدین نے کبھی پہلے خود کو ایسا عالی ظرف اور باہمت بہادر نائٹ ثابت
نہ کیا تھا۔جیسا کہ اس موقع پر کیا۔جبکہ یروشلم مسلمانوں کے سپرد کیا جا رہا تھا۔اس کے
حکام نے کسی قسم کی زیادتی کی اجازت کسی سپاہی کو نہ دی اور کوئی ایک واقعہ بھی
ایسا پیش نہ آیا کہ کسی ایک عیسائی شہری پر زیادتی کی گئی ہو۔

شہر سے باہر جانے کے راستوں پر سلطانی فوج پہرہ دے رہی تھی جو شہری
زرِ فدیہ ادا کر دیتے وہ بڑی آسانی اور پوری سہولت کے ساتھ شہر سے باہر نکل آتے۔[ع]

[ع ۳،۲] لین پول ۲۰۲ ابن خلدون جزء ۵ ۳۱۰ ابن اثیر جزء ۱۱

لین پول ہی کا بیان ہے کہ جن شہریوں کے پاس زرِ فدیہ ادا کرنے کو نقد روپیہ نہ تھا
ان کا سامان مسلمان تاجروں نے خریدا اور اس طرح انہیں زرِ فدیہ کی رقم مل گئی۔[ع]

لین پول کے پہلے بیان کی تصدیق حسب ذیل مورخین نے کی ہے:-

ابن کثیر، ابن اثیر، ابن خلدون اور العماد الکاتب۔[ع]

معاہدے کے مطابق بالیان نے تیس ہزار اشرفیوں کے عوض اٹھارہ ہزار اشخاص کو شہر سے

[ع] ابن کثیر جزء ۱۲ ۳۲۳ ابن خلدون ۳۰۹ ۳۱۰ ابن اثیر جزء ۱۱ العماد الکاتب

جانے کی اجازت دلائی۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جو یا تو بالیان کے حاشیہ نشین تھے یا مفلس تھے زر نہ رکھتے تھے۔ خود صلاح الدین کے امرا نے بھی کئی لوگوں کا زرِ فدیہ اپنی طرف سے ادا کیا۔

ابن اثیر فرماتے ہیں اس طرح زرِ فدیہ کی بہت تھوڑی رقم خزانۂ شاہی میں داخل ہو سکی۔ قدس میں بیت المقدس کے لوگوں کے علاوہ کئی باہر کے لوگ بھی تھے۔ ان میں سے کئی خواتین روم کے شاہی خاندان سے تھیں۔ خصوصیت سے ایک تو ملکۂ روم تھی جو اپنے خدم و حشم اور لونڈیوں باندیوں کے ساتھ یروشلم آئی تھی۔ ملکہ روم نے سلطان سے خصوصی طور پر اپنے خدّام اور باندیوں کے لئے امان مانگی۔ سلطان نے نہ صرف امان دی اسے بڑے احترام کے ساتھ بیت المقدّس سے رخصت کیا۔ یروشلم کی ملکہ بھی قدس ہی میں تھی۔ سلطان نے اسے بھی خصوصی امان دی اور اسے اور اس کے خدام کو، ہر قسم کے ساز و سامان کے ساتھ بیت المقدّس سے باہر جانے کی اجازت عطا فرمائی۔ سفر کی سہولتیں بھی مہیّا کیں اور سپاہی بھی دیئے۔ ارناط صاحبِ الکرک کی بیوہ بھی ان لوگوں میں سے تھی جسے سلطان کی طرف سے خصوصی پروانۂ سفر بھی ملا اور تمام مال و متاع ساتھ لے جانے کی اجازت بھی عطا ہوئی۔

جب یروشلم کا بطریکِ اعظم، قدس سے چلا تو اس کے ساتھ بے اندازہ مال و متاع تھا۔ اس کے پاس صخرہ، اقصیٰ اور قمامہ جیسے بڑے کلیسوں کے خزانے تھے۔ ان خزانوں میں کتنی دولت تھی۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ وہ اپنے ساتھ بے اندازہ مال و دولت لے جا رہا ہے۔ سلطان نے اس سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اس سے صرف دس اشرفیاں وصول کیں اور باقی کا کوئی حساب نہ مانگا۔

جب وہ اپنے خزانوں کے ساتھ قدس سے جانے لگا تو لوگوں نے سلطان سے کہا۔ اس کے خزانے اس سے چھین لیے جائیں۔ یہ مسلمانوں کے کام آئیں گے مگر سلطان نے

ان کو جواب دیا۔ میں دھوکا نہیں کروں گا۔ میں اس سے دس دینار کے سوا ایک حبہ وصول نہیں کروں گا کہ یہی معاہدہ کی شرط ہے۔

ابن اثیر کے الفاظ ہیں:

فقیل لہٗ لیاخذ ما معہٗ یقوی بہ المسلمین فقال لا اغدر ولم یاخذ منہٗ غیر عشرۃ دنانیر[۱]

لین پول، اسی داستان کو دہراتا ہوا کہتا ہے۔

تقدس مآب بطریک یروشلم جو اخلاق و ایمان دونوں سے عاری تھا۔ اس نے گرجاؤں کی دولت سمیٹی، سونے کے پیالے اور آب مطہر رکھنے کا سامان حتیٰ کہ مہد مسیح پر جو طلائی ظروف رکھے تھے۔ اپنے قبضہ میں کئے اس کے ساتھ اپنا ذاتی اندوختہ جو بہت تھا محفوظ کر لیا۔ یہ جمع کی ہوئی دولت اتنی تھی کہ اگر چاہتا تو بہت سے عیسائیوں کا زرِ فدیہ دے کر آزاد کرا لیتا۔[۲]

العماد الکاتب اس موقعہ پر موجود تھا جب بطریکِ اعظم اپنے خزائن بیت المقدس سے باہر بھیج رہا تھا۔ اس نے اعتراض کیا۔

فقلت للسلطان ھذہٖ اموالٌ وافرۃ واحوالٌ ظاھرۃ تبلغُ مائتی الف دینار، والامان علی اموالھم لا اموال الکنائس والادیار، فلا تترکھا فی ایدی ھولاء الفجار فقال اذا تاولنا علیھم نسبونا الی الغدر وھم جاھلون بسر ھذا الامر فنحن نجریھم علی ظاھر الامان ولا نترکھم یرمون اھل الایمان بنکث الایمان۔[۳]

میں نے سلطان سے کہا، یہ بڑی دولت ہے اور دو لاکھ دینار سے کم نہیں ہے۔

ہم نے انہیں امان ان کی دولت و مال پر دی ہے۔ کنیسوں کے مال کو امان نہیں دی

[۱] ابن اثیر ۱۱: ۵۰۲

[۲] لین پول

[۳] العماد

گئی۔ اس لئے آپ اس دولت کو ان فجار کے پاس نہ رہنے دیں۔ سلطان نے جواب دیا۔ اگر ہم نے کوئی تاویل کی اور ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ ہمیں، غدر اور بے وفائی کا طعن دیں گے۔ وہ چونکہ جاہل ہیں اور ان رموز کو نہیں سمجھتے۔ اس لئے ہم امان کے ظاہری مطالب کو ہی ملحوظ رکھیں گے تاکہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ اور غدر کا الزام نہ دے سکیں"۔

معاہدہ کی رو سے چالیس دن تک زرِ فدیہ ادا کرنے کی مدت مقرر ہوئی تھی۔ چالیس دن گذر گئے تو شہر میں کتنے ہزار ایسے لوگ رہ گئے۔ جن میں زرِ فدیہ ادا کرنے کی ہمت نہ تھی۔ معاہدہ کے مطابق یہ سب لوگ غلام یا اسیر بنائے جا سکتے تھے اور انہیں اصولاً غلامی کی سند مل گئی تھی۔ العماد الکاتب نے ان کی تعداد پندرہ ہزار لکھی ہے۔

گو یہ تعداد بہت کم تھی مگر سلطان کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ اتنے لوگ زرِ فدیہ نہ ادا کرنے کی وجہ سے غلام بنیں۔

جب یہ لوگ انبوہ در انبوہ اپنی غربت کا نوحہ کرتے۔ پریشان و مضطرب تھے تو العادل بھائی کے پاس آیا اور اس سے ایک ہزار قیدی طلب کئے۔ بھائی نے اسے ایک ہزار قیدی دے دیئے العادل نے ان ایک ہزار کو اپنی طرف سے شہر سے باہر جانے کے پروانے عطا کئے۔ العادل کی دیکھا دیکھی بطریکِ اعظم اور بالیان بھی سلطان کے حضور حاضر ہوئے اور العادل کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس سے ایک ایک ہزار قیدی طلب کئے وہ جانتا تھا کہ ان قیدیوں کو یہ لوگ آزاد کر دیں گے۔ اس لئے اس نے ان دونوں کو ایک ایک ہزار قیدی دے دیئے اور دیکھتے دیکھتے تین ہزار مفلس شہری اسیری سے رہائی پا گئے۔

خود سلطان نے جس کا دامنِ کرم العادل اور تمام دوسروں سے بہت وسیع تھا بیت المقدس کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں منادی کرا دی کہ شہر میں جتنے بوڑھے ہیں اور جو ارہائے شہر میں رہ گئے ہیں کہ زرِ فدیہ نہیں رکھتے۔ وہ سب بادشاہ کی طرف سے آزاد کر دیئے

گئے ہیں۔ وہ جہاں چاہیں جا سکتے ہیں۔ اس منادی کا یہ اثر ہوا کہ ایسے تمام لوگ خوشی خوشی شہر سے باہر نکل گئے۔

لین پول نے مورخ ارنوں کے روزنامچہ کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ جو سلطان کی بزرگی کی ایک بڑی عینی شہادت ہے۔ یہ ارنوں بیت المقدس میں اس وقت موجود تھا جب یہ صورت حال پیش آئی تھی۔ یہ کہتا ہے۔ کہ شہر میں کچھ ایسی معزز خواتین بھی تھیں جن کے شوہر حطین کی لڑائی میں یا تو قید ہو گئے تھے یا مارے گئے تھے۔ یہ سب خواتین جب سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے دکھڑے روئے تو سلطان کو ان کے حال پر بہت رحم آیا اور اس نے ان کے ساتھ پوری ہمدردی کی۔ جن خواتین کے شوہر سلطان کی قید میں تھے۔ ان کی رہائی کے فرمان جاری کئے، جن کے شوہر مر چکے تھے ان کو شاہی خزانہ سے اتنی فراخ دلی سے عطیات دیئے کہ وہ عمر بھر کسی دوسرے کی محتاج نہ ہوئیں اور سلطان کی سخاوت کے گیت ساری عمر گاتی رہیں۔

لین پول کہتا ہے "جب ہم سلطان کی ان عنایات کا خیال کرتے ہیں جو سلطان نے بیت المقدس کے مغلوب و مفتوح عیسائیوں پر کیں تو ہمیں اچانک، وہ وحشیانہ حرکات یاد آجاتی ہیں جو پہلے دور کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح کے وقت وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ کی تھیں۔ جب اس دور کے ہیرو گوڈفرے اور تنکرڈ، یروشلم کے ان گلی کوچوں میں سے گزرے تھے جو مسلمانوں کی نعشوں سے اٹے پڑے تھے۔ یہ نعشیں ان مسلمانوں کی تھیں جنہیں عیسائی بہادروں نے اپنے تیروں اور نیزوں سے چھلنی کر دیا تھا اور یہ وہ جگہ تھی جہاں رحم و محبت کے واعظ، حضرت مسیح نے رحم و محبت کا وعظ کیا تھا"[1]

ابن کثیر نے گو سلطان کی بخشش و عطا کی تفصیل بیان نہیں کی۔ لیکن چند اشارے ایسے کئے ہیں۔ جن سے سلطان کے کرم وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں :-

[1] لین پول ۲۰۴

واطلق السلطان خلقاً منهم، بنات الملوك بمن معهن من النساء والصبیان والرجال ووقعت السامحة فی کثیر منهم فشفع فی اناس کثیر فعفا عنهم، وفرق السلطان جمیع ما قبض منهم من الذهب فی العسکر ولم یاخذ شیئاً۔ وکان رحمه الله حلیماً کریماً مقداماً شجاعاً رحیماً، ابن کثیر جزء ۱۲ ۳۲۴

سلطان نے خود اس دن بہت ساری مخلوق رہا کی۔ اس میں سے بادشاہزادیاں بھی تھیں اور ان کی لونڈیاں باندیاں اور خدام بھی تھے۔ بچے بھی تھے اور دوسرے لوگ بھی۔ سلطان نے ان میں سے بہت سوں پر نظرِ عفو کی، اور انہیں زرِ فدیہ معاف کر دیا۔ اس نے بہت سے لوگوں کو سفارش و شفاعت کی بنا پر بھی چھوڑا سلطان کو بیت المقدس سے جو مالِ غنیمت ملا۔ اس میں سے اس نے اپنے لئے کوئی چیز نہیں رکھی۔ ہر چیز فوج میں بانٹ دی۔ مرحوم بڑا حلیم، کریم، بہادر، رحیم اور نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے والا تھا۔

یہ جمعہ کا مبارک دن تھا جب سلطان شہر میں داخل ہوا تھا۔ گو وقت تنگ تھا۔ لیکن اس نے مسلمانوں کے ساتھ جمعہ کی نماز مسجدِ اقصیٰ میں ادا کی، مسجدِ اقصیٰ میں بہت سی صلیبیں رکھی تھیں۔ یہ ساری صلیبیں وہاں سے ہٹا دی گئیں۔ مسجدِ اقصیٰ اور قبۃ الصخرا دونوں کو پاک اور صاف پانی سے دھویا۔ اور گلاب اور مشک کا چھڑکاؤ کیا۔ قبۃ الصخرہ پر جو صلیب عیسائیوں نے نصب کر رکھی تھی۔ سلطان نے اسے بھی اتروایا اور قبہ اور مسجد کو ویسا ہی بنا دیا جیسے کہ وہ شروع اسلامی دور میں تھے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب مسجد اقصیٰ صاف کر لی گئی تو مسلمانوں نے اس میں پہلی نماز جمعہ، شعبان کی چوتھی تاریخ کو پڑھی۔ مؤذن نے اذان دی۔ اور خوش الحان

قاریوں نے قرآن کی تلاوت کی۔ ساری مسجد قرآنی آیات سے گونج اٹھی اور ہر طرف نور ہی نور بھر گیا۔

جمعہ کی نماز کے دن محراب کی جانب منبر نصب ہوا۔ فرش بچھائے گئے۔ ہر چہار طرف قندیلیں لٹکائی گئیں۔

جس وقت جمعہ کی نماز شروع ہوئی تو مسلمانوں کی خوشی و مسرت کا کچھ عجیب عالم تھا۔ ان کے دل، انتہائے مسرت سے پھٹ جانے کو تھے۔ اس دن جمعہ کا خطبہ بادشاہ کے حکم سے قاضی محی الدین نے پڑھا۔ انہوں نے خطبہ کے وقت بادشاہ کی عطا کی ہوئی سیاہ رنگ کی خلعت پہن رکھی تھی۔[1]

ابو شامہ نے اپنی کتاب الروضتین میں یہ خطبہ درج کیا ہے۔ ہم طوالت کے خوف سے اس سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔

ابن کثیر فرماتے ہیں "بیت المقدس کی فتح معمولی فتح نہ تھی۔ سلطان نورالدین مرحوم کو اس کی بڑی آرزو تھی۔ انہوں نے ایک بڑا خوبصورت منبر، اس وقت کے لئے بنوا رکھا تھا۔ کہ جب وہ بیت المقدس کو فتح کریں گے اس کی مسجد میں یہ منبر رکھیں گے مگر یہ سعادت قدرت نے صلاح الدین کے لئے مخصوص کر رکھی تھی۔ سلطان نورالدین کے حصہ میں کیسے آتی۔ البتہ یہ شرف سلطان مرحوم کو ضرور حاصل ہوا کہ ان کا بنایا ہوا منبر مسجدِ اقصیٰ کی زینت بنا۔ سلطان نے یہ منبر حلب سے طلب کر لیا تھا۔[2]

ابن کثیر ہی کا بیان ہے کہ جب سلطان نے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا تو عیسائیوں نے اس کا قبہ الصخرہ چھپا رکھا تھا۔ اس کے ارد گرد کچھ ایسی دیواریں بنا رکھی تھیں کہ جس سے وہ لوگوں کو نظر نہ آتا۔ سلطان نے یہ سب خرافات دور کردیں اور فقیہ عیسیٰ کو حکم دیا کہ قبہ کے ارد گرد لوہے کی خوبصورت جالی بنوا دے۔ سلطان نے قبہ کے لئے ایک امام بھی مقرر کیا اور بہت سا روپیہ بھی وقف کیا کہ اس سے قبہ کے اخراجات پورے ہوتے

[1] ابن کثیر جزو ۱۲ ۳۲۲ ابن خلدون جزو ۵ ۲۰۹ ابن اثیر جز ۱۱

[2] ابن خلدون جزو ۵ ۲۰۹

رہیں۔ اس نے وہاں ایک مدرسہ شافعیہ بھی قائم کیا۔ صوفیوں کے لئے ایک رباط بھی بنوایا۔ اور وہاں رہنے والے فقہا و فقرا کے لئے روزینے مقرر فرمائے[1]

ابن خلدون جزء ۵ ۳۱۰-۳۱۱

ان دونوں عمارتوں میں سلطان نے کئی اور تبدیلیاں بھی کیں اور ان کے ظاہری حسن کو بڑھانے پر غیر معمولی توجہ کی۔ رخام اور فص مذہب قسطنطین اور دوسرا سامانِ آرائش دور دور سے منگوایا اور مسجد اقصیٰ کی دیواروں کو اس سے سجایا۔ ماہر نقاش بھی بلائے گئے۔ انہوں نے مسجد کی چھتوں، دیواروں اور ستونوں پر خوب مینا کاری کی۔

ابن اثیر سلطان صلاح الدین کے اس عظیم کارنامے پر فخریہ انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فعاد الاسلام هناك غضا طريا، وهذه المكرمة من فتح بيت المقدس لم يفعلها بعد عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه غير صلاح الدين رحمة الله وكفاه ذالك فخراً وشرفاً[2]

ابن اثیر جزء ۱۱ ۲۰۹

اس وقت اسلام پھر سرسبز و شاداب ہوا اور اسے ایک بڑی بزرگی نصیب ہوئی۔ حضرت فاروق اعظم کے بعد صلاح الدین کے سوا کوئی دوسرا اسلام کے دامن میں یہ بزرگی نہ ڈال سکا تھا۔

یہ بڑی بزرگی تھی۔ یہ بڑا شرف تھا جو اللہ کے اس مجاہد بندے صلاح الدین کے حصہ میں آیا۔ اس نے بیت المقدس مسلمانوں کو واپس دے کر ان کا جھکا ہوا سر اوپر اٹھا دیا اور ان کی خم کھائی ہوئی گردن کے سارے خم دور کر دیئے۔

صور کا محاصرہ

بیت المقدس کے انتظامات گو فرصت چاہتے تھے۔ خود سلطان کی بھی خواہش تھی کہ اس مقدس گھر میں کچھ دن اور رہے۔ لیکن برابر خبریں آرہی تھیں کہ عیسائی چاروں طرف سے سمٹ کر صور میں جمع ہو رہے ہیں۔ یہ صور فلسطین کا ایک بڑا مضبوط قلعہ تھا جو سمندر کے کنارے کچھ اس طرح بسا تھا کہ جزیرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ایک طرف سمندر موجیں مار رہا تھا اور دوسری دونوں سمتیں گہری خندق کے سبب ناقابلِ عبور تھیں۔ یہ خندق سمندر میں سے ہوتی اور صور کو اپنے حصار میں لیتی پھر سمندر میں جا ملتی تھی۔ اس خندق نے صور کو خشکی سے بالکل الگ کر دیا تھا۔ یہ اتنی گہری اور چوڑی تھی کہ سمندر ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتی۔ اس کے سبب صور اس قدر محفوظ ہو گیا تھا کہ معمولی سے معمولی فوج اس سمت سے بڑے سے بڑے دشمن کا مقابلہ کر سکتی تھی۔

صور کا یہی محلِ وقوع تھا جس کی وجہ سے یروشلم کے عیسائیوں نے سلطان سے آخری لڑائی لڑنے کے لئے اسے منتخب کیا جو کمی باقی تھی۔ اسے مرکیش نے جو اس وقت صور کا حاکم تھا۔ آہن پوش جہازوں کو ساحل پر متعین کر کے پورا کر دیا تھا۔ یہ آہن پوش جہاز صور کے ساحل پر کافی دور تک پھیلے تھے۔ ان پہ بڑی بڑی کمانیں نصب تھیں۔ زہریلے تیروں کے انبار کے انبار لدے تھے کہ دشمن کے حملہ کے وقت جہازی تیر انداز انہیں دشمن پر چلا سکیں

ابن اثیر کہتے ہیں[۵] مرکیش بڑا مدبر، سیاستدان اور حوصلہ مند سپہ سالار تھا۔ وہ اپنے بحری بیڑہ کے ساتھ باہر سے جہاں پہنچا تھا صور کے لوگوں نے اسے اپنا نجات دہندہ تصور کر کے

[۵] ابن اثیر جز ۱۱ ص ۲۱۰

اپنا حاکم چُن لیا تھا۔ یقیناً وہ حکومت کرنے کے لئے پیدا ہُوا تھا۔ وہ جب وہاں پہنچا تو صور کے لوگ بڑے متذبذب تھے۔ انہیں اپنی قوّت پر اعتماد نہ تھا۔ وہ سوچ رہے تھے۔ جب صلاح الدین نے بڑے بڑے مضبوط قلعے سر کر لئے ہیں تو صور بھی سر کر سکتا ہے۔ یہ مرکیش تھا جس نے یہاں کے لوگوں کی ہمتیں بندھوائیں اور تاجروں اور دوسرے مالداروں سے روپیہ جمع کر کے شہر میں غلّے کے انبار کے انبار جمع کئے۔ اسلحہ کے ذخیرے قائم کئے، نئے برج بنوائے اور آہن پوش جہازوں کا بیڑہ تیار کر کے صور کے ساحل کو ہر خطرہ کا مقابلہ کرنے کے قابل بنا لیا۔

ابن اثیر کے بیان کی رو سے یہ بھی مرکیش ہی تھا جس نے نئی خندق کھدوائی تھی اور اسے شہر کے گرد گھما کر شہر کو خشکی سے بالکل کاٹ دیا تھا۔ یہ گو ایک عارضی سا انتظام تھا۔ لیکن اس سے بڑی سے بڑی فوج کا مقابلہ یہاں کی مختصر سی مختصر فوج مدتوں تک کر سکتی تھی

شعبان ۵۸۳ھ کی پچیسویں تاریخ تھی جب سلطان بیت المقدس کے ضروری انتظامات سے فراغت پانے کے بعد صور کی نیّت سے بیت المقدس سے روانہ ہُوا۔ وہ یکم رمضان کو عکا پہنچا۔ ۸ دن وہاں ٹھیرا اور نویں رمضان کو صور کے قریب جا اترا۔ اس نے اپنی چھاؤنی صور سے کچھ فاصلے پر ڈالی۔

سلطان نے ۲۲ رمضان تک صور کا محاصرہ نہیں کیا۔ البتہ وہ روزانہ محاصرہ کی تدابیر سوچتا، سپہ سالاروں اور دوسرے عمائدین کی کانفرنسیں منعقد کرتا اور آلات حرب تیار کرتا رہا۔ ۲۲ رمضان کو سارے انتظامات مکمل ہو گئے تو اس نے پہلی چھاؤنی اکھیڑی اور صور سے ملے ہوئے میدان میں آن اترا۔ اس دن صور کے چاروں طرف سلطانی منجنیقیں نصب ہو گئیں اور شہر پر پتھروں اور آگ کی بارش شروع کر دی گئی۔

سلطان خود ایک اونچے ٹیلے پر ٹھیرا تھا۔ تاکہ پوری چھاؤنی نظر میں رہے اور پوری سپاہ کی نگرانی کر سکے۔ صلاح الدین کے نزدیک یہ لڑائی چونکہ بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ اس لئے

اس نے اپنے بھائی العادل، اپنے بھتیجے تقی الدین عمر اور اپنے بیٹے الملک الافضل کو بھی طلب کر لیا تھا۔ شاہی بحری بیڑہ بھی جو دس عمدہ جہازوں پر مشتمل تھا۔ عکا سے یہاں پہنچ گیا تھا۔ سلطان کا حملہ بڑا مرتب و منظم تھا۔ ایک طرف سے خشکی کی فوج صور پر بڑھ رہی تھی اور دوسری طرف سے بحری بیڑہ اس پر سنگ باری کر رہا تھا مگر جیسے کہ ہم نے پیچھے عرض کیا گی صورتِ حال کچھ اس قسم کی تھی کہ سلطانی فوج شہر کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکتی تھی۔ اس کے تینوں طرف پھیلی وسیع خندق جو اس کی راہ میں حائل تھی۔ سلطانی فوج اس خندق کو پار کرنے کے لئے بڑی مضطرب تھی۔ اس نے بڑی جدوجہد کی، کئی بار جانیں ہتھیلی پر رکھ کر خندق کو پھلانگنے کے لئے بڑھی بھی۔ لیکن شہر پناہ سے اس پر پتھروں اور تیروں کی کچھ ایسی بارش ہوئی کہ وہ ہر بار پسپا ہونے پر مجبور ہو گئی۔ سب سے بڑی دقت اس محاصرہ میں سلطانی فوج کو یہ پیش آئی کہ دشمن کی آہن پوش کشتیاں ساحل کے ساتھ ساتھ پھیلی خندق میں آن داخل ہوئیں اور جس وقت سلطانی فوج کا کوئی دستہ شہر پناہ پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھتا، ان کشتیوں سے اس پر پیچھے سے تیروں کی اس زور کی بارش ہوتی کہ وہ اس کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ جاتا۔

ابن اثیر اور ابن خلدون کے بیانات کی رو سے شہر پناہ سے قریب ہونے کی جدوجہد میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور زخمیوں کا تو کوئی حساب نہ تھا[1]۔

جو شاہی کشتیاں عکا سے سلطان نے بلوائی تھیں۔ ان کے سبب فوج کو کچھ اطمینان ضرور ہوا، کچھ سہولتیں بھی ملیں۔ ان کشتیوں نے صور کے آہن پوش جہازوں سے کئی کامیاب لڑائیاں بھی لڑیں۔ انہیں مسلمانوں پر پیچھے سے تیر اندازی اور گولہ باری سے روکا بھی۔ اور مسلمان فوج شہر سے قریب ہونے میں کامیاب بھی ہو گئی۔ مگر ایک رات ان میں سے پانچ کشتیاں دشمنوں کے ہاتھ لگ گئیں۔ ان کے پہرہ دار سحر کے وقت تک جاگتے رہے تھے۔ مگر آخر وقت غافل ہو جانے کے سبب فرنگی جہازوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ یہ بڑا بھاری نقصان

تھا جو سلطانی فوج کو پہنچا۔ ان پانچوں کشتیوں میں بڑے ماہر تیر انداز اور گولہ برسانے والے سپاہی سوار تھے۔ ان میں سے بہت سے قتل ہوئے، کئی سمندر میں ڈوب مرے۔ باقی پانچ کشتیاں چونکہ افرنگی بحری بیڑہ کا مقابلہ نہ کر سکتی تھیں۔ اس لئے سلطان کی اجازت سے بیروت کی طرف بھاگیں۔ افرنگی بحری بیڑہ نے ان کا تعاقب کیا۔ تعاقب سے بچنے کے لئے یہ کشتیاں ساحل سے آن لگیں اور خود ملاحوں نے ان کو خشکی میں لاکر آپ آگ لگا دی۔

اسلامی بحری بیڑہ کی تباہی کے سبب سمندر کی طرف سے صور بالکل محفوظ ہو گیا تو محصورین کے حوصلے پہلے سے بھی بڑھ گئے اور وہ شہر کے دروازے کھول کر خندق کے قریب آن کر خوب لڑے۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ لڑائی کی یہ آگ بعد دوپہر بھڑکی اور شام تک برابر مشتعل رہی۔

یہ صلاح الدین کی عادت تھی کہ جب کسی شہر کا محاصرہ طول پکڑتا اور فتح کے امکانات کم ہوتے تو محاصرہ اٹھا دیتا۔ صور کی اس صورتِ حال نے بھی اسے محاصرہ اٹھانے پر مائل کیا۔

ابن اثیر اس موقعہ پر صلاح الدین پر طعن کرتے ہیں کہ صور کے ناکام محاصرہ کا قصور وار صلاح الدین کے سوائے کوئی دوسرا نہ تھا۔ یہ ساری ناکامی محض اس وجہ سے تھی کہ صلاح الدین نے اب تک جتنے شہر فتح کئے تھے۔ مثلاً عکا، عسقلان اور قدس وغیرہ ان سب کے رہنے والوں کو امان دے دی تھی اور وہ سب اپنی دولتیں، روپیہ پیسہ اور مال و متاع ساتھ لے کر یہاں آن بسے تھے، ان کے پاس نہ اسلحہ کی کمی تھی اور نہ کھانے پینے کا توڑا تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی امر واقعہ تھا۔ اگر حساب کیا جائے تو عکا، عسقلان اور قدس سے ایک لاکھ کے قریب افراد اپنے مال و متاع کے ساتھ یہاں پہنچے تھے۔ ان میں سے پچاس ہزار اشخاص بھی اگر سپاہی تسلیم کر لئے جائیں تو گویا سلطان نے صور کو آپ پچاس ہزار لڑاکے مہیا کئے تھے۔ لیکن اس ہر بات کے باوجود فاضل مؤرخ ابن اثیر کو یہ یاد نہ رہا کہ صور کی فتح ہی اصل مقصد نہ تھی اور سلطان اس دنیا میں اس لئے نہیں آیا تھا کہ محض فتوحات ہی پیش نظر

رکھے۔ وہ تو انسانیت کا مبلغ اور شرافت و پاکبازی کا علمبردار تھا۔ اس نے عسقلان، عکا اور بیت المقدس کے شہریوں کی جان بخشی کر کے بادشاہت کی دنیا میں ایک نئی اور اونچی روایت قائم کی تھی۔ اس نے عیسائی تاجداروں کو سبق دیا تھا کہ شہریوں کو امان دے کر بھی ایک بڑا فاتح فاتح رہ سکتا ہے۔ اس نے جابر و قاہر عیسائی تاجداروں کو سکھایا تھا کہ مغلوب و مفتوح شہری قتل کرنے کے لئے نہیں بلکہ معاف کئے جانے کے مستحق ہوتے ہیں۔

وہ صور ایسے ہزاروں ناکام محاصروں کی ذلت ہنسی خوشی برداشت کر سکتا تھا لیکن ظالم بن کر جینا اسے کسی آن گوارا نہ تھا۔ اس نے عکا، عسقلان اور قدس کے شہریوں کو امان دی تھی اور اب بھی اگر صور پر اسے فتح حاصل ہو جاتی تو اس کے لڑاکے شہریوں کو بھی وہ پہلے ہی کی طرح امان دیتا۔

یہی تو اس کی انفرادیت تھی۔ یہی تو اس کا نرالا پن تھا اور اس لئے وہ تاجدارانِ عالم میں اپنی مثال آپ ہے۔

بہرحال صور کے ناکام محاصرہ کو اس نے ہنسی خوشی برداشت کر لیا اور فوج سے کہا۔ محاصرہ اٹھا لے۔

مورخین نے صور کے محاصرہ کی ناکامی کے کئی اور اسباب بھی لکھے ہیں۔ سردی کی شدت کھانے پینے کی چیزوں کی کمی بھی مؤثر اسباب تھے۔ یوں فوج بھی بد دل ہو چکی تھی اور کئی امرائے فوج متذبذب اور دل برداشتہ تھے۔ ایسی صورت میں یہی مناسب تھا کہ سلطان فوج کو واپسی کے احکام دیتا۔

وہ صور کا محاصرہ اٹھا کر عکا آیا۔ عکا پہنچ کر اس نے سپاہیوں کو بھی رخصتیں عطا کیں اور انہیں اجازت دی کہ سردیاں اپنے گھروں میں اپنے بال بچوں میں گذاریں۔ شام کی فوج شام، موصل کی موصل، مصر کی مصر اور دوسرے شہروں کی اپنے اپنے شہروں کو چلی گئیں۔ عکا میں صرف اس کی اپنی مخصوص فوج اس کے ساتھ مقیم ہوئی[1]

[1] ابن اثیر جز ۱۱۰: ۲۱۱
ابن شداد ۵۹
العماد الکاتب ۸۵-۸۴
ابن خلدون جزء ۳۱۱
ابن کثیر جز: ۳۲۷

لین پول نے محاصرہ کی ناکامی پر عرب مورخین کی نسبت زیادہ کھل کر بحث کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ سلطان کے ساتھ زیادہ تر جو سپاہ تھی۔ وہ ان جاگیرداروں کی تھی۔ جو اس کی سلطنت کے طول و عرض میں پھیلے تھے۔ ان میں کئی نسلیں اور کئی زبانوں کے لوگ تھے۔ کچھ مصر کے تھے، کچھ شام کے، کچھ موصل کے، کچھ دیار بکر کے تھے اور کچھ ترک تھے۔ اور یہ سب لوگ وہ تھے جو ایک منظم و مرتب فوج کی شکل کبھی اختیار نہ کر سکتے تھے۔ ان میں وہ صبر و ضبط بھی نہ تھا جو کسی مرتب و منظم فوج کا خاصہ ہوتا ہے۔ ان کی زبانیں مختلف، عادتیں الگ الگ اور مزاج غیر تربیت یافتہ تھا۔ وہ جذباتی زیادہ تھے۔ وہ میدان جنگ میں بڑی سے بڑی فوج سے دو بدو اور آمنے سامنے ہو کر تو خوب جم کر لڑ سکتے تھے۔ لڑائی کی آگ ان کے جذبات کو خوب بھڑکاتی، میدانِ جنگ کے ہنگامے اور شور انہیں زیادہ سے زیادہ جرأت دکھانے پر اکساتے لیکن طویل محاصرہ، ان کے جذبات کو بھی سرد کر دیتا اور ان کی بہادری بھی ماند پڑ جاتی۔ طویل محاصرہ، منجنیقوں کی سنگ باری، سرنگوں کا کھودنا، اور پھر دشمن کے کبھی کبھار کے حملوں کا منتظر رہنا۔ ان غیر تربیت یافتہ سپاہیوں کے لئے قطعی غیر دلچسپ کام تھا یہی وجہ تھی کہ صور کے طویل محاصرے نے ان مختلف النسل لوگوں کو بالکل تھکا دیا تھا۔

محاصرہ کی ناکامی کی دوسری وجہ لین پول کے نزدیک یہ تھی کہ سلطان کے پاس کوئی کام کا بحری بیڑہ نہ تھا جو تیز رفتار دس کشتیاں اس کی مدد کو آئی تھیں۔ وہ سمندر کا سفر بہت تیزی سے طے کرنے میں اپنی مثال آپ تھیں لیکن وہ دشمن کے آہن پوش جہازوں کا مقابلہ نہ کر سکتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ یہ کشتیاں غارت ہوئیں۔ اگر سلطان کے پاس بھی کوئی کام کا بحری بیڑہ ہوتا تو وہ سمندر کی طرف سے بھی صور کی ناکہ بندی کر سکتا۔

لین پول یہ دونوں وجوہ لکھنے کے بعد ان سے جو نتیجہ نکالتا ہے، ہمیں اس سے قطعاً اتفاق نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے:۔ سلطان کا فرض یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ صور کو صفحۂ ہستی سے قطعاً مٹا دیتا۔ وہ فوری طور پر بڑا بحری بیڑہ تیار کرتا اور صور کو سمندر کے رستے سے

یورپ سے جدا کر دیتا۔ لین پول صلاح الدین پر الزام دیتا ہے کہ اس نے ایسا نہ کر کے نہ صرف صور کو زندہ رکھا۔ تیسری صلیبی جنگ کے امکانات پیدا کر دیئے۔ اس نے صور کے محاصرہ میں نہ تدبر دکھایا اور نہ سیاست ہی برتی۔

لین پول بڑا مورخ تھا۔ لیکن اس کی یہ تنقید حقائق کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ صلاح الدین نے صور کے محاصرہ میں ناکام رہ کر یورپ کو ارضِ فلسطین میں جمع ہونے اور قوت آزمائی کرنے کی دعوت نہیں دی۔ یہ ایک ناگزیر امر تھا۔ ایسا ہونا ضروری تھا۔ عیسائی قوم یروشلم سے محض ذہنی طور پر ہی نہیں۔ مذہبی عقیدت کے سبب بھی بندھی ہوئی تھی۔ وہ کسی طرح یہ گوارہ نہ کر سکتی تھی کہ یروشلم اس آسانی سے اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اگر صور اس وقت فتح بھی ہو جاتا۔ سلطان اسے پہلے حملہ میں ختم بھی کر دیتا تو بھی یورپ خاموش نہ بیٹھتا۔ رومہ اور یورپ کے پادری مسیح کی جائے پیدائش کو حاصل کرنے کے لیے پھر بھی پورا زور صرف کرتے۔

لین پول کی نگاہ یقیناً بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن سلطان اپنے داخلی اور خارجی مسائل کو اس سے بہتر سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ ابھی ارضِ فلسطین میں اسے کتنی ہی ریاستوں اور قلعوں سے لڑنا ہے۔ ابھی کرک، حصن الکوکب، انطاکیہ، طرابلس، جبلہ، لاذقیہ، حصن بکاس، ابرزیہ، صفد اور کتنے اور قلعے اس کے تسلط سے باہر ہیں اور جب تک وہ ان پر قابض نہیں ہو جاتا، ارضِ فلسطین عیسائی تسلط سے نجات نہیں پا سکتی۔

صور کے بعد

یہی وجہ تھی کہ اس نے سردیوں کا موسم عکا میں گذارا اور سردیوں کے ختم ہوتے ہی ان مقامات کا رُخ کیا جو ابھی تک فتح نہ ہوئے تھے۔

ابن اثیر اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فسار صلاح الدین من عکا، فیمن تخلف عندہٗ من العسکر الی قلعة کوکب، فحصرھا ونازلھا، لان البلاد الساحلیة من عکا الی جھة الجنوب کانت قد ملک جمیعا، ما عدا ھٰذہ الحصون (الصفد الکرک الکوکب) وکان یختار ان لا یبقی فی وسطھا ما یشغل قلبہٗ و یقسم ھمہٗ و یحتاج الی حفظھم و العلا ینال الرعایا والمجتازین منھم الضرر العظیم[1]

سردیاں ختم ہوتے ہی صلاح الدین اپنی اس فوج کے ساتھ جو اس کے پاس باقی رہ گئی تھی۔ عکا سے نکلا۔ قلعہ کوکب کا رُخ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ کیونکہ جنوبی ساحلی مقامات عکا سے لے کر آخر تک، سب کے سب اس نے فتح کر لئے تھے۔ سوائے (صفد، الکرک اور الکوکب کے) اس کے نزدیک یہی مصلحت اور پسندیدہ بات تھی کہ وہ اپنی مقبوضات کے وسط میں کوئی ایسا مقام نہ رہنے دے۔ جو اس کی توجہ اور قوت کو منقسم کر دے اور رعایا کو ضرر عظیم پہنچنے کا احتمال باقی ہو۔

[1] ابن اثیر جز ۱۲ - ۲

ابن اثیر کی اس شہادت کی موجودگی میں سلطان پر عدم تدبر کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے صور کے سامنے زیادہ دیر تک جم کر بیٹھنے سے پہلو تہی محض اسی لئے کی تھی

بہرحال جیسے ہی سبزیاں ختم ہوئیں اور گرمی پڑنے لگی۔ وہ عکا سے نکلا اور الکوکب پہنچا الکوکب بہت بلندی پر واقع ہونے کے سبب تر لقمہ نہ تھا۔ سلطان نے صور کی طرح چند دن اس کا محاصرہ کیا اور پھر محاصرہ اٹھا کر دمشق کی راہ لی۔ دمشق سے رخصت ہوئے اسے کئی دن ہو چکے تھے۔ بہت سی باتیں ایسی تھیں جو اس کی ذاتی توجہ کی محتاج تھیں۔ پھر ابھی ساری فوجیں قلمرو کے مختلف حصوں میں پھیلی تھیں اور کسی بڑے حملہ سے پہلے یہ بہت ضروری تھا کہ یہ فوجیں مجتمع ہو جائیں۔

دمشق میں پہنچ کر اس نے مختلف اطراف کی طرف تیز رو قاصد دوڑا دئے اور اپنے سپہ سالاروں کے نام فرمان جاری کئے کہ وہ اس سے جلد آن ملیں[1]۔

[1] ابن اثیر جز ۱۱ ص ۲

ابن کثیر فرماتے ہیں:-

دمشق آن کر صلاح الدین نے بہت سے کام کئے۔ رعایا کی شکائتیں سنیں اور نئے فوجی پروگرام کے بارے میں قاضی الفاضل سے مشورے لئے اور پھر دمشق سے نکل کر حمص آیا اور عاص پر چھاؤنی ڈالی۔ یہیں اس کی فوجیں اس کے پاس آنا شروع ہوئیں۔ سب سے پہلے عماد الدین زنگی صاحب السنجار و نصیبین اپنی فوج کے ساتھ اس کے حضور پہنچا، پھر موصل اور دیار الجزیرہ کی فوجیں آئیں اور انہیں ساتھ لے کر سلطان نے بلاد الفرنج کی راہ لی۔

ابن اثیر جز ۱۲ ص ۲ / ابن کثیر جز ۱۲ ص ۳۳۲ / ابن شداد ص ۵۷

جب سلطان بلاد الفرنج میں داخل ہوا۔ اس وقت اس کی فوج کی ترتیب حسب ذیل تھی:-

میمنہ عماد الدین زنگی کے پاس تھا جو سب سے آگے تھا۔ پھر قلب فوج تھی اور آخر میں میسرہ تھا جس کا سردار مظفر الدین تھا۔ جمادی الاوّل کی پانچویں رات سلطان نے دشمن

کے ملک میں بسر کی، صبح ہوئی تو سلطان نے العرمیہ کا قصد کیا۔ العرمیہ کے لوگ نہ تو اس کے مقابلہ میں آئے اور نہ خود سلطان نے اس پر حملہ ضروری سمجھا اور قریب سے ہوتا ہوا انطرطوس آن پہنچا۔ یہ شہر ابن شداد کے بیان کے مطابق ایک طرح سے سمندر کے اوپر سوار تھا۔ اس کے دونوں قلعے سمندر پر بنے تھے اور اس قدر مضبوط بنے تھے کہ ان پر قبضہ آسانی سے نہ پایا جا سکتا تھا۔

شام کے سواحل میں انطرطوس کو اپنی مضبوط شہر پناہ، اور اس کے دونوں سروں پر بنے دو قلعوں کی وجہ سے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ ابن شداد کہتے ہیں۔ یہ دونوں قلعے ناقابلِ تسخیر سمجھے جاتے تھے اور ان میں متعین فوج بڑے حوصلوں کی مالک تھی۔

سلطان نے جب انطرطوس کا محاصرہ شروع کیا تو محصور فوج بڑی جرأت کے ساتھ سلطان سے لڑی لیکن سلطان کے عزمِ راسخ اور تدبّر کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی۔ اور سلطان نے پہلے ہی دن شہر پر قبضہ کر لیا۔ ابنِ شداد کے بیان کی رو سے سلطان نے اس وقت تک آرام نہیں کیا۔ اپنے خیمہ میں نہیں پہنچا۔ جب تک شہر فتح نہیں ہو لیا۔

جس وقت شہر فتح ہوا اور سلطانی فوج شہر پناہ پر چڑھ کر شہر میں داخل ہو گئی تو سلطان اپنے خیمہ میں پہنچا اور عمائدینِ سلطنت فتح کی مبارکباد دینے کے لئے آئے۔ ابن شداد بھی مبارک باد دینے والوں میں تھا۔

دوسرے دن دونوں قلعوں پر قبضہ کے لئے لڑائی شروع ہوئی۔ ایک قلعہ تو آسانی سے فتح ہو گیا۔ لیکن دوسرے کی محافظ فوج نے سلطانی فوج سے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ اور پے در پے حملوں کے باوجود اس نے شکست تسلیم نہ کی۔

سلطان اگر چاہتا اور اسے آگے بڑھنے کی جلدی نہ ہوتی تو یہ قلعہ بھی فتح ہو سکتا تھا مگر سلطان نے شہر اور ایک قلعہ کی فتح ہی کو کافی سمجھا اور آگے کی راہ لی۔

یہ بڑی دشوار گزار راہ تھی جس پر سلطانی فوج اس وقت بڑھ رہی تھی۔ لیکن سلطان

ہر دشواری کا مقابلہ کرتا آگے بڑھتا رہا اور المرقبہ جا پہنچا۔ المرقبہ کو پہاڑ کی چوٹی پر آباد کیا گیا تھا اور اچھا خاصا مضبوط قلعہ تھا مگر اس میں بسنے والے بڑے بزدل تھے۔ جیسے ہی سلطانی فوج اس کے نواح میں پہنچی۔ سارے کے سارے باشندے وہاں سے بھاگ گئے اور المرقبہ کے دروازے سلطان کے لئے کھول گئے۔ سلطان وہاں آیا اور شہر کو خالی دیکھ کر اس پر قبضہ کیا۔ کچھ فوج وہاں متعین کی اور آگے بڑھا۔ لہ ابن ش ۵۴

یہ راہ پہلے سے بھی دشوار گزار ہو گئی تھی۔ وہ اس قدر تنگ تھی کہ صرف ایک آدمی بیک وقت اس پر چل سکتا تھا۔

اس راستہ کے ایک طرف سمندر تھا اور دوسری سمت اونچا پہاڑ، عجیب اتفاق کی بات تھی کہ جس وقت صلاح الدین کی فوج اس رستہ پر ایک کے پیچھے ایک کر کے آگے بڑھ رہی تھی۔ صقلیہ کا ایک بحری بیڑہ جو ساٹھ کشتیوں پر مشتمل تھا۔ سمندر میں آن نمودار ہوا اور صلاح الدین کو آگے بڑھنے سے روکنے کی خاطر ساحل کے ساتھ ساتھ دور تک پھیل گیا اور اس کے تیر اندازوں نے فوج پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔

یہ صورت حال دیکھ کر سلطان نے پیش قدمی روک دی۔ اور اپنے آگ برسانے والے عملہ کو فوری طور پر ساحل کے ساتھ ساتھ شروع رستہ سے لے کر آخر تک پھیلا دیا اور حکم دیا کہ دشمن کے جہازوں پر خوب زور کی آگ برسائیں۔ سلطان کی یہ حکمت عملی کامیاب ہو گئی۔ آگ برسانے والوں نے دشمن کے جہازوں پر خوب آگ برسائی وہ اس قابل نہ رہے کہ آگے بڑھ کر سلطانی فوج کی پیش قدمی میں رکاوٹ بنیں تو فوج آگے بڑھی۔ فوج یوں مصائب سے دوچار ہوتی اس تنگ اور دشوار گزار راہ سے گزر کر ۸ جمادی الاولی کو جبلہ جا پہنچی۔ جبلہ گو، انطاکیہ کے عیسائی فرمانروا بمیمند کی ملکیت تھا لیکن وہاں مسلمانوں کی کافی آبادی تھی۔ وہاں کا قاضی بھی مسلمان تھا۔ وہی جبلہ پر بمیمند کی طرف سے حکمران تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ جیسے ہی سلطان جبلہ پہنچا۔ قاضی شہر نے سلطان

لہ ابن ا

ابن خ ۸

کا علَم جبلہ کی شہر پناہ پر لہرا دیا اور شہر سلطان کے سپرد کر دیا۔ البتہ قلعہ نے سارا دن لڑائی کی۔ پھر قاضی صاحب نے اسے بھی ہتھیار ڈالنے پر رضامند کر لیا اور ۱۹ تاریخ کو یعنی دوسرے دن قلعہ جبلہ کے دروازے سلطان پر کھول دیئے گئے۔

ابن شداد فرماتے ہیں یہ قاضی منصور تھے۔ جنہوں نے جبلہ شہر کے عیسائی شہریوں اور فوج کے لئے سلطان سے اس شرط پر امان لی تھی کہ عیسائی شہری اور فوج اپنی جانیں، اپنے اہل و عیال اور اموال کے ساتھ جبلہ سے ہجرت کر جائیں گے۔ اسلامی فوج نہ ان سے تعارض کرے گی اور نہ ان کے اموال ہی کو چھیڑے گی۔ سلطان کی یہ کچھ عادت ہو گئی تھی کہ وہ مفتوح و مغلوب عیسائیوں کی جانوں اور اموال سے تعرض کو شرافت کے منافی سمجھتا۔ اسی لئے اس نے صور کے ناکام محاصرہ کی ہر تلخی کے باوجود جبلہ کے لوگوں کو زندہ و سلامت جبلہ سے نکل جانے کا اذن دیا۔

فوج چونکہ دشوار گزار پہاڑی راہ کے تکلیف دہ سفر کے بعد جبلہ پہنچی تھی۔ اس لئے سلطان نے اسے کئی دن تک جبلہ میں ٹھیرایا اور جب وہ اچھی طرح سستا لی تو سلطان نے ۲۳ جمادی الاولیٰ کو پیش قدمی کی۔ جبلہ سے کچھ دور ایک اور ساحلی مقام لاذقیہ تھا۔ یہ بڑا خوبصورت شہر تھا اور اس کی بندرگاہ بھی خوب مشہور تھی۔ انطرطوس کی طرح اس شہر کے دونوں کونوں پر دو مضبوط قلعے بنے تھے۔ حملہ کے وقت شہر کے لوگ، انہی قلعوں میں پناہ لیتے تھے۔ جب سلطان یہاں پہنچا تو اس نے اپنی فوج اس طرح یہاں اتاری کہ دونوں قلعے اور پورا شہر محاصرہ میں آ گیا۔ سلطان کے آتے ہی لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی۔ لاذقیہ کے شہریوں اور عیسائی فوج نے پورا دن خوب جم کر مقابلہ کیا لیکن آخر کار شہر کے لوگ ہمت ہار گئے۔ سلطانی فوج شہر پر قابض ہو گئی اور عیسائی فوج قلعوں میں سمٹ گئی[1]

[1] ابوالفدا ۱/۵۹

مگر ابن اثیر فرماتے ہیں جب سلطان لاذقیہ پہنچا تو شہر کے لوگ ڈر کر شہر

خالی کر کے بغیر لڑے قلعوں میں جا چھپے۔ شہر پر مسلمان فوج جاتے ہی قابض ہو گئی۔ البتہ قلعوں نے سخت مدافعت کی[1]۔ دونوں طرف کے بہادر پوری جرأت و بہادری کے ساتھ پورا ایک دن ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیلتے رہے۔ ادھر دونوں فوجیں دست بدست لڑائی میں مصروف تھیں، ادھر شاہی نقیبوں نے شہر پناہ میں ساٹھ فٹ چوڑی نقب لگالی۔ عین اس وقت جب قلعہ کے لوگ اپنی جانوں سے نا اُمید ہو چکے تھے۔ قاضی جبلہ پہنچ گئے اور انہوں نے شہر والوں کو اس نازک وقت پر بھی سلطان کے حضور رحم کی اپیل کرنے پر آمادہ کر لیا۔ وہی ان کی طرف سے سفیر بن کر سلطان کے حضور آئے۔ سلطان نے ان کے کہنے پر لاذقیہ کے شہریوں کو بھی اسی طرح امان دے دی جس طرح جبلہ کے لوگوں کو دی تھی[2]۔

ابن شداد کا بیان ابن اثیر سے کسی قدر مختلف ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ شہر کے لوگ جس وقت شکست کھا چکے تھے اور امان کی درخواست کر دی تھی۔ قاضی جبلہ کو امان کے شرائط طے کرنے کے لئے انہوں نے خود بلوایا تھا[3]۔

ابن اثیر نے لاذقیہ کی خوبصورتی اور اس کی عمدہ عمارتوں کی بہت تعریف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ لاذقیہ کی بہت سی عمارتیں رخام اور زخرف سے بنی تھیں اور اس قدر خوبصورت تھیں کہ ان پر نظر پڑتے ہی جی باغ باغ ہو جاتا۔

لاذقیہ کی فتح کے بعد سلطان اس کی حکومت اپنے بھتیجے تقی الدین عمر کے سپرد کر کے اور کچھ دیر سستا کر اور آگے بڑھا اور اس علاقہ کے مشہور اور مضبوط ترین قلعہ صیہون جا پہنچا۔

ابن شداد فرماتے ہیں۔ یہ قلعہ ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بنا تھا۔ اس کی ایک طرف اونچا پہاڑ تھا اور دوسری سمت بہت گہری اور وسیع وعریض وادیاں تھیں۔ اس کے صرف ایک طرف خندق کھدی تھی جو ساٹھ یا اس سے کچھ زائد فٹ لمبی تھی۔ یہ خندق پہاڑ کو کاٹ کر بنی تھی۔ پہاڑ پر ہونے کے باوجود اس کی تین فصیلیں تھیں۔ ایک بیرونی فصیل، دوسری وسطی اور تیسری قلعہ[4] کی۔ العماد الکاتب کا بیان ہے کہ جو خندق کھودی گئی تھی۔ وہ پہاڑ اور قلعہ کے مابین تھی[5]۔

[1] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۳
[2] ابن اثیر ج ۱۲ ص ۳
[3] ابن شداد ۵۹
[4] ابن شداد ۶۰
[5] العماد الکاتب ۱۴۴

ابن اثیر اور ابنِ خلدون نے اس قلعہ کی پانچ فصیلیں بیان کی ہیں اور خندق کی گہرائی کو بے حد و حساب بتایا ہے۔[۱]

سلطان جب وہاں پہنچا تو گو اس قلعہ کی بلندی، اس کی آمد پہ ہنسی تھی۔ لیکن اس نے عزم کر لیا تھا کہ اب ناکام محاصرے نہ کرے گا اور اب جہاں بھی جائے گا۔ وہاں سے اس وقت تک نہ ہٹے گا۔ جب تک اس کی دیواروں کو نہ توڑ لے گا۔ وہ اپنے ساتھ کئی اعلےٰ درجہ کی منجنیقیں لایا تھا۔ یہ ساری منجنیقیں اس نے اس عظیم الشان قلعہ کی بلند و بالا دیواروں پر سنگ باری کے لئے عین اس جگہ نصب کیں۔ جہاں وادی بہت ہی تنگ تھی۔ جب سے یہ قلعہ بنا تھا، غالباً صلاح الدین پہلا سلطان تھا۔ جس نے اس کی اس تنگ وادی کو پھلانگا تھا۔

اس دن اس کا نوجوان بیٹا الملک الظاہر تو اس سے بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ اپنی مخصوص منجنیق لے کر عین اس جگہ جا پہنچا۔ جہاں سے قلعہ کی دیواریں ٹھیک زد میں آتی تھیں۔ اس نے پہلے اپنی منجنیق سے اس تنگ وادی پر منوں بوجھل پتھر برسائے جو متواتر ایک صدی تک ہر غنیم کا حملہ روکے کھڑی تھی۔ الملک الظاہر نے یہ تنگ وادی اور اس کے دونوں طرف پھیلی خوفناک چٹانیں پتھر برسا کر پھاڑ ڈالیں اور رستہ کسی قدر کھول لیا پھر اس کی منجنیق نے شہر پناہ کو تاکا اور اس پہ لگاتار اس قدر پتھر برسائے کہ لوہے کا وصف رکھنے والی پہلی شہر پناہ کا ایک کافی بڑا ٹکڑا ٹوٹ کر وادی میں آن گرا۔[۲]

ابن اثیر نے الملک الظاہر کے اس کارنامہ کے اعتراف کے بعد لکھا ہے کہ الملک الظاہر اپنے ساتھ کئی بہادر حلبی لے کر آیا تھا یہ چٹانوں سے لڑنے کے عادی تھے۔ ان کے جسم لوہے کے اور دل فولاد کے تھے۔ انہوں نے شہر پناہ کے ٹوٹتے ہی اس پہ کچھ اس طرح ہلّہ بولا۔ کہ محافظ فوج شکست کھا کر بھاگی۔ اب دوسری شہر پناہ کی باری آئی۔ وہاں بھی منجنیقوں نے اپنا ہنر آزمایا اور بہادر حلبیوں نے چٹانوں کے سینے چھید ڈالے۔ دوسری شہر پناہ کے بعد تیسری شہر پناہ ٹوٹی، دوسری اور تیسری شہر پناہ کے درمیانی حصہ کی فتح کے وقت سپاہیوں

[۱] ابن اثیر جز ۱۲ — ابن خلدون جز ۵ ۳۱۳

[۲] ابن شداد النوادر الکاتب ۱۴۴

کو لوٹنے کے لئے بہت کچھ ملا۔ جانور بھی ملے اور مال بھی۔ اب قلعہ باقی تھا۔ اس قلعہ کی مدافعت شہر والوں نے خوب کی، لڑائی کی آگ اس دن خوب بھڑکی۔ متواتر دو دن صیہون کے لوگ سلطانی فوج سے لڑتے رہے۔ لیکن جب ان کی تلواریں کُند ہو گئیں اور ہاتھ شل تو انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور سلطان سے امان مانگی۔

اس بندۂ خدا نے جو مفتوح و مغلوب انسانوں کا سب سے بڑا دوست تھا جو صرف اس وقت لڑتا جب دشمن تلوار کو ہاتھ سے نہ رکھتا۔ ان سب لوگوں کو اس وقت بھی امان دے دی جبکہ وہ قلعہ میں داخل ہونے کو تھا۔ جبکہ قلعہ کی دیواریں اس کے سامنے اپنا عجز تسلیم کر چکی تھیں[۱]

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ جب قلعہ کی دیواریں ٹوٹ رہی تھیں تو یہ لوگ چیختے ہوئے بادشاہ کے پاس آئے۔ شروع میں اس نے ان کی نہ سُنی۔ لیکن جب ان کی طرف سے بیت المقدس والی شرائط پیش ہوئیں تو انہیں امان دے دی[۲]

قلعہ صیہون کی فتح کے بعد، سلطان کا فتح مند کارواں مالِ غنیمت سے لدا خوشی و مسرت کے گیت گاتا اور آگے بڑھا۔ وہ ہفتہ کے دن قلعہ الصیدو، اتوار کو حصن الجماہرین اور سوموار کو حصن بلاص پہنچا[۳]۔ یہ تینوں قلعے صرف ایک ایک دن میں فتح ہوئے

ابن خلدون کا بیان ہے کہ اسلامی فوج جب ان قلعوں کی طرف گئی تو وہاں کی محافظ فوج اور دوسری آبادی راہِ فرار اختیار کر چکی تھی[۴]

یہ سارے قلعے جو ایک ایک دن میں فتح ہوئے۔ قلعہ صیہون سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بنے تھے۔

ابن اثیر اور العماد الکاتب کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان خود صیہون ہی کے قریب خیمہ زن رہا اور یہ فوج جو ان قلعوں پر غالب آئی، دوسرے سرداروں کے ماتحت ادھر روانہ ہوئی تھی۔ خود سلطان کی سواری فتح صیہون سے دوسرے دن آگے

[۱] ابن شداد
[۲] ابن اثیر جزء ۱۲
[۳] العماد الکاتب ۱۴۵
[۴] ابن خلدون جزء ۳۱۴

بڑھی تھی۔ وہ صہیون سے ۳ جمادی الآخر کو چلا۔[1] العماد الکاتب فرماتے ہیں، کہ اس نے قرشیہ کی سمت اختیار کی تھی۔ دریائے عاصی[2] پر پہنچ کر وہ رکا۔ جہاں سے قلعہ بکاس بہت تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ ابن خلدون اور ابن اثیر نے قرشیہ کا ذکر نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں۔ سلطان ۳ جمادی الآخر کو قلعہ بکاس پہنچ گیا تھا۔ قلعہ کے لوگ اس کی آمد آمد کی خبر سُن کر راہِ فرار اختیار کر چکے تھے۔ قلعہ خالی تھا۔ سلطان نے اس پر قبضہ کیا اور اپنی فوج متعین کی اور شغر کی راہ لی۔[3]

یہ ابن اثیر اور ابن خلدون کا بیان ہے۔ العماد الکاتب کا بیان کچھ واضح نہیں ہے لیکن ابن شداد جو اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ تھے فرماتے ہیں کہ قلعہ بکاس پر خوب لڑائی ہوئی۔

ابنِ شداد کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

ثم رحل وسرنا حتی اتینا سادس جمادی الاخری بکاس وھی قلعة حصینة علی جانب العاص ولھا نھر یخرج من تحتھا، وکان المنزل علی شاطی العاص وصعد السلطان جریدة علی القلعة وھی علی جبلٍ یطل علی العاص فاحدق بھا من کل جانبٍ وقاتلھا قتالاً شدیداً بالمنجیقات والزحف المضایق الی تاسع العشر ویسر اللہ فتحھا عنوةً واسر من فیھا بعد قتل من قتل منھم وغنم جمیع ماکان فیھا۔[1]

پھر وہ چلا، ہم بھی اس کے ساتھ تھے۔ ہم سب چھ جمادی الاخریٰ کو بکاس پہنچے۔ بکاس عاص کے کنارے کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس کے نیچے سے ایک نہر بہتی۔ سلطان نے اپنی چھاؤنی دریائے عاص کے کنارے پر ڈالی اور فوج کا ایک دستہ قلعہ کی طرف بھیجا۔ جو پہاڑ کے اوپر بنا تھا۔ اس دستہ فوج نے قلعہ کو ہر طرف سے گھیر لیا اور اس پر سنگباری

---

[1] ابن خلدون جزء ۵ ص ۳۱۴
[2] ابن شداد ص ۹۱ ابن اثیر جزء ۱۲ ص ۵ ابن شداد ص ۹۱
[3] ابن خلدون جزء ۵ ص ۳۱۴ ابن اثیر جزء ۱۲ ص ۵
[1] ابن شداد ص ۹۱

کی اور بڑی سخت لڑائی کی۔ لڑائی اور سنگباری کا سلسلہ ۱۹ تاریخ تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ فوج نے اسے لڑکر فتح کر لیا۔ جو لوگ لڑائی میں قتل ہونے سے بچ گئے۔ وہ قیدی بنے اور جتنا سامان وہاں تھا۔ اسے فوج نے لوٹ لیا۔

گویا ابنِ شداد کے نزدیک، بکاس ایک شدید لڑائی اور منجنیقوں کی سخت سنگ باری کے بعد فتح ہوا اور یہ لڑائی متواتر کئی دن ہوتی رہی تھی۔ سلطان نے ۹ جمادی الآخر کو اس پر چڑھائی کی تھی اور ۱۹ کو یہ فتح ہوا تھا

تعجب ہوتا ہے کہ کئی دن کی اس سخت لڑائی کو مورخ ابن اثیر کس طرح نظر انداز کر گئے۔

مورخ ابن اثیر چونکہ موقعہ پر موجود نہ تھے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ ان کو جو روایت پہنچی ہو، وہ مصدقہ نہ ہو۔ ابن خلدون نے آپ تحقیقات قطعاً نہیں کی تھی۔ انہوں نے قریب قریب وہی روایت نقل کر دی ہے جو ابن اثیر نے درج کی تھی۔ اس کے برعکس ابنِ شداد خود موقعہ پر موجود تھے۔ اگر یہ کتاب جو ان کے نام پر منسوب ہے۔ مصدقہ و مسلمہ ہے۔ اگر یہ انہی کی ہے تو وہ فرماتے ہیں۔ وہ خود سلطان کے ہم رکاب بکاس آئے تھے اور ساری لڑائی اپنے سامنے ہوتے دیکھی تھی۔ ایسی حالت میں ان کے بیان پر کسی دوسرے بیان کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

جب سلطان ان قلعوں کی تسخیر میں مصروف تھا۔ اس کا بیٹا الملک الافضل برزیہ پر حملہ آور ہوا اور اسے فتح کر لیا۔

یہ پہاڑ جس پر برزیہ تعمیر ہوا تھا سالن کی طرح زمین کی چھاتی پر کچھ اس طرح گڑا تھا کہ اس کے چاروں طرف وسیع اور گہرے کھڈ تھے اور کوئی سمت ایسی نہ تھی، جس کے رستہ غنیم اس پر چڑھ سکتا۔ ابن شداد اور العماد الکاتب نے، برزیہ کی بلندی پانچ سو چھتر ہاتھ بتائی ہے[1] ابنِ اثیر فرماتے ہیں کہ برزیہ حصن رقامیہ کے بالکل سامنے واقع تھا۔ دونوں کے

---

[1] ابن شداد - ۶۰

درمیان ایک وسیع جھیل پھیلی تھی۔ دریائے عاصی اور آس پاس کے پہاڑوں سے گرنے والے ندی نالے اور چشمے اس جھیل میں آن کر گرتے تھے۔

ابن شداد — العماد الکاتب ۱۳۹

برزیہ کے لوگ، اپنے تعصب اور اسلام دشمنی میں بہت مشہور آفاق تھے، وہ مسلمانوں کو لوٹتے اور مارتے۔ اور تمام دوسرے عیسائیوں کی نسبت مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچاتے تھے۔

ابن اثیر جز ۱۲ ص

جب سلطان وہاں پہنچا۔ یہ جمادی الآخر کی چوبیسویں تاریخ تھی۔ پہلے اور دوسرے دن اس نے ایک ماہر سپہ سالار کی طرح محل وقوع کا خوب اچھی طرح معائنہ کیا۔ وہ قلعہ کے چاروں طرف گھومتا تاکہ کوئی ایسی جگہ تلاش کرے۔ جہاں سے وہ اس قلعہ پر چڑھائی کرے قلعہ کی تین اطراف تو اسے ناقابل عبور نظر آئیں۔ البتہ اس نے مغربی سمت قلعہ کے عین سامنے ایک ایسا اونچا ٹیلہ دیکھا۔ جس پر منجنیقیں نصب کی جا سکتی تھیں۔ اس نے یہی جگہ حملہ کے لئے موزوں سمجھی۔ وہیں اپنا خیمہ نصب کیا اور وہیں منجنیقیں نصب کرائیں اور وہیں سے حملہ کا آغاز کیا۔

ابن شداد — ابن اثیر جز ۱۲

شروع میں صلاح الدین کا خیال تھا۔ منجنیقیں حسب دستور اپنا کام کریں گی اور قلعہ کی فصیل ان کی سنگ باری سے مجروح ہو جائے گی۔ لیکن جب برزیہ کی منجنیقوں نے جواب میں سنگ باری شروع کی تو سلطانی منجنیقیں قریب قریب بیکار ہو گئیں اور سلطان نے فیصلہ کیا۔ منجنیقوں کی بجائے آدمیوں سے کام لے گا۔ اس نے اپنی فوج کو تین حصوں میں بانٹا اور حملہ کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے ان تینوں حصوں کو حکم دیا۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا آگے بڑھے۔

ابن شداد ۲۶۲ — العماد الکاتب ۱۴۳ — ابن اثیر جز ۱۲

تینوں حصوں کی کمان عماد الدین زنگی صاحب سنجار کو سونپی گئی جو پہاڑ پر چڑھنے اور فوج کو پہاڑ پر لڑانے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔

عماد الدین زنگی پہلے ایک حصہ فوج کو لے کر پہاڑ کی ڈھلوانوں پر سے ہوتا قلعہ کی

کی طرف بڑھا۔ رستہ بڑا کٹھن تھا۔ پاؤں پھسل پھسل جاتے تھے۔ مزید برآں دشمن کے تیر قدم قدم پر ان کی راہ روک رہے تھے۔ قلعہ والے دست بدست لڑائی کے لیے بھی چاروں طرف سے امنڈ آئے تھے۔ یہ بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ یہ بڑی حوصلہ شکن صورتِ حال تھی لیکن بہادر مسلمانوں نے ہر تکلیف اٹھائی۔ تیروں کی بارش سہی اور پتھروں کی مار کھائی۔ مگر ان کا جوشِ دروں ان کو آگے ہی آگے بڑھائے جا رہا تھا۔ سلطان دور کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ اس کے بہادر سپاہی گرمی کی شدت، پتھروں کی بارش اور تیروں کی مار کھاتے کھاتے تھک گئے ہیں تو اس نے ان کو واپسی کا حکم دیا اور ان کی جگہ تازہ دم دستہ کو آگے بڑھایا۔

یہ دستہ جو اس بار آگے بڑھا، اس کا ذاتی دستہ تھا اور وہ آپ اپنے بھتیجے تقی الدین کی معیت میں اس کی قیادت کر رہا تھا۔ گو دھوپ بہت سخت تھی۔ گو قلعہ پر سے پتھروں کی بارش پہلے سے تیز ہو گئی تھی۔ گو افرنگی تیر انداز پہلے سے زیادہ پھرتی کے ساتھ تیر چلا رہے تھے۔ لیکن سلطان کے سپاہی پیچھے نہ ہٹے۔ وہ آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ شہر پناہ قریب آگئی۔ ان میں سے کتنے ایسے تھے جو شہر پناہ پر رسائی پا چکے تھے۔ دفعتاً سلطان نے تیسرے حصہ فوج کو بھی موقعہ پر طلب کر لیا اور لڑائی کی آگ پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھی۔

اس موسم کی ساری لڑائیوں میں یہ لڑائی سب سے زیادہ سخت تھی۔ اس موسم میں جتنے قلعوں پر سلطان نے فتح پائی تھی۔ ان میں سے کسی ایک کے لیے اتنی سخت لڑائی نہ لڑنی پڑی تھی۔ یہ تیسرا دستہ فوج تازہ دم بھی تھا اور جوشیلا بھی۔ اس کی آمد نے خوب جوش پیدا کر دیا تھا۔ فوج کے دو حصوں کو لڑتے دیکھ کر عماد الدین زنگی بھی جوش میں آگئے اور اپنی فوج کو جو اس وقت سستا رہی تھی۔ پھر میدانِ جنگ میں لے آئے گویا پوری سلطانی فوج دشمن سے برسرِ پیکار ہو گئی۔ مخالفین کے لیے پہلے دو دستوں

سے مقابلہ ہی مشکل ہو رہا تھا۔ یہ تیسرا حصہ سامنے آیا تو ان کے حوصلے شکست ہو گئے اور وہ پیچھے کی طرف بھاگے۔ تھکن، دھوپ اور زخموں نے ان کے حواس ان سے چھین لئے تھے۔ وہ جب قلعہ کے دروازوں پر پہنچے تو انہیں یہ ہوش نہ رہا کہ مسلمانوں کو اندر داخل ہونے سے روک دیں۔ مسلمان بھی ان کے ساتھ لگے قلعہ میں پہنچ گئے۔

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ اب شہر کے اندر لڑائی ہو رہی تھی۔ یہ لڑائی صرف تھوڑی دیر تک رہی۔ صرف تھوڑی دیر تک تلواریں چمکیں اور نیزے بلند ہوئے۔ قلعہ والوں نے ہتھیار رکھنے شروع کر دیئے تھے اور قید و بند کی زنجیریں اپنے لئے پسند کر لی تھیں۔[۱]

ابن اثیر جز ۱۲ ص ۶ ، ابن شداد ۶۲ ، عماد الکاتب ۱۵۰

بہر حال برزیہ والے بڑی جرأت سے لڑے تھے گو سلطان نے ان کو تلوار کے زور سے مفتوح کیا تھا۔ مگر ان کے ساتھ کوئی سختی نہ کی۔ ہتھیار رکھتے ہی ان سے لڑنا بند کر دیا۔

العماد الکاتب فرماتے ہیں کہ برزیہ کی فتح کے دن سلطان نے ہمیشہ کی طرح دریا دلی اور فیاضی سے کام لیا جو قیدی اور لونڈیاں سپاہیوں نے پکڑی تھیں۔ ان میں اس قلعہ کی مالکہ، اس کا شوہر، اس کی بیٹی اور اس کا داماد بھی تھے۔ سلطان نے انہیں نہ صرف رہائی بخشی، بڑے احترام کے ساتھ رمیند صاحب انطاکیہ کے پاس بھجوا دیا جو مالکہ برزیہ کا بہنوئی تھا۔ سلطان خود، جسر الحدید تک آیا جو انطاکیہ سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ وہیں سے اس نے یہ محترم قیدی صاحب انطاکیہ کے پاس بھیجے تھے جس نے سلطان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور قیمتی تحائف بھجوائے۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ صاحب انطاکیہ کی بیوی، اپنی بہن صاحب برزیہ کے لئے بہت پریشان تھی۔ یہ وہی تھی جو سلطان سے اپنی بہن کی رہائی کے لئے متواتر درخواستیں کر رہی تھی اور سلطان نے اسی کی خاطر، اس کی بہن بہنوئی اور بھانجی کو رہائی بخشی تھی۔[۲]

۲ ابن خلدون جزء ۵ ص ۳۱۴

اس بڑی فتح کے بعد سلطان نے پیش قدمی جاری رکھی۔ وہ دوسرے دن دریائے عاص کے لوہے کے پل (جسر الحدید) [1] پر پہنچا جس سے تھوڑی دور انطاکیہ تھا۔ کہا نہیں کہا جا سکتا کہ سلطان نے انطاکیہ کی طرف بڑھنے کی بجائے درب ساک کا رُخ کیوں کیا۔ بہر حال یہ اُس کی اپنی مصلحت تھی اور اس وقت اس پر تنقید کرنا ممکن نہیں ہے وہ کچھ دن تک یہیں ٹھیرا۔ ابن اثیر فرماتے ہیں۔ وہ جب اس پل پر آیا تو اس کے ساتھ اس کی پوری فوج نہ تھی۔ جب تک اس سے پوری فوج نہیں آن ملی۔ وہ یہیں رکا رہا فوج آگئی تو اس نے درب ساک کا رُخ کیا۔

ابن شداد کا بیان ہے۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور رجب کی ۸ تاریخ تھی جب سلطان نے درب ساک کے قریب چھاؤنی ڈالی۔ درب ساک انطاکیہ سے تھوڑے فاصلہ پہ آباد تھا۔[2] اس کا شمار الداویہ کے مضبوط ترین قلعوں میں ہوتا تھا۔ الداویہ کی ایک لڑاکی جماعت اب تک یہاں موجود تھی جس وقت سلطان یہاں آیا۔ اس جماعت نے قلعہ بند ہو کر خوب لڑائی کی۔ شاہی منجنیقیں آتے ہی یہاں نصب ہو گئی تھیں اور قلعہ پر سنگ باری شروع کر دی تھی۔ ادھر منجنیقیں سنگ باری میں لگی تھیں ادھر سلطانی فوج قلعہ کو اپنے حصار میں لے کر شہر پناہ پر ٹوٹ پڑی تھی۔

منجنیقیں اپنا کام کرتی رہیں اور سپاہ اپنا۔ دست بدست لڑائی کی آگ خوب بھڑکی۔ قلعہ والوں نے سلطانی سپاہ کو قلعہ تک پہنچنے سے روکنے کے لئے بڑے جوش کا مظاہرہ کیا مگر سلطانی فوج انہیں کاٹتی اور ان کے عزائم توڑتی آگے ہی آگے بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ منجنیقوں نے پتھر برسا برسا کر شہر پناہ کا ایک حصہ توڑ دیا اور سلطانی نقبچیوں نے فصیل میں نقب لگا لی۔ ان دونوں جگہوں پر بڑے زور کے مقابلے ہوئے۔ محصورین بڑی جرأت سے ایک ایک پتھر کے لئے لڑے۔

ابن شداد فرماتے ہیں۔ شہر والوں کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے اگر ایک آدمی

[1] ابن اثیر جز ۱۲ — ابن شداد ۹۲ — ابن خلدون جز ۵ ۳۱۵ — العماد الکاتب

[2] ابن شداد ۹۲

ابن شداد ۶۲[1]

کٹ کر گرتا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔[1] اس طرح لڑتے لڑتے شام ہو گئی۔ اس شام قلعہ والوں نے ہتھیار نہیں رکھے۔ ان کو امید تھی۔ صاحب انطاکیہ انہیں کمک بھیجے گا اسی امید میں ان کی رات کٹی اور سورج طلوع ہوا۔ وہ پھر ہتھیار سجا کر مقابلہ میں آئے۔ لیکن جب اس دن بھی کمک نہ پہنچی تو ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور انہوں نے جانوں کی امان پر ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان نے ان کو امان دے دی اور انطاکیہ جانے کا پروانہ بخش دیا۔[2]

ابن اثیر جز ۱۲ ابن خلدون جزء ۵ ص ۲۱[2]

درب ساک کی فتح کے بعد سلطان نے قلعہ بغراس پر چڑھائی کی۔ یہ قلعہ انطاکیہ سے بہت قریب بھی تھا اور بے حد مضبوط بھی۔ جب سلطانی فوج وہاں آئی اور سلطان نے اس کا محاصرہ کرنا چاہا تو فوج کے کچھ امرا نے اسے اس محاصرے سے روکا اور اس سے کہا کہ اس کے محاصرہ کے معنی تو یہ ہیں کہ آپ نے بیک وقت دو محاذ کھول لئے۔ آپ کی ایک فوج لازمی طور پر انطاکیہ والوں کو ادھر آنے سے باز رکھنے کے لئے پیچھے ہی ٹھہرے گی اور جس دوسری فوج سے آپ محاصرہ کریں گے وہ کافی نہ ہو گی۔ یہ خیال یوں تو غلط نہ تھا۔ صورت حال کچھ ایسی ہی ہونے والی تھی۔ لیکن سلطان کو خدا کی ذات پر بھروسہ تھا اور اس نے اللہ کا نام لے کر محاصرہ کی طرح ڈال دی۔[1] اسے سچ مچ دو محاذ قائم کرنے پڑے۔ وہ خود اپنے مخصوص دستہ فوج کے ساتھ قلعہ کے سامنے اترا۔ اور فوج کے غالب حصہ کو انطاکیہ کے آس پاس کے علاقہ میں لوٹ مار کے لئے بھیج دیا۔ مقصد یہ تھا کہ ادھر کی فوجیں مبتلائے مصیبت ہونے کے سبب بغراس کی مدد کو نہ آسکیں۔ ان میں سے ایک فوج مستقل طور پر انطاکیہ کے سامنے پڑی رہی تا کہ اگر انطاکیہ والے بغراس کی مدد کو جانا چاہتے تو یہ فوج انہیں وہیں روک لیتی۔

ابن اثیر جز ۱۲[1]

سلطان کی یہ تدبیر بے حد کامیاب رہی۔ وہ یہ انتظام کرنے کے بعد بغراس پر ٹوٹ پڑا۔ اس کی منجنیقوں نے شہر پناہ پر خوب پتھر برسائے اور اس کے تیر اندازوں نے تیروں کی باڑھ باندھ دی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بغراس کی محافظ فوج اور شہری خوب جم کر لڑے اور ابن اثیر کے قول کے مطابق شہر پناہ کی بلندی نے منجنیقوں کی ہر کوشش ناکام کر دی تھی لیکن سلطان کے عزم راسخ اور پے در پے حملوں نے شہر والوں کے حوصلے توڑ دیئے اور انہوں نے اس سے مصالحت کی درخواست کی۔ یہ قلعہ بھی الداویہ کا تھا اور جو شخص مصالحت کے لئے سفیر بن کر آیا تھا وہ الداویہ کا مختار تھا۔ اس نے مصالحت کے لئے وہی شرط پیش کی جو دربساک کے لوگوں نے پیش کی تھی۔ لہ

اب صرف انطاکیہ اور اس کے ملحقات کی تسخیر باقی تھی۔ سلطان چاہتا تھا کہ انطاکیہ کا قرضہ بھی چکا دے۔ اسی لئے اس نے اپنی فوج انطاکیہ کے اردگرد لا ڈالی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطانی فوج متواتر پانچ مہینے سے میدانِ جنگ میں رہنے کے سبب بہت تھک چکی تھی۔ امرائے لشکر اور سپاہیوں کو اپنے گھروں اور بیوی بچوں سے الگ ہوئے کئی مہینے ہو چکے تھے پھر انہوں نے متواتر فتوحات سے اتنی غنیمت سمیٹ لی تھی کہ انہیں مزید کی ہوس نہ رہی تھی۔ ادھر یہ صورتِ حال تھی کہ ابرنس صاحبِ انطاکیہ کا ہم زلف بڑے قیمتی تحائف کے ساتھ سلطان کے حضور حاضر ہوا اور درخواست پیش کی کہ سلطان صاحبِ انطاکیہ کو صرف آٹھ مہینے کی مہلت اور دے دے۔ اس مدت میں نہ سلطان انطاکیہ پر حملہ آور ہو اور نہ انطاکیہ والے خلافِ مرضی سلطان کوئی حرکت کریں گے۔ اگر آٹھ مہینے کے اندر انطاکیہ کی مدد کے لئے یورپ سے کوئی فوج نہ آئی تو صاحبِ انطاکیہ وعدہ کرتا ہے کہ انطاکیہ سلطان کے سپرد کر دے گا۔ ۲

جب یہ سفیر آیا تو لازمی بات تھی کہ سلطان حسبِ عادت امرائے لشکر سے مشورہ کرتا اس نے مشورہ کیا تو امرائے لشکر نے مصالحت منظور کر لینے کی رائے دی۔ ۳ العماد الکاتب فرماتے ہیں، خود سلطان اس وقت مصالحت نہ چاہتا تھا لیکن امرائے لشکر صلح کے حامی تھے انہوں نے وکالت کی۔ آٹھ مہینہ کی یہ مدت جس کے لئے صاحبِ انطاکیہ نے مہلت مانگی ہے اس کی قوت و طاقت میں کوئی اضافہ نہ کر سکے گی اور یہ مدت جیسے ہی ختم ہو گی ہم پھر انطاکیہ پہنچ

لہ ابن اثیر جزء ۱۲ ۲ ابن خلدون جزء ۵ ۳۱۵-۳۶۶

۲ العماد الکاتب ۱۵۶ ابن شداد ۶۳

۳ ابن اثیر جزء ۱۲

جائیں گے۔ اس کے سارے قلعے ہمارے قبضہ میں آ چکے ہیں، صرف انطاکیہ باقی ہے اس پر ہم آسانی سے قبضہ کر لیں گے۔ امرائے لشکر نے اپنے مسلک کی تائید میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ (اگر دشمن مصالحت کی درخواست کریں تو یہ درخواست قبول کر لو)؎۱ ؎۱ العماد الکاتب ۱۵۶

بہر حال سلطان نے یہ مصالحت منظور کر لی اور اپنی طرف سے شرط عائد کی کہ صاحب انطاکیہ کے پاس جتنے مسلمان قیدی موجود ہیں۔ انہیں وہ فوری طور پر رہا کر دے؎۲۔ اس نے مسلمان قیدی رہا کر دیے اور سلطان نے اس معاہدہ کی تصدیق کر دی اور دونوں طرف کے سفیر معاہدہ کی تصدیق کے لیے ادھر آئے اور ادھر گئے۔ ؎۲ ابن اثیر جز ۱۲ ۳

جب مصالحت ہو گئی تو سلطان نے انطاکیہ سے اپنی چھاؤنی ہٹالی اور اپنے ساتھی امرا اور حلیف سرداروں کو اجازت دی کہ وہ اپنے اپنے علاقہ کو لوٹ جائیں۔ اس نے سب سے پہلے، امیر عماد الدین زنگی صاحب سنجار کو جو ایک طرح سے اس کی فوج کا سپہ سالار تھا رخصت کیا۔ رخصتی کے وقت سلطان نے عماد الدین زنگی کو خلعت ہائے فاخرہ سے نوازا۔ سلطان نے اسے بہت سے تحائف بھی دیئے۔ عمدہ گھوڑے، تلواریں اور کئی اور چیزیں عنایت کیں۔ اس کی فوج کے سرداروں اور حتیٰ کہ ایک ایک سپاہی کو انعام دیا۔

العماد الکاتب کا بیان ہے کہ سلطان نے عماد الدین زنگی کو بغراس ہی سے وطن جانے کی رخصت عطا کر دی تھی؎۳ ؎۳ العماد الکاتب ۱۵۹

مگر ابن اثیر فرماتے ہیں۔ سلطان نے عماد الدین اور دوسری فوجوں کو حلب آ کر وطن جانے کی اجازت دی؎۴ وہ حلب میں کچھ دن ٹھیرا۔ اپنے بیٹے الملک الظاہر سے ملا۔ اسے نئے مفتوحہ علاقوں کی نگرانی سپرد کی۔ فوج کے عمال اور سپاہیوں پہ انعامات کی بارش کی اور پھر وہاں سے نکل کر دمشق پہنچا۔ ؎۴ ابن اثیر جز ۱۲ ۴

العماد الکاتب کے بیان کی رو سے، اس سال کے رمضان میں کچھ دن باقی تھے۔ جب سلطان کی سواری دمشق میں داخل ہوئی؎۵ ؎۵ العماد الکاتب ۱۶۰

پھر میدانِ جنگ میں

ابھی دمشق آئے اسے چند دن ہوئے تھے۔ ابھی اس نے اور اس کی فوجِ خاصہ نے صرف چند روزے رکھے تھے کہ سلطان کی بے چین طبیعت اسے پھر جہاد پر لے گئی۔ غالباً اس لئے لے گئی کہ اس وقت جب وہ دمشق کے ٹھنڈے موسم کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس کا بھائی الملک العادل کرک کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور سلطان کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی کہ وہ خود تو دمشق میں آرام کرے اور اس کا بھائی میدانِ جنگ میں موجود ہو۔ گو کسی مؤرخ نے اس کے اس جذبہ کی ترجمانی نہیں کی۔

لیکن یہ امرِ واقعہ تھا کہ الملک العادل رمضان میں کرک کا محاصرہ کئے تھا۔ بہر حال سلطان رمضان ہی میں اپنے مخصوص دستہ فوج کے ساتھ صفد آن پہنچا اور اس کا محاصرہ شروع کر دیا۔ خدا کی شان، یہیں اسے خوشخبری ملی کہ الملک العادل نے کرک فتح کر لیا۔ یہ اتنی بڑی خوشخبری تھی کہ سلطان اسے سنتے ہی جھوم جھوم اٹھا۔ کرک، وہی قلعہ جس کا محاصرہ اس نے کئی بار کیا تھا جس کی فتح کی آرزو اسے برسوں سے تھی۔

چند دن بعد خبر آئی کہ الملک العادل کرک پر قبضہ کرنے اور اس کے انتظام سے فراغت پانے کے بعد اس کے پاس آرہے ہیں۔ پھر وہ خود ہی آن پہنچے اور بھائی کے ساتھ صفد کے محاصرہ میں شریک ہو گئے۔ وہ کوئی بیس رمضان کو صفد آئے۔ اس وقت صفد کے محاصرہ کو شروع ہوئے کئی دن ہو چکے تھے، شہر پناہ پر سلطانی منجنیقیں بڑی سنگ باری کر رہی تھیں۔ اس کی فوج نے صفد کے رہنے والوں پر عرصۂ حیات تنگ

کر رکھا تھا۔

صفد، اس طرف کا بہت مضبوط قلعہ تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سلطانی منجنیقیں اس پر سنگ باری کرتے کرتے ٹوٹ جائیں گی۔ مگر شہر پناہ شکست تسلیم نہ کرے گی۔ رمضان جیسے ہی ختم ہوا اور شوال شروع ہوا تو محصورین کے حوصلے ٹوٹنے لگے۔ محاصرہ کی شدت اور کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نے بالآخر ان سے مدافعت کی قوت چھین لی اور انہوں نے صلاح الدین کی خدمت میں سفارت بھیج کر مصالحت کی درخواست پیش کر دی۔

سلطان نے انہیں امان دے دی اور انہیں ان کے اموال کے ساتھ صفد سے نکل کر صور جانے کا اذن عطا فرما دیا۔

نکتہ چینوں نے سلطان کی اس روش پر بڑی نکتہ چینی کی ہے۔ وہ قلعوں کی فتح کے وقت وہاں کے لوگوں کو امان دیتا جاتا اور یہ لوگ مفتوحہ قلعوں سے نکل کر صور کی راہ لیتے اور اس طرح ان کی بکھری ہوئی قوتیں ایک جگہ مجتمع ہوتی جائیں۔ بہر نوع سلطان نے، صفد والوں کو بھی امان دے دی اور قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد حصن الکوکب کی راہ لی۔

یہ وہی قلعہ تھا جس کا محاصرہ وہ پہلے بھی کر چکا تھا مگر ناکام رہا تھا۔ اس بار وہ پورے عزم کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔ گو سخت بارشیں ہو رہی تھیں۔ آسمان بڑے زور سے ٹپک رہا تھا اور میدان جل تھل ہو گئے تھے۔ لیکن اس بہادر سلطان کے عزائم پر نہ بارش کی شدت نے کوئی اثر ڈالا اور نہ سخت سردی ہی نے کوئی کمزوری پیدا کی۔ اس بار اس نے محاصرہ میں بڑے صبر و استقلال سے کام لیا۔ اس نے یہ محاصرہ شوال میں شروع کیا تھا۔ وہ ذی قعدہ کے وسط تک کوکب کے اردگرد گھیرا ڈالے پڑا تھا۔ اس اثنا میں اس کی منجنیقیں شہر پناہ پر سنگ باری کرتی رہیں اور اس کی فوج محصورین سے لڑتی اور ان کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا کرتی رہی۔ یہاں تک کہ محصورین کے حوصلے جواب دے گئے۔ اور انہوں نے مصالحت کے لئے درخواست کی۔ سلطان نے حسب عادت ان کی درخواست

قبول کر لی اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ اپنی جانیں سلامت لے کر صور جا پہنچیں۔

حصن الکوکب کی فتح کے بعد سلطان بیت المقدس آیا۔ وہیں عید الاضحیٰ کی خوشیاں منائیں۔ قبۃ الصخرا میں عید کی نماز ادا کی۔ اور پھر عسقلان کی راہ لی۔ وہ عسقلان میں کچھ دن ٹھیرا وہیں سے اس نے اپنے بھائی الملک العادل کو مصر کے لئے رخصت کیا اور خود عکا کا سفر اختیار کیا۔ عسقلان سے عکا کا سفر اس نے ساحل بہ ساحل چل کر کیا تھا۔ رستہ میں جتنے ساحلی مقامات پڑے۔ ان سب پر نظر ڈالی۔ محرم ۵۸۵ھ کے آغاز تک وہ عکا میں مقیم رہا۔ چونکہ عکا اس کے نزدیک بڑی سیاسی اہمیت رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے بہاالدین قراقوش کو وہاں چھوڑا اسے حکم دیا کہ عکا کی شہر پناہ کو خوب مضبوط کرلے۔ یہ حکم دے کر وہ دمشق کی طرف بڑھا اور ربیع الاول کے آغاز تک دمشق میں ٹھیرا۔

گو اس نے پچھلے سال بڑی فتوحات حاصل کی تھیں۔ لیکن ابھی اس کا جی نہیں بھرا تھا ابھی بعض مقامات ایسے باقی تھے۔ جن کی فتح کے بغیر ارض فلسطین سے افرنگیوں کے تسلط کو ختم نہ کیا جا سکتا تھا۔

ان مقامات میں سے ایک صور تھا۔ ایک انطاکیہ اور ایک شقیف ارنون۔ صور کا ایک بار وہ ناکام محاصرہ کر چکا تھا۔ پھر وہاں اس وقت پورے یروشلم کے عیسائی جمع تھے اور اور سلطان ابھی ان سے آخری لڑائی لڑنے پر تیار نہ ہوا تھا۔ انطاکیہ کو اس نے نو مہینے کی مہلت دے رکھی تھی اور یہ مدت ابھی پوری نہ ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے ربیع الاول کے شروع ہوتے ہی شقیف ارنون کی طرف بڑھنے کی تیاریاں کیں۔[1]

شقیف ارنون، قلعہ بانیاس اور مرج عیون کے قریب کا ایک مضبوط و مستحکم قلعہ تھا۔ سلطان اسے فتح کرنے کی نیت سے ربیع الاول کے اندر ہی دمشق سے نکلا۔ وہ جب دمشق سے روانہ ہوا تو اس کے ساتھ صرف اس کی اپنی مخصوص فوج تھی۔ باقی لشکر وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ وہ

---

[1] ابن شداد ۹۰۔ ابن اثیر نے ارنون کی بجائے ارنوم لکھا ہے۔ ابن اثیر جز ۱۲ ۹ ۱۱

ٹھہرا رہیں۔ باقی لشکر بھی اس سے آن ملا ۔ ۱۱ ربیع الاول کو اس نے مرج عیون کی راہ لی۔ مرج عیون پہنچ کر اس نے عین شقیف، ارنون کے سامنے ڈیرے ڈال دیئے۔

ابن اثیر کے بیان کی رو سے شقیف ارنون کا مالک، ارناط وہی شخص تھا جو پہلے صیدا میں حکومت کرتا تھا۔ یہ بڑا سیاست دان مدبر حیلہ جو اور عیار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس میں صلاح الدین کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ اس لئے جیسے ہی سلطان وہاں پہنچا اور اس کی فوجیں مرج عیون کے آس پاس خیمہ زن ہوئیں۔ وہ سفید جھنڈی ہلاتا سلطان کے حضور آن پہنچا، وہ بڑی اچھی عربی جانتا تھا۔ اسلام سے بھی اسے خوب آگاہی تھی اور مزاج شناسی میں بھی ملکہ تامہ رکھتا تھا۔ اس نے صلاح الدین کو خوب پڑھا تھا۔ اسے اس بات کا خوب علم تھا کہ صلاح الدین غیر مسلموں کو اسلام سے قریب لانے کا کس درجہ مشتاق ہے اس جہاندیدہ وجہاں بین عیسائی سیاستدان نے صلاح الدین کے اس جذبہ سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس سے اسلام کے بعض مسائل سمجھے، کچھ اعتراضات بھی کئے اور کچھ اسلام قبول کرنے پر میلان بھی ظاہر کیا اور یہ سب باتیں کر کے اس نے صلاح الدین کے دل میں اپنے لئے جگہ پیدا کر لی۔

ابن شداد کے الفاظ میں وہ بہت ڈرامائی انداز میں سلطان کے خیمہ کے دروازہ پر پہنچا تھا۔

بہرحال سلطان نے اس دانا و بینا اور معاملہ فہم عیسائی مدبر کی خوب تواضع کی۔ دسترخوان بچھا تو اس نے اسے پہلو میں بٹھایا۔

وہ اس قدر ابن الوقت تھا کہ اس نے سلطان کو یقین دلا دیا کہ وہ سلطان کا غلام اور خادم ہے۔ سلطان اسے ہر وقت اپنا سمجھیں۔ اس کا یہ قلعہ سلطان کا ہے۔ سلطان اسے جب چاہیں لے سکتے ہیں۔ اس کے بدلے میں وہ دمشق جانے کے لئے تیار ہے

وہاں سلطان اسے جس طرح رکھیں گے وہ رہے گا۔ لیکن چونکہ اس کے بیوی بچے اور اہل وعیال صور میں ہیں اور وہاں کا حاکم مرکیش، اس کے خلاف ہے اس لئے سلطان اسے تین مہینے کی مہلت دیں تاکہ وہ اپنے بچوں کو وہاں سے نکال لائے۔

سلطان نے اس کی ہر بات قبول کر لی۔ اسے تین مہینے کی مہلت بھی دے دی۔ اور اسے اپنے قریب رہنے کے مواقع بھی عطا فرمائے۔

ابنِ شداد کے الفاظ ہیں۔

فاجیب الیٰ ذالک کلہ واقام یتردد الیٰ خدمۃ السلطان فی کل وقت ویناظر فی دینہ ونناظرہ فی بطلانہ وکان حسن المحاورۃ ومتادبا فی کلامہ[۱]

سلطان نے اس کی ہر بات مان لی۔ وہ بادشاہ کے پاس مقیم ہوا ہر وقت سلطان کی خدمت میں حاضر رہتا اور اس کی خوب خدمت کرتا۔ دین کے مسائل میں سلطان سے مناظرہ بھی کرتا۔ ہم لوگ اس کے اعتراضات کے جوابات دیتے یہ شخص بڑی اچھی زبان بولتا اور بڑی تہذیب و شائستگی سے گفتگو کرتا۔

یہاں تک کہ تین مہینے کی مدت گزرنے لگی اور اس اثنا میں سلطان کے مخبر اس کے پاس خبریں لاتے رہے کہ اس شخص نے سلطان کو دھوکا دیا ہے۔ اس نے یہ مہلت محض اس لئے طلب کی ہے کہ قلعہ کے کمزور مقامات کی مرمت کرے اور اسے زیادہ سے زیادہ مضبوط بنا لے۔

سلطان کو جیسے ہی ارناط کی بے وفائی کا یقین ہوا اور مہلت کی مدت خاتمہ کے قریب ہو گئی تو سلطان نے اپنی چھاؤنی بدل لی۔ اس نے اپنے اور اپنے محافظوں کے خیمے قلعہ سے بہت قریب واقع پہاڑی پر نصب کرائے۔ جب سلطانی چھاؤنی یوں قلعہ کے قریب آگئی تو ارناط بہت پریشان ہوا۔ وہ فوراً بادشاہ کے حضور حاضر ہوا حسبِ دستور

۱ ابن شداد ۶۵-۶۶

خوشامد کی۔ میٹھی میٹھی باتوں سے بادشاہ کو لبھانا چاہا اور بہانہ بنایا کہ ابھی تک اس کے اہل وعیال کے کچھ افراد صور سے یہاں منتقل نہیں ہو سکے۔ اس لئے مزید مہلت دی جائے۔ وہ بادشاہ کو متاثر کرنے کے لئے ایک دن بادشاہ کے پاس ہی ٹھیرا۔ رات کے وقت اس نے بادشاہ سے قلعہ واپس جانے کی اجازت لی اور سلطان نے اسے کسی شک وشبہ کے بغیر واپس جانے دیا۔ چند دن بعد وہ پھر آیا۔ مہلت کے ختم ہونے میں اب صرف چند دن باقی رہ گئے تھے۔ اس بار حاضر ہو کر اس نے پھر پہلے سے انداز اختیار کئے۔ بحث ومباحثہ کیا اور بادشاہ کے محبت بھرے سلوک سے متاثر ہو کر تو مہینے کی مہلت کی درخواست کی۔ گو بادشاہ کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ لیکن اس نے بڑے حوصلے سے کام لیا۔ اسے اس نے نہ تو مایوس کیا اور نہ امید ہی دلائی۔ اپنے پہلو میں اس کے لئے ایک خیمہ نصب کرا دیا۔ اور اسے حکم دیا۔ اس وقت تک یہیں رہے۔ جب تک سلطان اپنے عہدیداروں سے اس مسئلہ پہ مشورہ نہ کر لیں۔

بظاہر اسے ایک معزز ومحترم مہمان کی طرح رکھا گیا۔ لیکن بہ باطن وہ شاہی حراست میں تھا۔ اس کے خیمہ کے آس پاس ہر وقت پہرہ لگا رہتا۔ پہرہ کچھ اس طرح لگایا گیا کہ اسے محسوس نہ ہونے دیا گیا۔ کہ وہ شاہی حراست میں ہے۔ لیکن جب چند دن بعد تین مہینے کی متعینہ مدت ختم ہو گئی تو بادشاہ نے اس سے حسب قرارداد قلعہ کی سپردگی کا مطالبہ کیا۔ اس وقت سلطان نے اس سے اپنے شبہات کا اظہار کیا۔ اس وقت سلطان کی طرف سے اس سے شکایت کی گئی کہ اس نے غداری سے کام لیا اور قرارداد کی مخالفت کی۔ ارناط نے اپنے جرم کا اعتراف نہ کیا اور بادشاہ سے اس الزام کا ثبوت مانگا۔ ثبوت مہیا کرنے کے لئے ایک آدمی اس کا اور ایک بادشاہ کا قلعہ کے اندر پہنچا۔ شہر پناہ میں نئی ترمیمیں کی گئی تھیں اور ایک بنا دروازہ کھولا گیا تھا۔ جب اس تحقیقاتی کمیشن نے واپس آن کر اپنی رپورٹ پیش کی۔ تو سلطان نے اسے باقاعدہ نظر بند کر دیا۔

۱۸ جمادی الآخر کو مقررہ مدت ختم ہوتی تھی۔ اس دن شاہی امرا اور ارناط، قلعہ کی سپردگی کے لئے قلعہ کے دروازوں پر پہنچے۔ لیکن چونکہ ارناط نے پہلے سے قلعہ کے محافظوں کو سمجھا رکھا تھا کہ وہ قلعہ سپرد کر دینے سے انکار کر دیں۔ اس لئے کسی نے اس کی بات نہ سُنی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کو ازسرِ نو اس کا محاصرہ کرنا پڑا۔

ابن شداد فرماتے ہیں کہ سلطان بہت خفا تھا کہ تین مہینے اس ارناط کی غداری کے سبب ضائع ہو گئے۔[1]

لین پول نے سلطان پر طعن کیا ہے کہ اس نے اس معمولی سے قلعہ کے لئے اتنا وقت کیوں ضائع کیا اور کیوں یہاں بیکار پڑے رہ کر افرنگیوں کو موقع دیا کہ وہ صور میں جمع ہوتے رہیں[2] اور اس قیامت کی تمہید بنیں۔ جو چند مہینے بعد پوری قوت سے برپا ہوئی۔

---

[1] ابن شداد ۱۷۰، ابن اثیر جزء ۱۲، ۱۱، ابن خلدون جزء ۵، ۳۱۷

[2] لین پول ۲۱۸

طوفان اُٹھے

یورپ جاگا
عکا کی لڑائی
جنگِ عظیم

یورپ جاگا

لین پول نے ایک بڑے یورپین مورخ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب صلاح الدین نے یروشلم کی عیسائی سلطنت پر ضربِ کاری لگائی جب اس نے عیسائیوں سے مسیح علیہ السلام کی جائے پیدائش چھین لی۔ تو سارا عیسائی یورپ جاگ اٹھا۔ ہر طرف مقدس صلیبی جنگ کے نعرے لگنے لگے۔ یورپ کا کوئی دربار ایسا نہ تھا۔ جہاں اس حادثہ کے سبب غم و غصہ کی لہر نہ دوڑ گئی ہو[1]

[1] لین پول ۲۱۶

یہ ایک امرِ واقعہ تھا۔ یروشلم کی زمین، یورپ کے عیسائیوں کے نزدیک نہ صرف مقدس تھی۔ اس میں ہزاروں دلکشیاں بھی تھیں۔ یہی وہ سرزمین تھی جس کی فضا میں گیارھویں صدی عیسوی میں یورپ کے بڑے بڑے شاہ سواروں نے اپنی خونیں تلواریں چمکائیں تھیں یہی وہ سرزمین تھی جس نے یورپ کے حریص تاجروں اور لالچی پادریوں کی جھولیاں زر و جواہر سے بھری تھیں۔

یہی وہ سرزمین تھی جہاں پہنچ کر یورپ کے پادریوں نے مذہب کے نام پر مکر و فریب کا مقدس دام پھیلا کر یورپ اور یروشلم کے زائرین کی جیبوں پر ڈاکے ڈالے تھے۔

ان مذہبی چودھریوں اور مسیح کے نام پر زر و جواہر سے جھولیاں بھرنے والے مقدس پادریوں سے جب ان کا ذریعہ عیش و نشاط چھنا تو انہوں نے اس کے دوبارہ حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کی

ہم نے پیچھے، بیت المقدس سے بڑے پادری کے اخراج کی کیفیت عرض کی تھی

خود لین پول نے اعتراف کیا تھا کہ جب یہ بڑا پادری بیت المقدس سے نکلا۔ تو اس نے گرجاؤں کی دولت سمیٹی، سونے کے پیالے اور آب مطہر رکھنے کا سامان اور عہد مسیح پر جو طلائی ظروف رہتے تھے۔ وہ سب کے سب اپنے قبضہ میں کئے۔"

یہی عالم دوسرے پادریوں کا تھا اور یہ لازمی بات تھی کہ بیت المقدس کے چلے جانے پر ان پادریوں پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ صلاح الدین کے خلاف یورپ کے عوام وخواص کے دلوں میں جن لوگوں نے نفرت پیدا کی۔ ان میں پیش پیش یہی پادری اور بہت سے ممتاز اور بڑے مشہور شاہسوار تھے۔

ابن اثیر کے الفاظ ہیں:۔

ثم ان الرهبان و القس و خلقا کثیرا من مشهوریهم و فرسانهم لبسوا السواد واظهروا الحزن علی خروج البیت المقدس من ایدیهم واخذهم البترك کان بالقدس، ودخل بهم بلاد الفرنج یطوفها بهم جمیعا ویستنجدون اهلها، ویستجیرون بهم ویحثونهم علی الاخذ بثار البیت المقدس وصوروا المسیح علیه السلام وجعلوا صورة رجل عربی و العربی یضربه، وجعلوا الدماء علی صورة المسیح علیه السلام، وقالوا لهم هذا المسیح یضربه محمد نبی المسلمین وقد جرحه وقتله فعظم ذالك علی الفرنج فحشروا وحشدوا حتی النساء

ومن لم یستطع الخروج استاجر من یخرج عوضه

او یعطهم مالاً علی قدر حالهم فاجتمع لهم من الرجال
والاموال مالا یطرق الیه الحصاء

ابن اثیر جز ۱۲

پھر ان کے رہبان اور پادری، اور ان کے مشہور لوگوں اور شاہسواروں میں سے بہت سوں نے سیاہ ماتمی لباس پہن لئے اور بیت المقدس کے چھن جانے پر اپنے غم کا اظہار کیا۔ قدس کا بطرک، انہیں ایک وفد کی شکل دے کر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ ان کو لے کر بلادِ الفرنج میں داخل ہوا۔ بستی بستی اور قریہ قریہ گھوما اور وہاں کے باشندوں کو چیخ چیخ کر، اور رو رو کر، بیت المقدس کے چھن جانے کا حال کہا۔ ان سے مدد مانگی اور انہیں بیت المقدس کا انتقام لینے پر ابھارا۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام اور ایک عرب کی تصویریں بنائیں۔ یہ تصویریں کچھ اس طرح بنی تھیں کہ عربی، حضرت مسیح علیہ السلام کو مارتا دکھائی دے رہا تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر پر خون کے دھبے تھے۔ یہ حضرات لوگوں کو تصویریں دکھا کر کہتے۔ یہ مسیح علیہ السلام ہیں۔ انہیں مسلمانوں کے نبی محمد مار رہے ہیں۔ انہوں نے مسیح کو مجروح اور قتل کر دیا ہے۔

یہ بات عیسائیوں کو بہت ناگوار ہوئی۔ ان کے دل جوش سے بھر گئے وہ گھروں سے نکل آئے۔ یہاں تک کہ ان کی عورتوں نے بھی ہتھیار اٹھا لئے۔

جو لوگ گھروں سے نکل نہ سکے۔ انہوں نے اپنے بدلہ میں دوسرے لوگوں کو روپیہ دے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار کیا۔

لوگوں نے اپنے مالی حالات کے مطابق خوب چندہ دیا اور اس طرح بیت المقدس کے اس وفد نے لاتعداد و بے حساب آدمی جمع کر لئے اور دولت اکٹھی کر لی

ابن اثیر ہی کا بیان ہے کہ بیت المقدس کے بعض مبلغ کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل ساحل گھومے۔ ابن اثیر نے ان میں سے بعض لوگوں سے جو حصن الاکراد میں ان سے ملے

تھے۔ سنا تھا کہ بلاد الروم کے بعض ساحلوں پر وہاں کے لوگوں نے ان کشتیوں کو چاندی سے بھر دیا تھا۔

یورپ کے عیسائیوں میں بیت المقدس کو مسلمانوں سے چھڑانے کے لئے اس قدر جوش پھیل گیا تھا کہ بعض ماؤں نے اپنے اکلوتے بچوں کو اپنے سکونتی مکان بیچ کر شام بھیج دیا۔ تاکہ مسلمانوں سے جہاد کر کے بیت المقدس کو ان کے ہاتھ سے چھڑائیں۔

پورے یورپ کے عیسائیوں میں ایک عجیب مذہبی جنون پیدا ہو گیا تھا۔ وہ موج در موج اور کارواں در کارواں صور پہنچے، ان کے ساتھ دولت کے انبار تھے۔ ان میں بادشاہ بھی تھے، شاہزادے بھی، شاہسوار بھی تھے، تاجر بھی، امیر بھی تھے اور مفلس بھی، یہ ایک عجیب آگ تھی جو انہیں یورپ کی ہر چہار طرف سے ہنکا کر صور لا رہی تھی۔

ابن اثیر فرماتے ہیں، صور شہر کا اندر اور باہر ان سے بھر گیا تھا۔ ان کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ صور کی محدود دیواروں انہیں اپنے اندر جگہ نہ دے سکیں اور لوگوں کو باہر کے میدانوں میں رہنا پڑا

ابن اثیر ہی فرماتے ہیں صلاح الدین کے حلم اور جذبۂ جاں بخشی نے صور میں یروشلم کے تمام مفتوحہ شہروں کے باشندے جمع کر دیئے تھے۔ یہ سب کے سب وہاں اپنی جانیں بھی لے گئے تھے اور ڈھیروں مال و دولت بھی۔

ابن اثیر کے بیان کی رو سے وہاں اتنے آدمی جمع ہو گئے تھے کہ ان کی گنتی ناممکن تھی۔ ان کے الفاظ ہیں:

فاجتمع بها منهم عالم كثيرة لا يعد ولا يحصى ومن الاموال ما لا يغنى على كثرة الانفاق فى السنين الكثيرة۔[1]

بے حد وحساب آدمیوں کے علاوہ صور میں اتنی دولت اکٹھی ہو گئی تھی کہ سالہا سال کے اسراف، فضول خرچی کے باوجود ختم نہ ہو سکتی۔

[1] ابن اثیر جز ۱۲

ابن خلدون کی روایت ہے کہ یورپ کا کوئی شہر اور کوئی بستی ایسی نہ تھی جس کے آدمی بیت المقدس کو صلاح الدین سے چھیننے کے لئے صور نہ آئے ہوں"! یورپ سے آنے والی کشتیاں برابر آدمیوں، اسلحہ اور روپے سے بھر کر روزانہ صور پہنچ رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی۔ کہ شقیف ارنون کے حاکم نے سلطان کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ یہی سبب تھا کہ اس نے سلطان سے پہلے تین مہینہ کی مہلت مانگی۔ اور پھر اور وقت چاہا۔ اس نے صور میں جمع ہونے والے عیسائیوں سے سازش کر رکھی تھی۔ وہ سلطان کو شقیف ارنون میں بیکار روک کر صور میں جمع ہونے والے عیسائیوں کو زیادہ سے زیادہ تیاری کے مواقع بہم پہنچانا چاہتا تھا۔

لین پول نے اعتراض کیا ہے کہ شاید اس وقت سلطان کا محکمہ خبر رسانی نکما تھا کہ اس نے سلطان کو اس اجتماع کی خبر نہ کی ہو، اور اس کے میدان مجاہدین مغرب سے بھرتے رہے اور سلطان ان سے قطعاً بے خبر ہو کر شقیف ارنون کے سامنے پڑا رہا۔ اگر سلطان اس وقت مستعدی سے کام لیتا اور صور پہنچ کر عیسائیوں کے اجتماع کو روک دیتا تو اسے وہ نقصان نہ اٹھانا پڑتا جو اس نے بعد میں اٹھایا۔

ہم لین پول کے اس اعتراض کو قطعاً رد تو نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ امر واقعہ تھا کہ سلطان جب شقیف ارنون کے سامنے پڑا تھا صور میں عیسائی بڑی کثرت سے جمع ہو رہے تھے۔ اور اگر وہ شقیف ارنون کا محاصرہ چھوڑ کر اپنی فوجیں صور کے قریب لا ڈالتا تو صور میں جمع ہونے والے عیسائی عکا کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ رکھتے اور وہ لڑائی جو عکا پر لڑی گئی صور کے میدانوں میں لڑی جاتی اور غالباً وہ اتنی ہولناک نہ ہوتی جیسی کہ عکا کی لڑائی ثابت ہوئی۔

لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ صور میں جمع ہونے والے عیسائیوں کو اگر صلاح الدین اس وقت روکنا بھی چاہتا تو روک نہ سکتا تھا۔ اس لئے کہ صلاح الدین کے پاس کوئی طاقتور بحری بیڑہ نہ تھا۔ صور کے محاصرہ کے وقت اس نے اپنی اس کمزوری کو خوب جان لیا تھا اور اسی لئے اس نے صور کا محاصرہ چھوڑ کر اندرون ملک کی راہ لی تھی۔ اس کے

برعکس صور کے ڈانڈے سمندر کے ذریعہ سارے یورپ سے ملے تھے۔ اس کا اپنا بحری بیڑہ اتنا طاقتور تھا کہ سلطان اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ پھر فرانس، انگلستان اور صقلیہ کے بحری بیڑے صور کی مدد کو آن پہنچے تھے اور انہیں ناکام بنانے کے لیے سلطان کو ان سب سے زیادہ قوی بیڑے کی ضرورت تھی۔

بہرنوع، صورتِ حال خواہ کچھ بھی تھی۔ اسے سلطان کے محکمہ خبر رساں کی بے خبری پر محمول کیا جائے یا سلطان کے استغنا کو اس کا سبب قرار دیا جائے۔ سلطان اپنے صدر مقام سے اس وقت تک نہیں ہلا۔ جب تک عیسائیوں کا موجیں مارتا ہوا سیلاب عکا نہیں پہنچ گیا۔

ابنِ کثیر کے ایک بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب عیسائیوں نے عکا کا محاصرہ کیا تو اس وقت سلطان دمشق میں تھا۔ اس وقت تک اسے عیسائیوں کے عکا آنے کی اطلاع نہ ملی تھی۔ ابنِ کثیر کے الفاظ ہیں :-

لما کان شہر رجب اجتمع من کان بصور من الفرنج وساروا الی مدینۃ عکا۔ فاحاطوا بہا یحاصرونہا، فتحصن من فیہا من المسلمین واعدوا للحصار ما یحتاجون الیہ، وبلغ السلطان خبرہم فسار الیہم من دمشق مسرعاً۔

رجب کے مہینے میں صور کے افرنگی مجتمع ہوئے اور عکا کی طرف چلے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں جو مسلمان تھے۔ انہوں نے مدافعت کے سامان کئے اور محصور ہو گئے۔ بادشاہ کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ دمشق سے پھرتی کے ساتھ نکلا۔

اس بیان کی رو سے سلطان کو جیسے ہی عکا کے محاصرہ کی خبر ملی۔ وہ بھاگتا ہوا تیز تیز قدم اٹھاتا عکا آیا۔ وہاں پہنچا تو عیسائی عکا کا محاصرہ کر چکے تھے۔

یہ ابنِ کثیر کا بیان ہے جو اس وقت موقعہ پر موجود نہ تھے۔ ابنِ شداد موقعہ پر تھا۔ اس کے بیان کی رو سے جب بادشاہ کو صور سے عیسائیوں کے لشکر جرار کی روانگی کی خبر ملی تو اس وقت دمشق میں نہیں شقیف ارنون کی ایک پہاڑی پر مقیم تھا۔ الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

واصبح السلطان ثامن رجب ورقی الی سنام الجبل فخیمه، وهو موضع مشرف علی الشقیف من المکان الذی کان فیه اولی وابعد من الوضع، وکان قد تغیر مزاجه [1]

ابن شداد ۱۷۱

ثم بلغنا بعد ذالك ان الافرنج بصر مع الملك قد بادروا نحو النواقیر یریدون جهة عکا، وان بعضهم نزل بالاسکندرونه وجری بینهم وبین رجالة المسلمین مناوشة [2]

ابن شداد ۱۷۱

پھر ہمیں اس کے بعد خبر ملی کہ افرنگ اپنے بادشاہ کے ساتھ عکا کے ارادہ سے نواقیر کی طرف چل پڑے ہیں۔ ان میں سے کچھ اسکندرونہ اترے اور ان میں اور مسلمانوں کے ایک دستہ فوج میں جھڑپ بھی ہوئی ہے۔

ابن شداد نے آگے چل کر یہ بات بھی بیان کی ہے کہ جب سلطان کو یہ خبر ملی تو اس کو بہت صدمہ پہنچا۔ لیکن اس کے باوجود اس نے شقیف ارنون سے اپنی چھاؤنی اکھیڑنے میں جلدی نہیں کی۔ پہلے وہ سمجھا کہ عیسائیوں نے صور سے آگے کی طرف اس لئے پیش قدمی کی ہے کہ ان کا مقصد بادشاہ کو شقیف ارنون سے ہٹانا ہے۔ یہ پیش قدمی محض حیلہ ہے۔ اسی لئے وہ ۱۲ رجب تک وہیں رہا اور صحیح حالات کا منتظر رہا۔ ۱۲ رجب کو ایک اور قاصد عکا کی طرف سے یہاں آیا اور اس نے خبر دی کہ عیسائی عین لتبر پر پہنچ چکے ہیں اور ان کا مقدمۃ الجیش اس وقت زیت کے قریب [3] ہے۔

ابن شداد ۱۷۱

ابن شداد یہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اب سلطان بہت پریشان ہوا اور اس نے اپنی قلمرو کے تمام بڑے سپہ سالاروں کے نام خطوط بھجوائے اور ان کو حکم دیا کہ جلدی جلدی عکا کی طرف چل پڑیں۔ دوسری صبح اس نے بھی جبریہ کے رستہ عکا کی طرف کوچ کیا۔

عماد کاتب ۲۶۱

عکا کی لڑائی

اور یہ عکا، جو شقیف ارنون سے پندرہ میل کے فاصلے پر تھا اور جہاں عیسائی فوجیں جمع ہو رہی تھیں، بحیرہ شام کا ایک مشہور شہر تھا۔ اس کے دو طرف سمندر موجیں مارتا اور دو طرف خشکی تھی۔ سمندر کی طرف شہر پناہ اتنی مضبوط نہ تھی جتنی کہ خشکی کی سمت کی تھی۔

لین پول کے بیان کی رو سے اس شہر کو زمانہ قدیم میں بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ وہی شہر ہے جہاں یہودا نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرانا چاہا تھا۔ شام کی صرف یہی بندرگاہ ایسی تھی جو دشمن جہازوں کو اپنے اندر آنے سے روکنے پر قادر تھی۔ ایک بہت بھاری اور وزنی آہنی زنجیر اس کے ساحل کی حفاظت کرتی اور کوئی بیرونی جہاز ساحل کے حکام کی مرضی کے بغیر ساحل تک پہنچ نہ سکتا۔

ساحلِ شام کا یہ مشہور شہر بیس میل لمبے اور شاداب میدان کا مالک تھا۔ اسی وسیع اور شاداب میدان میں، تاریخ شام کی سب سے بڑی لڑائی لڑی گئی۔

لین پول نے عکا کی لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ صلاح الدین تھا جس نے اس کا مواد تیار کیا۔ لین پول نے یہ الزام لگاتے وقت ایک ایسا قصہ کہا ہے جو سلطان کی عظمت و بزرگی کے نشان دل میں بہت گہرے کر دیتا ہے۔

لین پول کے بیان کی رو سے عکا کی اس بڑی لڑائی کی طرح جن اشخاص نے ڈالی وہ یروشلم کا سابق بادشاہ جفری اور عیسائی لڑاکا سپاہیوں کے سپہ سالار مقدم الداویہ تھے اور یہ دونوں وہ تھے جنہیں بادشاہ نے محض اپنی دریا دلی کی بنا پر رہائی بخشی تھی۔ یہ دونوں اس کے پاس قید تھے۔

سلطان اس وقت انطرطوس میں
تھا جب ملکہ نے اس کے حضور اپیل کی۔ بادشاہ نے دونوں قیدیوں کو وہاں بلایا۔ ان سے
عہد لیا کہ وہ آئندہ سلطان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں گے اور نہ کسی قسم کی مخالفت کریں گے۔ خصوصیت
سے جفری نے تو زندگی بھر سلطان کی غلامی میں رہنے کا سنگین اقرار کیا تھا۔ مگر جب اسے
رہائی ملی اور وہ اپنی بیوی کے پاس آیا تو اس کے حاشیہ نشینوں اور خصوصیت سے پادریوں
نے اسے سلطان کے خلاف علم بلند کرنے پر اکسا دیا۔ اس نے قسمیں کھا کھا کر سلطان سے
لین پول ۲۵ وفادار رہنے کا جو عہد کیا تھا، پادریوں نے اس سے اسے بری الذمہ قرار دے دیا اور یوں
ایک عیسائی فرمانروا نے اپنے محسن سے نہ صرف غداری کی، نہ صرف اس کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔
بلکہ ایک طویل محاذ کھول دیا۔ اس میں کلام نہیں ہے کہ شاہ یروشلم کی رہائی کے بعد، یروشلم
کے طول و عرض میں چھپے عیسائیوں کو ایک مذہبی آگ اس کی طرف لے آئی تھی اور وہ انہیں واپس
کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اس لئے کہ ان لوگوں میں کئی مشہور پادری، کئی بڑے جاگیردار اور
مشہور شہسوار بھی تھے۔

بہرحال جفری ان سب کو لے کر پہلے صور گیا۔ اس کا ارادہ تھا، صور کو اپنا مستقر بنا لے،
لیکن صور کے مرکیش نے اس سے ہمنوائی نہ کی۔ اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔
البتہ اسے صلاح الدین کے خلاف جنگ میں ہر طرح کی مدد دی، رضاکار بھی دیئے اور ہتھیار
بھی مہیا کئے۔ صور کے لوگ بھی اس کے ساتھ مل گئے۔ یورپ سے عیسائی رضاکاروں کے جو
کارواں کے کارواں چلے آ رہے تھے۔ یہ سب کے سب اس کے مہمان ہوتے اور اس کے
ابن شداد ۶۹ علم تلے لڑنے کی قسمیں کھاتے۔

دوسرے لفظوں میں وہ پہلا بڑا ہیرو تھا۔ اس بڑی فوج کا جو صور سے چل کر عکا آئی۔
لین پول کے بیان کی رو سے، گائی جو مجتمع فوج لے کر عکا پہنچا تھا۔ اس کی تعداد اکیس ہزار
ابن کثیر جز ۲۔ ۲۱ ابن شداد تھی۔ لیکن ابن کثیر، ابن اثیر اور ابن شداد نے یہ تعداد تیس ہزار بتائی ہے۔ یہ کم سے کم تعداد تھی

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ گائی جب صور سے عکا کی طرف چلا تو اس کا کوچ ایک بڑے لشکر کا کوچ تھا۔ پیادہ اور سوار فوج، ساحل بہ ساحل چل رہی تھی اور تمام اسلحہ اور کھانے کی چیزوں کے ذخیرے بحری کشتیوں میں لدے تھے۔ یہ کشتیاں فوج کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

ابن اثیر نے جفری کی روانگی کا قصہ کہنے کے بعد صلاح الدین کے متعلق لکھا ہے کہ جب سلطان کو جفری کے کوچ کی خبر ملی تو اس نے فوجی کانفرنس منعقد کی اور امرائے لشکر سے پوچھا۔ کہ آیا فوری طور پر پیش قدمی کر کے دشمن کی راہ روک لی جائے۔ لیکن امرائے لشکر نے فوری طور پر پیش قدمی کر کے لڑائی چھیڑنے کی سخت مخالفت کی۔ حتیٰ کہ وہ راہ بھی اختیار کرنے سے روکا جس پر دشمن روانہ ہوا تھا۔

ابن اثیر فرماتے ہیں۔ بادشاہ کا اپنا ارادہ اس کے خلاف تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ دشمن کو عکا نہ پہنچنے دے اور راستہ ہی میں اس سے لڑائی چھیڑ دے۔ لیکن نہ جانے کیوں اس نے اپنی رائے پر امرائے لشکر کے مشورہ کو ترجیح دی۔[1] (ابن اثیر ج ۱۲)

اگر ابن اثیر کا بیان صحیح مان لیا جائے تو اس کے معنیٰ یہ تھے کہ سلطان کے امرا نے عیسائی فوج کو خود یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ بغیر کسی مزاحمت کے آگے بڑھ جائے۔ ابن اثیر فرماتے ہیں کہ اگر سلطان کے امرائے لشکر سلطان کی رائے مان لیتے اور جفری کی فوج کے رستہ ہی میں لڑائی چھیڑ دیتے تو جفری عکا نہ پہنچ سکتا۔

لیکن "اذا اراد اللہ امراً ھیأ اسبابہ"

بہر حال عکا پہنچنے سے پہلے، سلطان اور عیسائیوں میں کوئی جھڑپ نہیں ہوئی۔ دونوں نے الگ الگ راہ اختیار کی۔ سلطان جب آیا تو عیسائی عکہ کا محاصرہ کر چکے تھے

بہاء الدین ابن شداد بھی بادشاہ کے ساتھ عکا پہنچا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ سلطان نے عکا آتے ہی دشمن کے حصار کو کاٹ دیا اور اپنی مخصوص فوج کے ساتھ دشمن کی چھاؤنی کے اندر سے راہ بناتا عکا کے دروازہ پر دستک دی، اندر داخل ہوا۔ شہر پناہ کا معائنہ کیا۔ اس کے برج

دیکھے اور وہاں پر فوج متعین کی۔ پہلے وہاں فوج کافی نہ تھی۔ سلطان نے اور فوج اندر داخل کی۔ اسے جا بجا متعین کیا۔ غلّہ کے ذخیرے شہر میں بھجوائے اور جب حسب منشا پورا انتظام کر لیا تو شہر سے نکلا اور دشمن کی چھاؤنی سے ایک بار اور راہ بناتا اپنی چھاؤنی میں لوٹ آیا۔ وہ خود تل کیسان پر ٹھیرا۔ میسرہ کو نہر الحلو پہ اتارا۔ اور میمنہ کے آخر کو تل العیاضیہ کے مقابل اس طرح پھیلا دیا کہ ابنِ شداد کو ایسا معلوم ہُوا جیسے عساکرِ اسلامیہ نے عیسائی فوج کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔

مسلمانوں کے عکا پہنچتے ہی دونوں فوجوں میں جھڑپیں شروع ہو گئی تھیں۔ گو مسلمان فوج بہت بیتاب تھی کہ دشمن سے آتے ہی فیصلہ کُن لڑائی لڑے۔ لیکن سلطان نے اسے روکا اور مناسب وقت کے لیے منتظر رہنے کا حکم دیا۔

اس وقت سلطان کے ساتھ جو فوج آئی تھی۔ وہ صرف وہ تھی جو اس کے ساتھ شقیف ارنون کے محاصرہ میں شریک تھی۔ ابھی اسلامی قلمرو کے دوسرے حصوں کی فوجیں یہاں نہ پہنچی تھیں۔ لیکن عیسائی عکا کی طرف دوڑے چلے آرہے تھے۔ کوئی دن خالی نہ گزرتا جب یورپ سے آنے والی کشتیاں عیسائی مجاہدین سے لدی عکا کے ساحل پر نہ اُترتیں۔ یہاں تک کہ ابنِ شداد کہتے ہیں کہ عیسائیوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی اور ان میں اتنا حوصلہ پیدا ہو گیا کہ انہوں نے عکا کو پورے طور پر گھیرے میں لے لیا۔ عکا کی طرف جانے والی ہر راہ بند کر دی[1] اور اسلامی فوج اور عکا کے محصور مسلمانوں کا باہمی رشتہ توڑ ڈالا۔ یہ صورت حال بہت خطرناک تھی۔ سلطان نے امرائے لشکر کی کانفرنس منعقد کی اور فیصلہ کیا کہ دشمن کا حصار ہر قیمت پر توڑ دیا جائے۔ دوسری صبح سلطان نے فوج مرتب کی اور نماز جمعہ سے فراغت پاتے ہی حملہ کا آغاز کر دیا۔

جمعہ کی نماز کے بعد سے جنگ شروع ہوئی اور رات ہوتے تک پوری شدّت سے ہوتی رہی۔ دونوں فریقوں نے بڑی جرأت و بہادری کے ساتھ ایک دوسرے کے گلے کاٹے۔ جب رات کی سیاہی نے دونوں فوجوں کو ڈھانپ لیا۔

[1] ابن شداد ۲۰

تو دونوں لڑتے لڑتے اپنی اپنی جگہ رُک گئیں۔ دونوں فریق اس رات میدان جنگ ہی میں رہے۔ کسی ایک نے بھی ہتھیار نہ کھولے۔

جیسے ہی صبح ہوئی اور روشنی کی کرنیں چاروں طرف پھیل نکلیں۔ ہتھیار پھر بجنے لگے۔ یہ ہفتہ کا دن تھا۔ اس دن مسلمانوں نے دشمن پر دو کامیاب حملے کئے۔ شمالی عکا کا محاذ قطعاً توڑ دیا اور دشمن کو مارتے دور تک دھکیل لے گئے۔ اس لڑائی سے مقصود محض عکا کے حصار کو توڑنا اور اسلامی چھاؤنی اور عکا کے مابین ٹوٹا ہوا رشتہ قائم کرنا تھا۔ مسلمانوں نے ہفتہ کے دن یہ راہ بنالی اور عکا کا سلسلہ اپنے ساتھ قائم کر لیا۔ اس دن سلطان ایک بار اور عکا میں داخل ہوا۔ شہر پناہ پر چڑھا۔ دشمن کی چھاؤنی اور چوکیوں پر نظر ڈالی۔ جب سلطان عکا کا معائنہ کر رہا تھا۔ اسلامی فوج دشمن سے برابر لڑ رہی تھی۔ یہ لڑائی اس دن بعد دوپہر تک ہوتی رہی۔ سلطان عکہ کے معائنہ سے فارغ ہو کر اپنے خیمہ میں واپس آیا اور لڑائی رُک گئی۔

دوسرے دن معمولی جھڑپیں ہوئیں اور یہ سلسلہ کئی دن تک چلا۔ جمعہ سے لے کر اتوار تک سلطان چوکیوں کی حفاظت اور سپاہیوں کی دیکھ بھال میں اس درجہ مصروف رہا کہ اس نے کھانا تک نہ کھایا۔ محض بھوک کو وقتی طور پر کم کرنے کے لئے کھڑے کھڑے دو ایک لقمے کھا لیے۔

یہ لڑائی شعبان کی تیسری یا چوتھی تاریخ کو شروع ہوئی تھی۔ پانچویں، چھٹی اور ساتویں تاریخ تک رُکی رہی۔ دشمن متواتر تین دن اپنے خیموں میں دبکا رہا۔ آٹھویں تاریخ کو دشمن نے اپنی صفیں درست کیں۔ سوار اور پیادے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چھاؤنی سے نکلے ان کا مقصد، اسلامی فوج پر بڑا حملہ کرنا تھا۔ لیکن جب سلطان نے بروقت اطلاع پالی۔ اور منادی کی۔

"یا للاسلام" اے لوگو، اسلام کے لئے ہتھیار بند ہو جاؤ"

تو ساری اسلامی فوج، سوار و پیادہ، جوان و بوڑھا، فرد واحد کی حیثیت اختیار کر گئے۔

اور ایک ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مسلمان فوج دشمن کی صفوں میں گھس گئی اور خوب تلوار چلائی۔ خوب یہاں تک کہ دشمن بھاگ نکلا اور جس طرح پہلے چھاؤنی میں چھپا تھا۔ اب بھی جا چھپا، لڑائی پھر رک گئی۔ کئی دن تک متواتر دشمن چھاؤنی سے باہر نہیں آیا، نہ مسلمانوں ہی کی طرف سے کوئی پیش قدمی ہوئی۔ ابن شداد فرماتے ہیں کہ اس لڑائی کے سبب عکا اور اسلامی فوج میں آمد و رفت کا سلسلہ بہت اچھی طرح قائم ہو گیا، عکا کے لوگ جب چاہتے چھاؤنی میں آتے اور چھاؤنی کے لوگ جب چاہتے عکا جا پہنچتے۔ مسلمان محافظ فوج اس رستہ پر دو رویہ کھڑی تھی۔ ابن شداد خود ان ہی دنوں عکا میں داخل ہوئے اور شہر پناہ پر چڑھ کر دشمن پر سنگ باری بھی کی۔

ان چند دنوں میں گو کوئی بڑا معرکہ نہیں ہوا لیکن دونوں فوجیں ہمہ تن تیار رہیں۔ دونوں طرف کی سرحدی چوکیوں کے سپاہی ایک دوسرے سے الجھتے اور ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگتے رہے۔

گیارہ شعبان کو سلطان نے اپنی چھاؤنی میں کچھ تبدیلیاں کیں دشمن کو باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی مہلت دینے کے لئے اپنی فوج کا حصار کسی قدر وسیع کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود دشمن نے باہر نکل کر لڑنے کی ہمت نہ کی۔ ان دنوں جو لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ وہ محض چھیڑ چھاڑ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ابن شداد نے ایک مثال دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ دشمن کا ایک دستہ نہر پر گشت کر رہا تھا کہ عربوں کی ایک جماعت اس پر ٹوٹ پڑی اس دستہ میں جتنے آدمی تھے۔ عربوں نے ان میں سے کچھ کو مار ڈالا۔ کچھ کو پکڑ لیا اور بعض کے سر کاٹ کر سلطان کے پاس لے آئے۔

ابن شداد ترجمہ ۱۱۵

ابن شداد نے ایک اور لڑائی کا حال بھی لکھا ہے جو ۱۶ شعبان کی رات کو شہر والوں اور دشمن میں ہوئی۔ یہ لڑائی پہلی لڑائیوں کی نسبت زیادہ زور کی تھی۔ ابن شداد فرماتے ہیں:-

وفی عشیۃ ذالک الیوم وقع بین العدو وبین اھل البلاد حرب عظیم قتل فیہ جمع عظیم من الطائفتین۔

یہ حرب عظیم بھی کوئی بڑی لڑائی نہ تھی۔ اس میں دونوں طرف کی پوری سپاہ شریک نہ ہوئی تھی گو اس میں شہر عکا والوں نے دشمن کے ہزاروں آدمی مار ڈالے تھے۔

ابن شداد ان دونوں لڑائیوں کی کیفیت لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ فریقین لڑتے لڑتے رُک جاتے۔ باتیں کرنے لگتے۔ پاس پاس پڑے رہنے کے سبب فریقین کے بعض سپاہی ایک دوسرے کے بہت گہرے دوست بھی بن گئے تھے۔ کبھی کبھی بزرگوں کی بجائے بچوں اور نوعمر لڑکوں میں کشتیاں بھی ہوتیں۔ ابن شداد نے ایسی ہی ایک کشتی کا حال لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں ایک دن ایک طرف کے سپاہیوں نے دوسری طرف کے سپاہیوں سے کہا۔ ہم تو آپس میں لڑتے ہی رہتے ہیں لیکن ہمارے بچے اب تک محض تماشائی بنے رہے ہیں۔ انہیں بھی لڑائی سے کچھ لطف اندوز ہونا چاہیئے۔ اس تجویز نے عملی جامہ پہنا۔ دو لڑکے شہر سے نکلے اور دو افرنگی فوج سے منتخب ہوئے۔ ان چاروں میں خوب لڑائی ہوئی۔ ایک مسلمان لڑکے نے اپنے مدِمقابل کو گرا لیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ اصولی طور پر یہ لڑکا اب اس کا غلام بن گیا تھا۔ اس لیے افرنگیوں نے اس لڑکے کو دو دینار کے بدلہ مسلمان لڑکے سے خرید لیا۔

ابنِ شداد یہ قصہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ:۔

وھٰذِہٖ نادرۃٌ غریبۃٌ [لہ] — یہ ایک عجیب قصہ تھا

یقیناً یہ عجیب قصہ تھا مگر ایسے قصے روز روز پیش نہ آتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا۔

لین پول نے اس نادر قصہ کے علاوہ ایک اور قصہ بھی لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عیسائی عورتیں مسلمان قیدیوں کے بال نوچتیں، اپنے نازک ہاتھوں سے ان کے جسموں پر خنجروں کی نوکیں چبھوتیں اور جب خون رِستا تو لطف لیتیں [ٹہ]

جہاں پہلے قصہ سے آدمیت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ وہاں دوسرے قصّے سے اس وحشت کی بُو آتی ہے جو عیسائی قوم کا خاصہ تھی خود لین پول نے یہ قصہ کہنے کے بعد اس ذہنیت کا ماتم کیا ہے۔

بہر نوع، متواتر ۱۲ شعبان تک دونوں فوجیں اس قسم کی لڑائیاں لڑتی رہیں یہاں تک کہ ۱۲ شعبان آن پہنچی۔

لہ ابن شداد ۱۱۱

ٹہ لین پول ۲۲۹

جنگِ عظیم

یہ بیس شعبان تھی کہ عیسائی امرائے مجلس مشاورت منعقد کی۔ ان میں سے کسی نے مشورہ دیا۔ کہ ابھی تک مصر کی فوج سلطان کے پاس نہیں آئی اور اگر یہ فوج آگئی تو اس وقت صلاح الدین کا مقابلہ ہمارے لئے ناممکن ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ اس فوج کے آنے سے پہلے ہم صلاح الدین سے دو دو ہاتھ کرلیں۔ یہ مشورہ تمام امرا کو پسند آیا اور طے پایا کہ کل ہی بڑے حملہ کا آغاز کر دیا جائے۔

ابن اثیر فرماتے ہیں۔ مصری فوج کے علاوہ سلطانی فوج کے کئی حصے ابھی دوسرے مقامات پر مصروف تھے۔ ان میں سے کچھ انطاکیہ تھے، کچھ حمص میں تھے۔ کچھ صور کے سامنے پڑے تھے۔ تاکہ دشمن کو ادھر آنے اور اسلامی قلمرو پر حملہ آور ہونے سے روک سکیں[1]۔

یقیناً اگر یہ ساری فوجیں اس محاذ پر آجاتیں تو افرنگی کسی صورت میں بھی سلطان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔

دوسرا دن جب طلوع ہوا تو مسلمان فوج حسب دستور کچھ مسلح تھی۔ کچھ غیر مسلح، کچھ لوگ اپنے خیموں میں پڑے تھے اور کچھ روزمرہ کی جھڑپوں کے لئے مسلح ہو کر ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ انہیں خبر نہ تھی کہ عیسائی فوج آج بڑے حملہ کے لئے تیار ہو چکی ہے کہ اچانک عیسائی فوج پیادہ اور سوار ٹڈی دل کی صورت میں اپنی چھاؤنی سے نکلی۔

ابن اثیر اس فوج کی روانگی کا منظر بیان کرتے وقت کہتے ہیں۔

[1] ابن اثیر جز ۱۰

فخرج الفرنج من معسکرھم کانھم جراد المنتشر یدبون وجہ الارض قد ملؤدھا طولاً و عرضاً

افرنگی اپنی چھاؤنی سے ٹڈی دل کی صورت میں نکلے۔ ان کی کثرت کے سبب زمین کا چہرہ ایسا آلودہ ہو گیا اور ہر طرف افرنگی ہی افرنگی نظر آنے لگے۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ یہ بدھ کا دن تھا جب عیسائی فوجیں اس انداز سے اپنی چھاؤنی سے نکلیں کہ کبھی نکلی تھیں۔ وہ سب کے سب پیادے، سوار، بڑے چھوٹے صفیں باندھ کر چھاؤنی سے باہر آئے۔ وہ اس وقت تین حصوں میسرہ، میمنہ اور قلب میں بٹے تھے۔ قلب میں بادشاہ کی سواری تھی جس کے آگے آگے چار پادری اطلس میں لپٹی ہوئی انجیل مقدس کو اٹھائے ہوئے چل رہے تھے۔

دشمن کا میمنہ عین اسلامی میسرہ کے مقابل اس کونے سے لے کر اس کونے تک پھیلا تھا۔ ان کا میسرہ اسلامی فوج کے میمنہ کے مدِ مقابل تھا۔ وہ اس انداز میں آگے بڑھے کہ ان کے میمنہ کا ایک سرا نہر تک اور میسر سمندر تک دراز ہو گیا۔

یہ دشمن کی فوج کی ترتیب تھی۔ اسلامی فوج بھی حسبِ دستور تین حصوں میں منقسم تھی۔ سلطان قلب میں اندر اس کی دائیں طرف اس کا بیٹا الملک الافضل تھا۔ پھر ظہیر الدین ابن البلنکری، پھر قطب الدین ابن نورالدین پھر حسام الدین بن لاجین اور پھر الطواش تھے یہ سارے دستے قلب سے متصل تھے۔ میمنہ کی سرداری اس دن الملک المظفر جیسے بہادر کر رہے تھے۔ ان کی فوج سمندر تک پھیلی تھی۔ میسرہ کی سرداری اس دن کئی اصحاب کو ملی تھی۔ پہلا حصہ سیف الدین کے پاس تھا جو قلب کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ دوسرے حصوں کی نگرانی علی بن احمد، امیر مجلی، مجاہد الدین برنقش اور مظفر الدین بن زین الدین فرما رہے تھے۔ میسرہ کے آخری حصہ میں شیرکوہ کے بہادر غلام کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ دیار بکر

بخاری اکراد، مہرانی، ہکاری اور دوسری فوجیں تھیں۔ قلب کا جو حصہ سب سے آگے تھا وہاں فقیہ عیسیٰ الہکاری ایک بڑے فقیہ ہونے کے باوجود ایک بہادر سپاہی کی طرح گھوڑے پر لدے تھے۔[1]

[1] ابن اثیر ۸۹

اس انداز سے دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔

لین پول کہتا ہے کہ افرنجی فوج کی اگلی صفوں میں تیرانداز اور کندے دار کمانوں والے سپاہی تھے۔ ان کے پیچھے سوار تھے پھر پیادہ فوج تھی۔ قلب جفری کی نگرانی میں تھا اور دایاں اور بایاں پہلو سنٹ فیرات کے مارکوئیس اور تھورجینا کے امیر لینڈ گریو کی کمان میں تھا۔ آخر میں مشہور فرقہ داویہ کے نائٹ تھے۔

جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئیں تو حملہ کا بگل بجا۔ اس دن حملہ کا آغاز افرنگیوں کی طرف سے ہوا۔ افرنگیوں کا میسرہ دفعۃً مسلمانوں کے میمنہ پر ٹوٹ پڑا ابن اثیر فرماتے ہیں۔ اس دن مسلمانوں کے میمنہ کی سرداری تقی الدین عمر فرما رہے تھے۔ لیکن ابن شداد کا بیان ہے، میمنہ پر الملک المظفر تھے[2] اور دشمن کا حملہ ان ہی پر ہوا۔ عام ترکی دستور کے مطابق جب دشمن نے الملک المظفر پر دباؤ ڈالا تو دشمن کو وہ اور آگے بڑھا کر اپنے حصار میں لینے اور باقی فوج سے کاٹ دینے کے لئے پیچھے ہٹے۔ وہ پیچھے ہٹ رہے تھے کہ سلطان کی دوربین نگاہ ان پر اٹھی وہ سمجھا۔ الملک المظفر دشمن کا دباؤ برداشت نہیں کر سکے۔ اس لئے پیچھے ہٹ گئے ہیں۔ اس خیال کی بنا پر اس نے فوراً قلب کے ایک حصہ کو آگے بڑھا کر الملک المظفر کے ساتھ شامل کر دیا۔ اس طرح الملک المظفر کا پہلو بہت مضبوط ہو گیا۔ مگر قلب کمزور پڑ گیا۔ دشمن نے قلب کی کمزوری کو بھانپ لیا اور حملے کا سارا زور قلب پر ڈال دیا۔ ابن شداد فرماتے ہیں۔ وہ بھی قلب میں تھے۔ جب دشمن کے سوار پیادے پرے باندھ کر فرد واحد کی صورت ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان کا حملہ قلب کے جس رخ پر ہوا۔ وہاں دیار بکر کی فوج تھی۔ یہ فوج تربیت صحیحہ سے محروم تھی۔ وقتی جہاد کے لئے

[2] ابن اثیر ۱۵

دیار بکر کے امیر، غیر تربیت یافتہ رضا کاروں کو اپنے ساتھ ہانک لائے تھے جب دشمن نے اپنی خون آشام تلواروں سے ان کی شاہ رگیں کاٹنی شروع کیں تو ان میں انتشار پیدا ہوا وہ پیچھے کو بھاگے اور اس قدر ہراساں ہوئے کہ عیاضیہ تک بھاگتے چلے گئے۔ فرار میں ان میں سے بہت سے کٹے اور قلب کا بڑا حصہ یوں ضائع ہو گیا۔ دشمن بھاگنے والوں کا تعاقب کرتے کرتے عین اس جگہ جا پہنچے۔ جہاں سلطان خود تشریف فرما تھا۔ دشمن سمجھا تھا۔ عام دیار بکری فوج کی طرح سلطان کی محافظ فوج بھی بھگوڑی نکلے گی۔ مگر اس فوج نے سلطان کی تربیت پائی تھی۔ اس نے اپنے دشمن کو گھیرے میں لے کر گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔[۱] خود سلطان قلب سے نکل کر میسرہ پر پہنچا۔ میسرہ اپنی جگہ جم کر دشمن کو اپنی جرأت و بہادری کا ثبوت دے رہا تھا۔ سلطان ایک ایک صف میں گھومتا ایک ایک سپاہی کی لڑائی کا انداز دیکھ رہا تھا اس نے اسلام اور خدا کی بڑائی کے نعرے لگا لگا کر انہیں ان دونوں کی عظمت و بزرگی کے لئے آخر وقت تک ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی۔ اس طرح اس دن میسرہ نے اس بڑی لڑائی کا رخ پلٹ دیا۔ میسرہ کو ثابت قدم دیکھ کر الملک المظفر بھی آگے بڑھے اور پھر اسلامی فوج نے جو جرأت دکھائی۔ اس کا تماشہ عیسائی فوج نے صرف حطین کے میدان میں دیکھا تھا۔ میسرہ اور میمنہ کو یوں لڑتے دیکھ کر قلب کے باقی حصے بھی آگے بڑھے۔

ابن شداد اس منظر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"وتراجع الناس من کل جانبٍ و کذب اللّٰہ الشیطان ونصر الایمان و ظل الناس، فقتل و طرح و ضرب و جرح الی ان انفصل النہر مسون[۲]

لوگ ہر طرف سے لوٹ آئے۔ خدا نے شیطان کو جھٹلا دیا اور ایمان کی مدد کی

ابن اثیر نے قلب کی ہزیمت کی جو کیفیت لکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس دن دشمن نے پورا قلب الٹ دیا تھا اور کئی مشہور آدمی جن میں امیر مجلی، امیر ظہیر

---

[۱] ابن اثیر جزء ۱۲ - ۱۵ - [۲] ابن شداد ۴۷ - ۴۸ -

(حاشیہ: ابن اثیر جزء ۱۲، ۱۵ — ابن شداد ۴۸)

اخی عیسیٰ الہکاری، حاجب خلیل الہکاری، ابو علی ابن رواحہ جیسے بزرگ اور بڑے مسلمان بھی تھے شہادت پا گئے تھے۔

ابن اثیر نے ڈر ظاہر کیا ہے کہ اگر اس دن دشمن سلطان کے خیمہ تک پہنچ جاتا، جہاں اس کے ساتھ صرف پانچ پہرہ دار باقی تھے، تو نہ جانے کیا ہوتا۔ لیکن بات ایسی نہ تھی سلطان کی محافظ فوج بڑی قوی تھی۔ اور پھر سلطان جفری یا کوئی دوسرا بزدل عیسائی بادشاہ نہ تھا اس نے جیسے ہی قلب کو اُلٹتے دیکھا۔ میسرہ پر توجہ کی، یہ سلطان کی ذات تھی جس نے اس دن صرف میسرہ کی مدد سے دشمن کو خوفناک ہزیمت بخشی۔ خود ابن اثیر فرماتے ہیں:-

وکان صلاح الدین لما انھزم القلب، فقد تبعھم ینادیھم ویامرھم بالکرۃ ومعاودۃ القتال فاجتمع معہ منھم جماعۃ صالحۃ فحمل بھم علی الفرنج من وراء ظھورھم وھم مشغولون بقتال المیسرۃ فاخذتھم سیوف اللہ من کل جانب فلم یفلت منھم احد بل قتل اکثرھم واخذ الباقون اسریٰ۔

ابن اثیر جز ۱۲ ص ۱۵

صلاح الدین کا جب قلب اُلٹ گیا تو اُن کے پیچھے لپکا۔ اس نے ان کو پکارا، انہیں حکم دیا۔ لوٹ آئیں۔ اس کی آواز بار بار فضا میں پھیلتی اور بھاگ گئے والوں کو اپنی طرف بلاتی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی پکار سن کر اس کے ساتھ اچھے لوگوں کی ایک جماعت جمع ہو گئی اور اس جماعت کو ساتھ لے کر سلطان نے ان افرنگیوں پہ حملہ کیا جو میسرہ سے لڑنے میں لگے تھے۔ سلطان کا حملہ پیچھے سے ہوا۔ خدا کی تلواروں نے انہیں ہر جانب سے گھیر لیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے کوئی بھی بچ کر جا نہ سکا۔ بہت سے وہیں قتل ہو گئے۔ بہت سوں کو مسلمانوں نے پکڑ لیا۔"

العماد الکاتب نے بھی عکا کی یہ لڑائی خود دیکھی تھی۔ اس کا بیان ہے کہ جب اسلامی فوج

کا قلب اُلٹا اور لوگ بھاگے تو وہ بھی بھاگنے والوں میں تھے۔ وہ بھی ان لوگوں میں تھے۔ جو اندھا دھند بھاگے جا رہے تھے۔ العماد الکاتب فرماتے ہیں کہ وہ بھاگتے بھاگتے طبریہ جا پہنچے وہ بہت پریشان تھے کہ ملت پر یہ نازک وقت کیوں آیا۔ اسی پریشانی میں انہیں خبر ملی، کہ میسرہ نے ثابت قدم رہ کر دشمن کی تلواریں توڑ دی ہیں۔

العماد الکاتب اور اُن کے ساتھی یہ خوشخبری سُن کر پھر لوٹے اور سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

العماد الکاتب نے ثابت قدم رہنے والوں میں ان جوانوں کا ذکر بھی کیا ہے جو بادشاہ کی محافظ فوج میں تھے۔ العماد الکاتب فرماتے ہیں۔ جب دشمن فتح کے نشے میں سلطان کے خیمہ تک پہنچ گیا تو محافظ فوج کے جوانوں نے انہیں گھیر لیا اور ایسی تلوار چلائی کہ دشمن کے حواس ٹھکانے آ گئے۔

میسرہ نے تو ہر کمی پوری کر دی۔ میسرہ میں بخار اور اسدیہ کے جوان تھے۔ العماد کہتے ہیں۔ جب میمنہ افرنج نے بخار اور اسدیہ کے جوانوں پر حملہ کیا تو یہ پہاڑ اپنی جگہ سے نہ سرکے۔ پھر تقی الدین عمر، قائماز النجمی الحسام بن لاجین اپنے اپنے دستوں کو لئے ہوئے میسرہ سے آن ملے اور دشمن کو چاروں طرف سے گھیر کر مولی گاجر کی طرح کاٹ ڈالا۔ العماد الکاتب نے خود کو بھی ان بہادروں میں شمار کیا ہے۔ جنہوں نے اس دن سلطان کے ساتھ ہو کر، دشمن کی فتح کو خوفناک ہزیمت میں بدلا تھا۔

العماد الکاتب نے بڑے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو لوگ ثابت قدم رہے۔ وہ صرف ایک ہزار تھے۔ صرف ایک ہزار بہادروں نے ایک لاکھ دشمنوں کو خوفناک ہزیمت دی۔

العماد کے الفاظ ہیں۔

ومن العجب ان الذین ثبتوا لم یبلغوا الفا فردوا مائة

الف وکان الواحد منا یقول قتلت من المشرکین ثلثین واربعین

یہ عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو ہم میں سے ثابت قدم رہے۔ ان کی تعداد ہزار سے بھی کم تھی۔ ان ہزار سے کم لوگوں نے ایک لاکھ دشمن کو ہزیمت دی۔ ہم میں سے ایک آدمی کہتا تھا کہ اس نے تیس تیس چالیس چالیس آدمی قتل کئے ہیں۔

ابن اثیر کے بیان کی رو سے اس دن دشمن کے دس ہزار افراد قتل ہوئے اور ان کی نعشیں نہر کے اندر بہا دی گئیں۔

ابن شداد نے ان نعشوں کی تعداد سات ہزار بتائی ہے۔

ابن شداد کا بیان ہے کہ اس دن کی لڑائی عصر کی نماز کے بعد ٹھنڈی پڑ گئی۔ دشمن مکمل طور پر ہزیمت اٹھا کر بھاگ اٹھا اور میدانِ جنگ میں ان کی دس ہزار یا سات ہزار نعشوں کے سوا اور کوئی باقی نہ رہا۔ سلطان خوش خوش اپنے خیمہ میں آیا۔ اس کے ساتھ جن لوگوں نے آج خوب دادِ شجاعت دی تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ شاہی خیمہ میں آئے۔ خیمہ میں آنے کے بعد جب سلطان نے مفقود غلاموں کا شمار کیا، تو وہ صرف ڈیڑھ سو تھے۔ فقیہہ عیسیٰ الہکاری کے ایک بھائی بھی شہدا میں تھے۔ الفقیہ الہکاری بادشاہ کے پہلو میں بیٹھے ہنس رہے تھے۔ جب لوگوں نے ان کے بھائی کی شہادت پر ان سے تعزیت کی تو انہوں نے ہنس ہنس کر لوگوں سے کہا:

"یہ دن غم کا نہیں ہنسنے کا ہے۔ آج تعزیت مت کرو، آج تو مجھے مبارک باد دو۔"

یقیناً یہ مبارک باد کا دن تھا۔ آج اللہ نے اسلامی دنیا کے اس محافظ، اس حامیِ دین اور اس سب سے بڑے مجاہد کو ہزیمت کے بعد ایک بہت بڑی فتح عطا کی تھی۔ ورنہ ابنِ شداد اور ابن اثیر کے بیان کی رو سے سارا قلب بھاگ اٹھا تھا، اور بھی تک نہ جانے کیا سمجھ کر بھاگا جا رہا تھا۔

یہ فتح صرف سلطان کے ذاتی عزم و صبر و استقلال اور میسرہ کے بہادر مسلمانوں کے سبب اسلام کو نصیب ہوئی۔ یہ کسی ایک گروہ، کسی ایک جماعت یا فرقہ کی فتح نہ تھی۔ یہ تمام عالم اسلام کی فتح تھی۔ یہ پوری ملّتِ اسلامیہ کی فتح تھی اور پوری ملّتِ اسلامیہ کی فتح کے وقت فقیہہ عیسیٰ الہکاری کو اپنے بھائی کی شہادت اگر بھول گئی تو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ فقیہہ الہکاری، اسلام کے بڑے مجاہدین میں سے تھے۔ انہوں نے اس دن لوگوں کو بھائی کی شہادت پر تعزیت نہ کرنے کا حکم دے کر اس جذبۂ صحیح کا عملی ثبوت پیش کیا تھا جس کی مثال بدر کے موقع پر ایک انصاریہ صحابیہ حضرت فاطمہ نے پیش کی تھی۔

ایسی ہی مثالیں قوموں کو جوان رکھتی ہیں۔ فقیہہ الہکاری بھی جوان قوم کے فرد تھے۔ یہ اس قوم کی جوانی ہی تھی کہ دشمن بہت بری طرح مرعوب ہو کر اپنی چھاؤنی میں جا چھپا۔ اسے یہ احساس تک نہ ہوا کہ اس نے کتنی نعشیں پیچھے چھوڑیں، چونکہ وہ مسلمانوں کے حصار میں تھا، اور حصار توڑنے کی اس میں ہمت نہ رہی تھی۔ اس لئے وہ چھاؤنی میں پہنچ کر کبوتر کی طرح یہ سمجھا، اب بلی اس تک نہ پہنچے گی۔ اس کا یہ خیال صحیح تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ حالات سے واقف تھا، بلکہ اپنی مرعوبیت و بدحواسی میں اسے اس کے سوا اور کوئی بات سوجھ نہ سکتی تھی یوں یہ امر واقعہ تھا۔ کہ سلطان نے جان بوجھ کر دشمن کا اس کی چھاؤنی میں تعاقب نہیں کیا۔ کیونکہ میسرہ اور میمنہ کے سوا قلب منتشر ہو چکا تھا، ہزاروں دیار بکری ابھی تک اپنے گھروں کو بھاگے جا رہے تھے۔ ایسے عالم میں سلطان، دشمن کی چھاؤنی میں گھس کر اس کے قتل عام کی ذمہ داری لینے کو، خلافِ مصلحت و دانش سمجھتا تھا۔ ورنہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر وہ اس وقت عیسائی فوج پر ٹوٹ پڑتا۔ تو حطین کی یاد تازہ ہو جاتی۔ مگر قدرت کو یہی منظور تھا کہ عکا ایک اور بڑے تماشے کو دیکھے۔ عکا بین الاقوامی دنگل بنے اور شاہِ فرانس شاہِ انگلستان اور پورا یورپ اس کے میدان میں اتر کر ایک حیرت انگیز لڑائی لڑے۔

بہر حال، یہ ہزیمت جو افرنج کو نصیب ہوئی، بڑی ہزیمتوں میں سے تھی۔ لین پول

نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے ابنِ شداد کے حوالے سے لکھا ہے کہ عیسائی مقتولین صرف چار ہزار تھے۔

ہم لین پول کو الزام نہیں دیتے۔ غالباً اس نے ابن شداد کی عبارت کا مفہوم نہیں سمجھا ابنِ شداد نے مقتولین کی تعداد دو جگہ بیان کی ہے۔ پہلی صفحہ ۸۰ پر اور دوسری صفحہ ۹۷ پر، پہلی عبارت یہ ہے:

واما من العدو المخذول فحزر قتلاهم بسبعة الاف نفر ورایتهم وقد حملوا الی شاطئ النهر لیلقوا فیه

اور دشمن کے مقتولین کی تعداد سات ہزار سے بھی بڑھ گئی تھی۔ میں نے ان کو دیکھا۔ ان کی نعشیں نہر کی طرف لے جائی گئیں۔ تاکہ انہیں اس میں ڈال دیا جائے۔

دوسری جگہ عبارت یہ ہے:۔

فامر السلطان ان خرج من عکا عجل یحمل علیه القتلیٰ منهم الی طرف النهر لیسلقوه فیه ولقد حکی لی بعض من ولی امر العجل انه اخذ خیطا وکان کلما اخذ قتیلا عقد عقدة فبلغ علی قتلی المیسرة اربعة الاف وماتة وکسور وبعد قتلی المیمنة وقتل القلب لم یعدهم فانه ولی امرهم غیره۔

"سلطان کے حکم سے، عکا سے، نعشیں اٹھانے والی گاڑی منگوائی گئی تاکہ اس پر نعشیں ڈال کر نہر میں پھینکی جا سکیں۔ مجھ سے ایک شخص نے جو اس کام پر مامور ہوا تھا۔ بیان کیا کہ اس نے ایک دھاگہ لے لیا تھا جیسے ہی وہ ایک نعش اٹھاتا تو وہ اس دھاگے میں گرہ ڈال دیتا۔ اسلامی میسرہ کے نزدیک جو مقتول اس نے اٹھائے۔ وہ چار ہزار ایک سو تھے۔

میمنہ اور قلب کے مقتولین کا شمار اس نے نہیں کیا۔ کیونکہ ان مقتولین کو اٹھانے کا کام کسی دوسرے کے سپرد تھا۔

گویا دوسرے لفظوں میں میسرہ کے مقتولین صرف چار ہزار ایک سو تھے۔ دوسرے مقتولین کا شمار کر کے ابن اثیر اور ابن خلدون نے ان کی مجموعی تعداد دس ہزار بیان کی ہے[۱]۔ اگر یہ تعداد سات ہزار بھی مان لی جائے تو بھی بہت تھی۔

العماد فرماتے ہیں کہ اس دن اسلامی فوج اس سے زیادہ دشمن کو کاٹ ڈالتی۔ لیکن دشمن بھاگ کر خندقوں کے پیچھے جا چھپا تھا۔ اس لیئے ہماری فوج تعاقب سے باز رہ گئی[۲]۔ جہاں یہ قتل عام ہوا۔ وہاں ٹھیرنا سلطان نے مناسب نہ سمجھا۔ اس نے چھاؤنی کے لیئے اس جگہ سے قریب ہی ایک اور مقام پسند کیا جسے الخروبہ کہتے۔ جب سلطان کا خیمہ وہاں نصب ہو گیا تو اس نے عمائدین فوج کی ایک کانفرنس منعقد کی۔

اس کانفرنس میں سلطان نے ایک بہت مؤثر تقریر کی۔ ابن شداد نے اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔ سلطان کی اس تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اس وقت ملت پر بڑا نازک وقت ہے بیرونی دشمن ارض فلسطین میں داخل ہونے پر مصر ہے اور یہ ان کا فرض ہے کہ وہ انہیں یہاں آنے نہ دیں اور ہر قیمت پر ان کا مقابلہ کریں۔

ابن شداد کہتے ہیں کہ سلطان کا ارادہ تھا کہ وہ لڑائی جاری رکھے اور دشمن پر ایک اور کاری ضرب لگائے لیکن امرائے لشکر نے سلطان کے اس ارادہ کو بدل ڈالا۔ انہوں نے سلطان سے اصرار کیا کہ وہ ساری فوج کو میدان جنگ سے ہٹا کر خروبہ کے پیچھے لے آئے۔ تاکہ فوج متواتر پچاس دن مسلح رہنے کے بعد کسی قدر آرام کر سکے۔ ان لوگوں نے وکالت کی کہ اگر فوج یوں آرام کر لے گی تو سپاہیوں کے تھکے ہوئے اعضاء از سر نو لڑنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ان کی استعداد بڑھ جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس وقت تک الملک العادل بھی اپنی تازہ دم فوج کے ساتھ یہاں آن پہنچیں گے اور پھر

[۱] ابن اثیر جز ۱۲ ص ۲۰ — ابن خلدون جز ۵ ص ۳۱۹

[۲] العماد الکاتب ۲۰۰

دشمن پر بھرپور وار بہت آسانی سے کیا جا سکے گا۔ سلطان نے ان کے اس مشورہ کو مان لیا اور ساری فوج کو میدانِ جنگ سے ہٹا کر خروبہ کے پیچھے کے میدانوں میں لا ڈالا۔ اب سلطان کی چھاؤنی یہ جگہ ہی بن گئی۔ یہیں اس نے رمضان کی دس تاریخ تک آرام کیا۔ یہیں اس نے رمضان کے دس روزے رکھے اور اپنے بھائی الملک العادل کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔[1]

[1] ابن شداد ۸۰

ابنِ خلدون نے ابنِ شداد کے اس بیان میں اضافہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میدانِ جنگ میں مقتولین کی نعشوں نے فضا بہت مکدر کر دی تھی۔ آب و ہوا بہت گندی ہو گئی تھی۔ ہر طرف تعفن پھیل نکلا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان پر قولنج کا دورہ پڑا اور اس کے حکیموں اور طبیبوں نے اسے مشورہ دیا کہ اس جگہ سے چھاؤنی اٹھا کر کسی صاف اور کھلی جگہ ڈیرے ڈال دے۔ اس نے اپنے طبیبوں کے مشورہ کو مان کر چار رمضان کو اپنی چھاؤنی میدانِ جنگ سے دور ہٹا لی۔ روانگی سے پہلے اس نے عکا کے لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ ان سے دور نہ ہو گا اور ہر وقت ان کی امداد کرتا رہے گا۔ اس نے یہاں سے چھاؤنی دور لے جانے کی وجہ بھی ان پر ظاہر کر دی تھی۔[2]

[2] ابن خلدون جلد ۵ ۳۲۰

سلطان ابھی خروبہ ہی میں تھا جب حلب میں اس کے بیٹے الملک الظاہر نے یہ خبر دی کہ شاہ المان ایک لشکرِ جرار کے ساتھ جس کی تعداد دو لاکھ یا دو لاکھ ساٹھ ہزار تھی قسطنطنیہ کی طرف چل پڑا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ اپنی اس جرار فوج کے ساتھ ارضِ فلسطین پر چڑھائی کرے۔[3]

[3] ابن اثیر جلد ۱۲

ابن شداد فرماتے ہیں کہ جب یہ خبر سلطان کو ملی تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے اسی وقت ابنِ شداد کو حکم دیا کہ وہ سلطان کا سفیر خاص بن کر خلیفہ بغداد، صاحب بنجار، صاحبِ موصل، صاحبِ اربل اور صاحبِ الجزیرہ کے پاس پہنچے انہیں جہاد پر آمادہ کرے اور ان سے درخواست کرے کہ وہ اپنی فوجوں کے ساتھ اس سے

آن ملیں۔

ابن شداد سلطان کے سفیر بن کر ان لوگوں کے پاس گئے۔ ہر شخص نے یہ پیغام دل سے سنا۔ سب سے پہلے صاحب سنجار عماد الدین زنگی اپنی فوجوں کے ساتھ سلطان کی طرف بڑھا۔ پھر صاحب الجزیرہ سنجر شاہ اپنی فوج کو لے کر ادھر چلا۔ صاحب الموصل خود تو فوج کی کمان نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے بیٹے علاؤ الدین خرم شاہ کو اپنی جگہ فوج کا سپہ سالار بنایا اور سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔[1]

ابن اثیر فرماتے ہیں کہ جب سلطان نے اپنی فوج عکا سے ہٹالی اور خروبہ میں آن مقیم ہوا تو محصور فرنگیوں نے خوب خوشیاں منائیں۔ وہ اپنی چھاؤنی سے نکلے اور پہلے کی طرح عکا کا محاصرہ کر لیا۔ ان کی بری فوج کے ساتھ ساتھ ان کے بحری بیڑے نے خوب مستعدی دکھائی۔ عکا پر منجنیقیں نصب کر دیں۔ نہ جانے افرنجی اتنے آدمی کہاں سے لے آئے تھے کہ جدھر نظر اٹھتی آدمیوں کا سیلاب کا سیلاب اور ٹڈی دل کا دل پھیلا نظر آتا تھا۔ مگر اس کثرت کے باوجود وہ بہت مرعوب تھے۔ ہر لمحہ انہیں صلاح الدین کے حملہ کا ڈر لگا رہتا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے گرد گہری خندق کھودلی اور مٹی کی ایک فصیل بنا ڈالی۔

جب فصیل بن رہی تھی اور خندق کھدرہی تھی تو صلاح الدین کے مخبروں نے اسے اس کیفیت سے خبردار کیا تھا۔ وہ یہ حال جان کر بہت پریشان ہوا۔ قولنج کے مرض میں مبتلا تھا۔ لڑائی لڑنے کے قابل نہ تھا۔ ورنہ وہ اسی وقت ان کو گھیر کر دشمن پر آن گرتا۔ اس وقت بعض لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ فوج روانہ کردے اور خود پیچھے رہے۔ لیکن اس نے ان لوگوں کا مشورہ نہ سنا۔ اس نے کہا۔ اگر میں اس فوج کے ساتھ خود نہ گیا اور موقعہ پر موجود نہ ہوا تو یہ کچھ بھی نہ کر سکے گی۔[2]

سلطان کی اپنی فوج سے یہ بددلی، پچھلے حادثہ نے پیدا کی تھی۔ سلطان اپنی اس

[1] ابن شداد ۲

[2] ابن اثیر جز ۱۲

بددلی کے سبب فوج کو روانہ نہ کر سکا اور افرنگی خندق کھودنے اور فصیل بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

سلطان گو دُور تھا۔ موقعہ پر نہ آسکا۔ اس کے باوجود شہر عکا کے محصور مسلمانوں نے ہمت نہاری اور پوری قوت سے دشمن سے لڑتے اور اسے تنگ کرتے رہے۔

اسی اثنا میں رمضان ختم ہو گیا اور شوال آن پہنچا۔ سلطان کی طبیعت بھی سنبھلتی جا رہی تھی اور وہ چلنے پھرنے لگا تھا۔ یہ شوال کی پندرہ تاریخ تھی۔ جب الملک العادل مصری فوج کے ساتھ آن پہنچے۔ الملک العادل بڑی شان سے آئے۔ ان کے ساتھ نہ صرف مصر کے لڑاکے اور بہادر سپاہی تھے۔ بہت سے قلعہ شکن آلاتِ جنگ منجنیقیں، طارقیات، نشاب اور دوسرا ساز و سامان تھا۔ ابنِ اثیر نے مصری فوج کی تعداد نہیں بتائی۔ صرف اتنا کہا ہے:

وَمَعَهُم مِنَ الرِّجَالَةِ الجَمِّ الغَفِيرِ[1]

جب الملک العادل مصری فوج کے ساتھ تشریف لائے تھے اس وقت صلاح الدین نے اور کافی رضاکار شام سے بھرتی کر لئے تھے اور اب وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ دشمن پر کاری ضرب لگا سکے۔

الملک العادل کی آمد کے کچھ دن بعد امیر لولو، مصری بحری بیڑہ لے کر ساحلِ عکا پر لنگر انداز ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی افرنگیوں کے بحری بیڑہ پر چھاپہ مارا اور بہت سا سامان بھی لوٹ لیا اور بحری بیڑہ پر قبضہ کر کے اسے زبردستی پکڑ کر عکا کی بندرگاہ میں داخل ہو گئے۔ ان کی آمد اور اس کارنامے کے سبب عکا کے محصور مسلمانوں کے دل بڑھ گئے اور اسلامی فوج نے خوب خوشیاں منائیں۔

ابنِ اثیر کے بیان کی رو سے سلطان نے سردی کا پورا زمانہ خروبہ میں گزارا۔ اس پورے زمانہ میں نہ سلطان نے افرنگیوں پر حملہ کیا، نہ افرنگی سلطان پر حملہ آور ہوئے اور

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ ص ۱۷

نہ کوئی اور اہم بات وقوع میں آئی۔ البتہ ۵۸۶ھ کا محرم جب گزرا اور صفر شروع ہوا تو سلطان نے اپنے اطبا کے مشورہ سے تفریح کا ایک پروگرام بنایا۔ وہ شکار کے ارادہ سے چھاؤنی سے نکلا اور دور جنگلوں میں جا پہنچا۔ اپنی جگہ اپنے بھائی الملک العادل کو چھوڑ گیا تھا اور مطمئن تھا کہ اس کے پیچھے کوئی بڑی بات وقوع میں نہ آئے گی۔ لیکن عین اس وقت جب وہ شکار کی دلچسپیوں میں مصروف تھا۔ دشمن اچانک اپنی چھاؤنی سے نکلا۔ وہ خوب جتھہ بند تھا۔ اس کے پیادے اور سوار پوری طرح مسلح ہو کر ایک دم اسلامی چھاؤنی پر آن گرے۔ گو مسلمان اس حملہ کے منتظر نہ تھے۔ گو یہ بہت وقتی اور ہنگامی افتاد تھی مگر الملک العادل جیسے بہادر اور ذمہ دار اور فرض شناس سپہ سالار نے آگے بڑھ کر فوج کو بروقت منظم کر کے اس کا مداوا کر لیا۔

ابن اثیر اور ابن شداد کے بیانات کی رو سے دونوں فوجوں میں بڑے زور کی لڑائی ہوئی اور دونوں طرف کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ ابن اثیر جز ۱۲ ص ۱۸ ابن شداد ص ۸

دشمن یہ سمجھ کر آیا تھا کہ مسلمانوں کو غافل پاکر ان سے عکا کی لڑائی کا بدلہ لے گا۔ مگر یہاں اسے لینے کے دینے پڑ گئے۔ مسلمانوں نے خوب بڑھ بڑھ کر ان پر ہاتھ صاف کئے اس لئے وہ جیسے ہی آئے تھے ویسے ہی بھاگ نکلے اور پہلے کی طرح اپنی خندقوں میں جا چھپے۔ ابن شداد کہتے ہیں کہ جیسے ہی دشمن حملہ آور ہوا۔ تیز رفتار نامہ بر سلطان کی طرف بھاگے۔ لیکن جب سلطان لوٹ کر آیا۔ تو لڑائی کے سارے ہنگامے سو چکے تھے اور دونوں فوجیں اپنی اپنی چھاؤنیوں میں لوٹ چکی تھیں۔

یہ اس سال کا آخری معرکہ تھا۔ دوسرے سال کے آغاز تک کوئی دوسرا معرکہ طرفین میں نہیں ہوا۔

سلطان ان دنوں فوجیں اور اسلحہ جمع کرتا رہا۔ جب اس کے اندازے کے مطابق ہر چیز تیار ہو گئی تو ۱۶ ربیع الاول کو اس نے خروبہ کو چھوڑ کر پھر عکا آنے کی تیاری کی۔ اٹھارہ ربیع الاول کو اس کی چھاؤنی پھر تل کیسان پر پڑ لی۔ اس نے پھر پہلے کی طرح عیسائی فوج کو

اپنے محاصرہ میں لے لیا۔ فوج کو تین حصوں، قلب، میسرہ اور میمنہ میں بانٹا جس دن وہ عکا کے میدان میں اُترا۔ اُس دن اسے خبر ملی کہ افرنجیوں نے شہر والوں کو بہت سخت تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ یہ خبر پاتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ شام تک بڑے زور کا رن پڑا۔ طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس کے باوجود دونوں فوجیں رات تک لڑتی رہیں، رات ہوئی تو فریقین اپنی اپنی چھاؤنی کو ہٹے!

ابن شداد فرماتے ہیں کہ اس دن کی لڑائی محض آزمائشی تھی۔ سلطان نے جب اپنے لشکر کی قوت کا اندازہ کر لیا تو دوسرے دن فوج کو دشمن سے اور قریب لے آیا۔ تل کیسان کی بجائے تل العجول پر نئی چھاؤنی آباد ہوئی۔ اس دن پھر فریقین میں ایک لڑائی ہوئی۔ مگر یہ لڑائی بھی محض رسمی سی تھی۔ ابن شداد ۸۲

ابن خلدون کے بیان کی رو سے سلطان جب عکا لوٹ کر آیا تو اُس نے دشمن سے متواتر تین دن تک لڑائی جاری رکھی۔ ابن خلدون ج ۵ ۳۲۰-۳۲۱

یہ لڑائی جاری تھی کہ کمکی فوجیں ہر طرف سے آنی شروع ہو گئیں۔

جمعہ، ۲۷ ربیع الاول کو اس کا بیٹا الملک الظاہر غیاث الدین اپنی فوج کے ساتھ حلب سے عکا پہنچا۔ اس وقت کے دستور جنگ کے مطابق الملک الظاہر جب باپ کی چھاؤنی میں آیا تو خوب ڈھول بجے اور وہ بڑی شان و شکوہ کے مظاہرے کرتا ایک سپاہی کی طرح پورے اسلحہ سے مسلح ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوا اور خوب داد شجاعت دیکر باپ کے حضور حاضری دی۔

الملک الظاہر کے بعد اسی دن مظفر الدین بن زین العابدین بھی اپنی فوج کے ساتھ کمک پہنچے۔ انہوں نے بھی حسب دستور بادشاہ کی خدمت میں حاضری سے پہلے اپنی حربی صلاحیتوں کی خوب نمائش کی۔

ابن شداد اور ابن خلدون فرماتے ہیں کہ جب بھی کوئی امیر اپنی فوج کے ساتھ بادشاہ کی

چھاؤنی میں پہنچتا۔ وہ پورے اسلحہ سے مسلح ہو کر ایک بانکے سپاہی کی طرح اپنی سپاہیانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا اور خون ٹپکاتی تلوار ہاتھ میں لے کر بادشاہ کے خیمہ میں حاضری دیتا۔ بادشاہ اسے اپنے دسترخوان پر بٹھاتا۔ کھانا کھلاتا، انعام و اکرام سے نوازتا اور پھر جہاں مناسب سمجھتا ان کے لئے خیمے نصب کرا دیتا۔[۱]

ابن شداد ۱۸۳
ابن خلدون ۲۶۴

سلطان جب سے عکا آیا تھا۔ اس کی توجہ سب سے زیادہ اس بات پر لگی تھی کہ دشمن کے ان تین برجوں کو تباہ کر دے جو انہوں نے اس کی عدم موجودگی میں، عکا کی شہر پناہ پر سنگ باری کے لئے تعمیر کر لئے تھے۔

یہ برج کیا تھے۔ لکڑی کے تین عظیم الشان پہاڑ تھے۔ جو ساٹھ فٹ اونچے اور اتنے وسیع تھے کہ ان پر بیک وقت پانچ پانچ سو تیر انداز کھڑے کئے جا سکتے تھے۔ ان کے نچلے حصوں میں پہیے لگے تھے۔ ان تینوں برجوں کو افرنگی شہر پناہ کے بہت قریب لے گئے تھے۔ اور ان پر اپنے آدمی بٹھا کر نہ صرف شہر پناہ پر تیر برسا رہے تھے۔ شہر کی دفاعی سرگرمیوں اور کمزوریوں سے بھی واقف ہو گئے تھے۔

افرنگیوں نے یہ برج تعمیر کر کے گویا عکا کی فتح کا مکمل سامان کر لیا تھا۔ سلطان متواتر تین دن سے اس کوشش میں تھا کہ انہیں جلا ڈالے۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ یہ برج گو لکڑی کے تھے۔ مگر افرنگیوں نے ان پر چمڑا چڑھا کر اور آگ سے نہ جلنے والی ادویات شامل کر کے انہیں آگ کی دسترس سے باہر کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شہر سے ان پر جتنی آگ برسائی گئی۔ اس نے کوئی کام نہ کیا۔

ابن شداد فرماتے ہیں کہ جب ان برجوں کو جلا دینے کی ہر ترکیب ناکام ہو گئی اور ہر صاحب فن مایوس نظر آیا تو دمشق کے ایک نوجوان نے جو اس فن میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔ سلطان سے درخواست کی کہ وہ اسے عکا پہنچا دیں اور وہ ادویات اسے دلوا دیں جو وہ طلب کرے۔

اسے عکا کے اندر پہنچا دیا گیا اور وہ ادویات بھی مہیا کر دی گئیں جو اس نے

طلب کیں۔ ان ادویات کو جلا کر اس نوجوان نے ایک آتش سیال تیار کی اور اسے ہنڈیوں میں بھر کر پہلے ایک برج پر پھینکا۔ پھر دوسرے اور پھر تیسرے پر۔

ابن شداد کہتے ہیں:

عجیب اتفاق ہوا کہ یہ سیال مادہ اس دن تیار ہوا جس دن الملک الظاہر کی سواری سلطانی چھاؤنی میں پہنچی۔ وہ لشکر میں پہنچ چکے تھے۔ جب پہلی ہنڈیا، پہلے برج پر پھینکی گئی اور وہ برج پورا کا پورا مع اپنے ساز و سامان کے بھک سے اڑا۔ دوسرا اور تیسرا برج بھی اسی دن جلا۔

جب یہ برج ایک ایک کر کے جلے تو مسلمانوں نے بڑی خوشیاں منائیں، نعرے بلند کئے۔ اس دن وہ شدتِ مسرت سے پاگل ہو جانے کو تھے۔ اس دن جب یہ مسرت بخش ہنگامہ ہوا۔ سلطان نے اپنی پوری فوج کو پوری ترتیب سے مسلح کر کے لڑائی کے لئے دشمن کی چھاؤنی کے سامنے کئی بار چکر کاٹے۔ رات ہونے تک وہ اپنی فوج کو میدانِ جنگ میں ادھر ادھر پھراتا رہا۔ لیکن دشمن نے حرکت تک نہ کی۔ اپنی چھاؤنی سے باہر نکل کر ادھر جھانکا تک نہیں۔ اس دن کے بعد بھی وہ روزانہ فوج کو تیار کر کے دشمن کی چھاؤنی کے قریب آتا۔ مسلمان مجاہد دشمن کے سپاہیوں کو للکارتے، زور زور سے آوازیں دیتے۔ مگر ادھر سے کوئی ماں کا لال اس پکار کا جواب نہ دیتا۔[1]

[1] ابن شداد ص

یہی عالم تھا جب عماد الدین زنگی صاحب سنجار اپنی سنجاری فوج کے ساتھ اسلامی چھاؤنی میں تشریف لائے۔

ابنِ شداد کا بیان ہے کہ یہ ربیع الآخر کی بائیس تاریخ تھی۔ جب عماد الدین صاحب سنجار کی سواری آئی۔ وہ بڑی شان اور بڑی آن بان کے ساتھ پہنچے۔ سلطان نے بھی ان کے شایانِ شان ان کا خیر مقدم کیا۔ وہ جب تشریف لائے تو ساری فوج پوری عسکری ترتیب و تنظیم کے ساتھ ان کے استقبال کو کھڑی تھی۔ سلطان کی طرف سے تمام قضاۃ و کتاب (سیکریٹریز)

سب سے پہلے صاحبِ سنجار کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر شہزادوں نے آگے بڑھ کر انہیں خوش آمدید کہا۔ پھر سلطان بنفسِ نفیس آگے آیا۔ ان سے بڑے تپاک کے ساتھ ملا اور انہیں لے کر دشمن کی چھاؤنی کے قریب پہنچا۔ ان کی نمائش کرائی اور اپنے خیمہ میں اتارا۔ وہ جب خیمہ میں داخل ہوئے تو سلطان کے حکم سے ان کے لئے کمخواب کا فرش بچھایا گیا۔ سلطان نے اپنے پہلو میں ان کی مسند بچھائی تھی۔ اس پہ وہ تشریف فرما ہوئے۔ ان کے اعزاز میں سلطان نے بڑی بھاری دعوت کی جس میں ان کے تمام ساتھیوں کے علاوہ عمائدینِ لشکر مدعو تھے۔

ان سے نو دن بعد سات جمادی الاولیٰ کو سنجر شاہ بن سیف الدین غازی صاحبِ جزیرہ اپنی فوج کے ساتھ آیا۔ بادشاہ نے اس کا بھی شاہانہ استقبال کیا اور اپنے خیمہ میں اتارا۔ ۹ جمادی الاولیٰ کو علاؤالدین بن مسعود صاحبِ موصل کی سواری آئی۔ سلطان کو اس کے آنے سے انتہائی خوشی ہوئی۔ چونکہ وہ موصل کا ولی عہد اور ایک بڑے باپ کا بیٹا تھا۔ اس لیے سلطان نے بنفسِ نفیس اس کا استقبال کیا اور اپنے بیٹوں الملک الافضل اور الملک الظاہر کے خیموں کے پہلو میں اس کے لئے شاہانہ خیمہ نصب کرایا۔

ابنِ شداد فرماتے ہیں کہ سلطان کے عزیزوں اور رشتہ داروں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس نے شہزادہ موصل کے اعزاز میں دعوت نہ کی ہو۔[۱]

ابن شداد ص ۲۳

ابنِ شداد کا یہ بیان جہاں سلطان کی مہمان نوازی، عمدہ سیاست و تدبر کو ظاہر کرتا ہے وہاں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی شامی اور عراقی ریاستوں کے والیوں میں، اسلام کے تحفظ کا جذبہ کس حد تک موجود تھا۔ وہ اسلام کے لئے لڑنے اور اسلامی عَلَم کو سربلند رکھنے کے لئے عیسائیوں سے کسی طرح پیچھے نہ تھے۔ جس طرح عیسائیوں نے اس لڑائی کو قومی لڑائی کی شکل دے دی تھی۔ اسی طرح مسلمان والیانِ ریاست نے بھی اسے قومی جنگ سمجھا تھا اور اپنی جانیں لڑانے کے لئے شوق و ذوق کا پیکر بنے عکا کے میدان میں آن موجود ہوئے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطان نے ایک مرکزی نقطہ اور ایک مقناطیسی قوت کی حیثیت حاصل کرلی تھی۔ وہ چاند تھا اور یہ شہزادے اور والی اس کے گرد گھومنے والے ستارے تھے۔ یہ سلطان کا معجزہ تھا کہ اس نے سب کو یکجا کر لیا تھا۔ اسلامی فوج پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط و مستحکم ہوگئی تھی۔ عکا کے محصورین کے دل خوب بڑھ گئے تھے اور اس وقت تو مسلمان فوج اور عکا کے محصورین کی خوشی و مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جب مصر کا نیا بحری بیڑہ عکا کی بندرگاہ میں آن داخل ہوا۔

جس وقت یہ بیڑہ عکا کے پانی میں پہنچا، عیسائی بحری بیڑہ نے اس کی راہ روک لی۔ یہ بیڑہ تیروں، پتھروں اور روغنِ نفط کی بارش برساتا، اسلامی بیڑہ پر حملہ آور ہوا۔ دونوں میں خوفناک لڑائی چھڑ گئی۔ جب یہ دونوں بیڑے آپس میں لڑ رہے تھے۔ سلطان خشکی پر، دشمن سے الجھا تھا۔ ابنِ شداد فرماتے ہیں کہ سلطان نے یہ لڑائی اس خیال سے چھیڑی تھی کہ عیسائی فوج اپنے بحری بیڑہ کے ساتھ شامل نہ ہو سکے۔

اس دن دونوں فوجوں میں سمندر اور خشکی پر بڑے ہی خوفناک مقابلے ہوئے۔ سلطان خشکی پر لڑا اور اسلامی بحری بیڑہ سمندر میں، لڑائی کے شعلے خوب بھڑکے۔ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ سلطان نے اس دن اس درجہ شدید حملہ کیا تھا اور مسلمان اس بہادری سے لڑے تھے۔ کہ دشمن کو حطین کی لڑائی یاد آگئی تھی۔

خصوصیت سے عکا کے محصور مسلمانوں نے اس لڑائی میں سب سے زیادہ جوحملے آزمائے اور اس وقت تک لڑتے رہے۔ جب تک اسلامی بحری بیڑہ عکا کی بندرگاہ میں داخل نہ ہوگیا۔

یہ لڑائی متواتر دو دن تک چلی، جب اسلامی بحری بیڑہ ساحل سے جا لگا تو تینوں محاذوں پر لڑائی کی آگ آپ ہی آپ ٹھنڈی پڑ گئی۔ عیسائی اپنی چھاؤنی میں جا گھسے اور مسلمان اپنی چھاؤنی میں آگئے۔

گو اس لڑائی میں فریقین کے بہت سے آدمی مارے گئے تھے۔ مقتولین و مجروحین کی تعداد

ہزاروں سے تجاوز کر گئی تھی۔ پھر بھی یہ بڑی لڑائی نہ تھی اور دونوں فوجیں ایک دوسرے کا خون بہا کر، آپ اپنی مرضی سے اپنی اپنی چھاؤنیوں کو لوٹی تھیں۔ یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ اس لوٹنے میں کوئی جبر بھی شامل تھا۔ یا ان دونوں میں سے کسی نے شکست کھائی تھی۔ اگر شکست کھائی ہوتی تو لڑائی وہیں ختم ہو جاتی اور حطین کی طرح باقی سپاہی قیدی بن جاتے۔

یہ محض اس محاصرہ کا ایک پہلو تھا۔ اسے کوئی بڑی اہمیت حاصل نہ تھی۔

یہ ہی دن تھے۔ جب صلاح الدین کو خبر ملی کہ شاہ المانیہ (شاہ جرمنی) ایک عظیم الشان فوج کو ہمرکاب لئے، سرزمینِ اسلام کی طرف یلغار کر رہا ہے۔ سلطان کے ایک حلیف کاتیکوس شاہ ارمن نے ایک طویل خط میں سلطان کو شاہ المانیہ کے یلغار کی کیفیت بھی لکھی۔ اس نے سلطان کو لکھا۔ ایک مدت ہوئی۔ شاہ المان، بلاد الھنکر (ہنگری) میں سے ہوتا اور اس ملک پر قبضہ کرتا ارض مقدم الروم میں پہنچا۔ اس کے بڑے ٹھاٹھ تھے۔ بے اندازہ فوج اس کے ساتھ تھی۔ ارضِ مقدم الروم کے بادشاہ نے اس سے ایک بڑی فوج کے ساتھ ایک سخت لڑائی لڑی، مگر شکست کھائی اور پچاس قنطار سونا، پچاس قنطار چاندی، بہت سے اطلس و کمخواب کے تھان اور یرغمال میں اپنے بچے اور بھائی دے کر مصالحت کر لی (ارضِ مقدم الروم سے مراد وہ علاقہ ہے جو قونیہ سے ادھر اور ہنگری کی سرحد سے ملا ہوا تھا)

ارضِ مقدم الروم پر قبضہ پانے کے بعد شاہ المان، قلیج ارسلان کے ملک میں داخل ہوا۔ قلیج ارسلان کے ترکمانوں نے متواتر تینتیس دن تک اس سے لڑائی کی اور اس کی آگے بڑھتی فوج پر سخت حملے کرتے رہے۔ لیکن شاہ المان ان کی ہر جدوجہد کے باوجود آگے بڑھتا رہا اور قونیہ آن پہنچا جو قلیج ارسلان کا پایہ تخت تھا۔ قونیہ پر قلیج ارسلان کے بیٹے قطب الدین نے شاہِ المان سے سخت جنگ لڑی۔ قطب الدین اور اس کے ساتھیوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ آخر وقت تک تلوار ہاتھ سے نہ پھینکی۔ مگر شاہِ المان کے سامنے قطب الدین کی بہادری کوئی کام نہ آئی۔ اس کے بہت سے ساتھی قتل ہوئے اور باقی فوج نے ہزیمت اٹھائی اور

قطب الدین کو شکست دینے کے بعد شاہ المان قونیہ کے دروازوں پر پہنچا۔ قونیہ کے لوگ اپنی بے بضاعتی کے باوجود ہتھیار بند ہو کر اس سے لڑے۔ جی کھول کر تلوار چلائی۔ مگر اسے اندر داخل ہونے سے روک نہ سکے۔ اس کی فوج قتل عام کرتی اور تلوار چلاتی شہر میں داخل ہوئی۔ متواتر پانچ دن تک قونیہ کے لوگ قتل ہوتے اور لٹتے رہے۔ چھٹے دن کو قلیج ارسلان نے صورتِ حال سے مجبور ہو کر مصالحت کی درخواست کی۔ دونوں میں ایک معاہدہ مرتب ہوا۔ جس کی رو سے قلیج ارسلان نے شاہِ المانیہ کو اپنی سرحدوں سے ایک فاتح کی حیثیت سے گزر جانے کی اجازت دے دی اور پھر کہیں کوئی مزاحمت نہ کی۔

ابنِ شداد فرماتے ہیں کہ شاہِ المانیہ اپنے لاؤ لشکر سمیت آگے بڑھا۔ رستہ میں کسی دریا کے کنارے اترا۔ کھانا کھایا اور پھر سو گیا۔ سو کر اٹھا۔ طبیعت کچھ بے چین ہوئی۔ ٹھنڈے پانی میں نہایا۔ ٹھنڈے پانی میں نہانے سے اسے ٹھنڈک لگ گئی اور چند دن بیمار رہ کر اس دنیا سے چل بسا[ل]۔ اس کی جگہ اس کے بیٹے نے لی اور آگے کی طرف بڑھنے لگا۔

ابنِ شداد کے ایک اور بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو جب شہ یا بد تھے اور المان کی یلغار کا حال معلوم ہوا تھا۔ تو اس نے امرائے لشکر کی کانفرنس طلب کی تھی۔ اس کانفرنس میں طے ہوا تھا کہ شاہِ المان کو اسلامی حدود پر ہی روک دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے عساکرِ اسلامیہ اسلامی سرحدوں کی طرف روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے ناصر الدین صاحب منبج، اپنی فوج کے ساتھ آگے بڑھے۔ ان کے پیچھے عز الدین ابن المقدم گئے۔ پھر مجد الدین صاحب بعلبک، پھر صاحبِ شیزر، پھر صاحبِ بارو قیہ، پھر عسکرِ حماہ نے کوچ کیا۔ پھر ملک الافضل روانہ ہوئے۔ پھر بدر الدین شحنہ دمشق تشریف لے گئے۔ آخر میں الملک الظاہر نے حلب کی راہ لی۔ تاکہ اس طرف کی سرحدوں کی حفاظت کر سکیں اور اگر دشمن ادھر آئے تو اسے روک سکیں۔

گو ابن شداد نے ان عساکر کی تعداد نہیں لکھی۔ لیکن جن سپہ سالاروں کے نام ابن شداد

ل ابن شداد ص مترجم ۱۲۰ ، ۲۱

نے گنائے ہیں۔ وہ اسلامی فوج کے بہت ممتاز سپہ سالار تھے۔ اس لئے خیال ہوتا ہے۔ کہ ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے عکہ کی اسلامی چھاؤنی ایک حد تک خالی ہو گئی تھی۔

کچھ عجیب بات ہوئی۔ اسلامی فوجوں کی روانگی کے فوراً بعد عکہ میں ایک خوفناک وبا پھوٹ نکلی۔ فوج کے ہزاروں سپاہی اس وبا کی نذر ہو گئے۔ یہ بھی ایک قدرتی امر تھا کہ فوج کی اکثریت باہر چلی گئی تھی۔ ورنہ اموات کی شرح بہت زیادہ ہوتی۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ تسلی کی بات یہ تھی کہ اس وبا میں دشمن کے آدمی نسبتاً بہت زیادہ مرے تھے!

ادھر شاہ المان کی فوج بھی کئی بلاؤں اور مصیبتوں سے دوچار ہوئی۔ دشوار گزار راہوں اور خوراک کی کمی نے اس عظیم الشان فوج کی کمر توڑ دی۔ بعد جب یہ انطاکیہ کے قریب پہنچی تو اس میں شاذ و نادر ہی کوئی سواری تھی۔ پیدل چلنے والے بھوکے سپاہیوں نے رستہ میں بھوک کی شدت سے تنگ آن کر زیادہ تر سواریاں ذبح کر کے کھالی تھیں۔ انطاکیہ کے لوہے سلامت کھائی اور چار سپاہی پہنچے۔ وہ ہڈیوں کا ڈھیر تھے۔ بھوک نے ان کی ساری قوتیں ان سے چھین لی تھیں اور [illegible] رہ گیا تھا۔

بہر نوع یہ بڑی فوج جو المان سے عالم اسلامیہ کو تہ و بالا کرنے کے فاسد مقاصد لے کر ادھر آئی تھی۔ موت، بھوک اور تھکن کا شکار ہو گئی۔ صرف ایک ہزار سپاہی بیت المقدس کی سرزمین میں قدم رکھ سکے۔ باقی سب رستہ ہی میں ختم ہو گئے۔

ابھی اسلامی فوج لوٹ کر اپنی چھاؤنی میں نہیں آئی تھی کہ عکہ کے میدان پھر ونک اٹھے۔ عیسائیوں نے اسلامی چھاؤنی کو کمزور سمجھ کر بڑے زور کی چڑھائی کی۔ ابن شداد کہتے ہیں کہ جو فوجیں باہر گئی تھیں۔ وہ میمنہ کی تھیں۔ میمنہ قریب قریب خالی ہو گیا تھا۔ اس لئے دشمن نے اس دن میمنہ ہی کو تاکا اور اپنے قلب، میمنہ و میسرہ تینوں کا رخ ادھر پھیر دیا۔ اس دن الملک العادل، میمنہ کے سردار تھے۔ دشمن کو اپنی پوری جمعیت کے ساتھ دفعتہً اسلامی میمنہ پر

آن گرا تھا۔ لیکن الملک العادل نے بڑی بہادری کے ساتھ اسے روکا۔ دشمن کے اس اچانک حملہ نے ساری چھاؤنی میں شورِ قیامت برپا کر دیا تھا۔ ہر طرف نعرے بلند ہو رہے تھے۔ ہتھیار بج رہے تھے اور اسلامی سپاہ ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر میمنہ کی طرف آ رہی تھی۔

لیکن جیسے ہی دشمن اسلامی چھاؤنی کے قریب پہنچا اور لڑائی کا شور برپا ہوا۔ بادشاہ اپنے خیمہ سے نکلا، گھوڑے پر سوار ہوا اور یا للاسلام کے نعرے لگا لگا کر فوج کو لڑائی کے لئے پکارنے لگا۔ اس وقت اس کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی۔ اس کے باوجود وہ چھاؤنی میں اس طرح پھر رہا تھا جیسے کوئی ماں اپنی کھوئی ہوئی اولاد کی تلاش میں گھومتی ہے۔ اسی طرح گھومتے گھومتے اس نے اپنے ہاتھ سے ڈھول پیٹا۔ اس ڈھول کے جواب میں سارے امرائے لشکر کے ڈھول بجنے لگے اور ساری فوج مقابلہ کے لئے تیار ہو گئی۔[۵]

[۵] ابن شداد ۹۱

عجیب بات ہے۔ ابن اثیر نے ابنِ شداد کے اس بیان سے اختلاف کیا ہے۔ اس کے بیان کی رُو سے دشمن کا حملہ صرف مصریوں پر ہوا اور اس لڑائی میں صرف مصری شریک ہوئے۔ بادشاہ اور اس کی مخصوص سپاہ نے اس میں کوئی حصہ نہیں لیا۔[۶]

[۶] ابن اثیر جز ۱۲ ۲۱

لیکن جیسے کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا تھا۔ ابنِ شداد اس لڑائی کے عینی شاہد تھے اور ان کا بیان ابنِ اثیر اور ہر دوسرے غیر عینی شاہد پر مقدم ہے۔

ابنِ شداد فرماتے ہیں۔ دشمن جب میمنہ پر نازل ہوا تو اس وقت الملک العادل اپنے خیمہ میں تھا۔ وہ فوراً اپنے خیمہ سے نکلا، سوار ہوا اور دشمن کی مدافعت کے لئے آگے بڑھا۔ دشمن نے اس کا خیمہ لوٹ لیا۔ اس کے آس پاس کے بازاروں میں خوب اودھم مچایا۔ جب دشمن الملک العادل کے خیمہ کو لوٹ رہا تھا، الملک العادل تھوڑے فاصلے پر کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس نے خود دشمن کو موقعہ دیا کہ لوٹ مار میں لگ جائے اور جب دشمن لوٹ مار میں مشغول ہو گیا۔ تو پھر الملک العادل اپنی پوری جمعیت کے ساتھ اس پر اس طرح گرا جیسے شیر شکار پر گرتا ہے۔ اس دن خوب تلوار چلی اور مصریوں نے دشمن کو اس شدت سے ذبح کیا کہ ہر طرف نعشیں ہی نعشیں پھیل گئیں۔ مصریوں سے [illegible] منزل کی دوری کے خیمے تھے۔ دشمن آیا تو موصل کی فوج بھی اپنے مصری بھائیوں سے

آن ملی اور دشمن کو مارتی قتل کرتی، بھیڑوں کی طرح ہنکاتی ان کی چھاؤنی میں لوٹا آئی۔

ابنِ اثیر کا اندازہ ہے کہ اس دن دس ہزار عیسائی ذبح ہوئے۔ ابن شداد نے مرنے والوں کی تعداد نہیں لکھی۔ البتہ فرماتے ہیں:

واستمدا مطروحین من خیام الملک العادل الی اخیامھم اولھم فی الخیم الاسلامیہ و اخرھم فی خیم العدو[1]

"ان کی نعشیں الملک العادل کے خیموں سے شروع ہو کر ان کی چھاؤنی تک پھیلی تھیں"۔

دوسرے لفظوں میں مسلمانوں نے انہیں اپنی چھاؤنی میں ذبح کرنا شروع کیا اور جب وہ بھاگے تو ان کی چھاؤنی تک انہیں مارتے چلے گئے۔ ان کی نعشیں اس کثرت سے تھیں کہ ابن شداد نے انہیں گننے کی بہت کوشش کی مگر گن نہ سکے۔ جب یہ کیفیت عکا کے محصور مسلمانوں نے دیکھی تو وہ بھی شہر کے دروازے کھول کر نکلے اور دشمن کی چھاؤنی میں گھس گئے اور خوب جوہر دکھائے۔ ابن شداد نے اپنے ایک ساتھی کی کیفیت لکھی ہے جو اس موقعہ پر موجود تھا اور دشمن کی نعشیں گن رہا تھا۔ اس کے سامنے پانچ صفیں تھیں۔ وہ دو صفیں گن چکا تھا جب ابنِ شداد اس سے ملے اور اس سے پوچھا، کتنے آدمی مارے گئے تو اس نے بتایا دو صفوں میں چار ہزار چونسٹھ نعشیں ہیں۔ باقی نعشیں ابھی نہ گنی گئی تھیں[2]۔ بہر نوع خدا نے دشمن پر مسلمانوں کو یہ بڑی فتح عطا کی اور تقریباً دس ہزار دشمن سپاہی موت کے گھاٹ اتر گئے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ لڑائی صرف چند گھنٹے رہی۔ ظہر کے وقت شروع ہوئی اور عصر سے ذرا بعد ختم ہو گئی۔ ابھی سلطان اس فتح پر خوشیاں منا رہے تھے کہ ایک اور خوشخبری انہیں ملی۔ یہ خوشخبری حلب سے آئی تھی۔ حلب کی فوج نے شمال کی راہ آنے والے دشمن کو بہت سخت شکست دی تھی۔ ابن شداد کے بیان کی رو سے ان دشمنوں میں سے ایک آدمی بھی بچ کر واپس نہ گیا۔ حالانکہ جب وہ حملہ آور ہوئے تو ان کی تعداد بہت تھی[3]۔

[1] ابن اثیر جز ۱۲ ص ۲۰ – ابن شداد ۹۲
[2] ابن شداد ۹۲
[3] ابن شداد ۹۲

صورتِ حال بدلی

اگر دشمن کی یہی کیفیت رہتی جو پیچھے بیان ہوئی ہے اور اسے باہر سے کوئی امداد نہ ملتی۔ تو وہ عکہ کے اس میدان میں اپنی موت آپ مرجاتا۔ اسلامی فوج کا ایک اور حملہ اسے قطعاً ختم کر ڈالتا۔ لیکن عیسائی یورپ پوری طرح جاگ چکا تھا۔ اسے عکا کے عیسائیوں کی حالتِ زار کی خبر ہو گئی تھی۔ اس لئے سمندر کے راستے عیسائی رضاکاروں کے قافلے عکا کی طرف بھاگے چلے آ رہے تھے خصوصیت سے اس لڑائی کے چند دن بعد ہی ایک بہت بڑا بحری بیڑہ، ایک عیسائی سپہ سالار کندھری کی راہ نمائی میں عکا پہنچا۔ ابنِ شداد کندہری کے متعلق فرماتے ہیں:

وھذا المذکور من ملوکھم واعیانھم

یہ ان کے بادشاہوں اور بڑوں میں سے تھا۔

یہ بحری بیڑہ بہت سا ساز و سامان، مال و متاع، اسلحہ اور (والرجال عدد عظیم) بہت سے سپاہی اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس بحری بیڑہ میں کتنے سپاہی لدے تھے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ یہ یقیناً تیس چالیس ہزار سے کم نہ ہوں گے۔ ورنہ افرنگیوں کی حالت ان کے آنے سے بالکل بدل نہ جاتی۔

ابن شداد کے الفاظ ہیں۔

فقوی بوصولہ عزمھم واشتد ازرھم

وہ ان کے آنے سے پہلے مغلوب تھے، ان کے آتے ہی بہت جری ہو گئے اور خوب تیزی دکھانے لگے

ابن شداد
العماد الکاتب
۱۰۱

اس وقت سلطانی فوج کی حالت جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا۔ بہت سے دستوں کے باہر چلے جانے کے سبب کافی کمزور ہو گئی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ انہوں نے اپنی جرأتِ ایمانی کے زور پر دشمن کو چند دن پہلے بڑی خوفناک شکست دی تھی اور دس ہزار آدمی مار دیئے تھے۔

ابنِ شداد کا بیان ہے کہ سلطان کے لیے یہ صورتِ حال بہت تشویشناک تھی۔ اس نے ساتھیوں کو جمع کیا۔ ان سے رائے لی۔ طے پایا کہ فوج اپنا حلقہ وسیع کرے۔ اس طرح سے ۲۶ جمادی الآخر کو عکہ کے محاصرہ کا پہلا دور ختم ہوا۔ اس وقت تک اسلامی فوج کی حیثیت ایک فریقِ غالب کی تھی۔ اب یہ حیثیت اس سے چھن گئی تھی۔ اسے عکا سے کئی میل پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس کے اور عکا کے مابین آمد و رفت کا جو سلسلہ قائم تھا۔ وہ ٹوٹ گیا۔ اب عکا کے لوگ نہ اسلامی فوج میں آ سکتے اور نہ اسلامی فوج کا کوئی آدمی عکا پہنچ سکتا۔ اب صرف کبوتر یا ہلکی پھلکی کشتیاں جو صرف رات کے وقت چھپ کر عکا کے ساحل کی طرف بڑھتیں۔ پیغام رسانی کا کام کرتیں۔ کیونکہ اسلامی فوج کے ہٹتے ہی عیسائی فوج نے اپنا حلقہ تنگ کر لیا تھا۔ اور شہر میں آمد و رفت قطعاً روک دی تھی۔ نہ کوئی چیز اندر آنے دیتے اور نہ اندر سے باہر جانے دیتے۔ مسلمانانِ عکا پر یہ دن بہت سخت تھے۔

لین پول نے اسی کیفیت کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس کے بیان کی رو سے عکا کو گھیرے میں لینے والی عیسائی فوج کی حالت اسی وقت سنور گئی تھی۔ جب ماہِ جولائی میں کمباگنی کے ہمفری نے عکا کے ساحل پر دس ہزار سپاہی اتار دیئے تھے۔ اس نئی فوج میں بڑے بڑے نائٹ، مسیحی شرفا اور اٹلی کے پادری تھے۔

ابن شداد، ابن اثیر اور العماد الکاتب نے جس کندہری کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ وہ لین پول کے بیان کی رو سے اگست میں عکا آیا۔ اس کے ساتھ بڑی جمعیت تھی۔ لین پول نے اس کا نام کونٹ ہنری لکھا ہے اور یہی نام زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کونٹ کو عرب مورخین نے کند بنا لیا اور ہنری کو ہری۔ بہر نوع لین پول کا بیان ہے کہ اس وقت تک عکا کے محصور مسلمانوں کی حالت زیادہ

خراب نہ تھی ۔ اسلامی جہاز ان کے لئے غذا کے ذخیرے لے کر برابر آ جا رہے تھے۔

لین پول کہتا ہے کہ یورپ سے آنے والے قافلوں کا تانتا بندھا تھا۔ اگست میں کونٹ ہنری پہنچا تو اکتوبر میں جرمانیہ کا شہزادہ تشریف لے آیا اور یوں عکا کی زمین عیسائیوں کے ٹڈی دل سے بھر گئی۔ (لین پول ۳۶)

اس قدر فوج کے آجانے سے عکا کے محصورین کی حالت البتہ خراب ہوگئی۔ محاصرہ پہلے سے زیادہ شدید ہوگیا اور کونٹ ہنری نے یا کند ہری نے شہر پر سنگباری کے لئے بڑی بڑی منجنیقیں تیار کیں۔ ان میں سے ایک منجنیق تو چھیالیس من وزنی تھی۔ یہ منجنیق خاص قسم کی تھی۔ اس سے پتھر بھی برسائے جا سکتے اور اس سے شہر پناہ کو توڑنے کا کام بھی لیا جاتا۔ اس کا ایک سر عیسائی فوج جب چاہتی شہر پناہ سے قریب لے آتی اور یہ سر اودیوانے ہاتھی کی طرح شہر پناہ پر ٹوٹ پڑتا۔ یہ منجنیقیں سپاہیوں کو اٹھانے کا کام بھی کرتیں۔ لڑاکے سپاہی ان کے سروں پہ سوار ہو کر شہر پناہ کے قریب آجاتے اور شہر پناہ پر پہرہ دینے والی مسلمان فوج سے دو دو ہاتھ کرتے۔

ابن شداد فرماتے ہیں کہ جب ماہِ رجب میں دشمن نے یہ محسوس کیا کہ اس کی قوت بہت بڑھ گئی ہے تو اسے شہر پر قبضہ کرنے کی ہوس ہوئی۔ اس نے ہر طرف سے اس پر منجنیقیں نصب کر دیں یہ منجنیقیں شہر پہ دن اور رات پتھر اور آگ برسائیں۔ جب شہر والوں نے اپنے اوپر یہ مصیبت مسلط دیکھی تو بڑے عزم و جرأت سے کام لیا۔ ان دنوں عکا کی محصور فوج کے سپہ سالار امیر کبیر حسام الدین اور شہر کے والی بہا الدین قراقوش تھے۔ وہ مسلمانانِ عکا کو ساتھ لے کر ایک دن اچانک شہر کے دروازے کھول کر دشمن کی چھاؤنی پر آن گرے۔ اللہ کے ان بندوں نے دشمن کی چھاؤنی میں پہنچ کر بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ خوب تلوار چلائی۔ بڑے بڑے نامی شہسواروں کو مارا اور بہت سوں کو گرفتار کر کے شہر میں لے گئے۔

اسی دن ان بہادروں نے ایک اور معجزہ دکھایا۔ انہوں نے وہ بھاری منجنیقیں جلا ڈالیں جو شہر پناہ کے قریب نصب تھیں اور جن کے ذریعہ دشمن ان پر ہر روز اور ہر رات سنگ باری

کرتا تھا۔ صرف بڑی منجنیق جو کونٹ ہنری نے خاص طور پر تیار کی تھی۔ دن کے وقت ان کے ہاتھ نہ لگی۔ رات کے وقت وہ اس کی خاطر پھر شہر پناہ سے باہر آئے اور دشمن کی صفیں چیرتے اس تک جا پہنچے اور اسے بھی جلا دیا۔

کونٹ ہنری نے یہ منجنیق ڈھائی ہزار اشرفیوں کی لاگت سے تیار کرائی تھی۔ ابن شداد ۹۷

شہر والوں کی اس جرأت کے باوجود ان کی حالت تشویش ناک سے تشویش ناک ہوتی جا رہی تھی۔ ان کے خوراک کے ذخیرے ختم ہونے کو تھے اور غالباً انہوں نے اپنی اس حالت سے سلطان کو خبردار کر دیا تھا۔ اس لئے اس نے بیروت سے مسلمانوں کی ایک بہادر جماعت چند جہازوں میں بھر کر ضروری غلہ کے ساتھ عکا کی طرف روانہ کی۔ ان لوگوں نے عیسائیوں ایسے کپڑے پہن لئے تھے۔ جہازوں پر سؤر بھی لاد رکھے تھے اور صلیبیں بھی جا بجا لٹکا رکھی تھیں تاکہ دشمن انہیں اپنے ہی جہاز سمجھے۔ اس انداز اور اس کیفیت سے مسلمانوں کے یہ جہاز عکا کی بندرگاہ تک آئے اور یوں اس حیلہ سے عکا کے محصور مسلمانوں کو خوراک پہنچ سکی۔ ابن شداد ۹۷

جہازوں کے علاوہ کچھ مسلمان بہادر تیراک بھی عکا کے محصور مسلمانوں تک ان کی ضروریات کی چیزیں اپنی پیٹھوں پر لاد کر لے جاتے۔ ان میں سے ایک عیسیٰ تھے۔ یہ بڑے بہادر اور بڑے ہی ذمہ دار مسلمان مجاہد تھے۔ اسلامی چھاؤنی سے یہ روزانہ روپیہ، خطوط اور بعض دفعہ دوسری ہلکی پھلکی چیزیں اپنی کمر سے باندھ کر سمندر میں کود پڑتے اور تیرتے ہوئے اور دشمن کے پہرداروں سے خود کو چھپاتے ہوئے عکا کی بندرگاہ میں آن پہنچتے۔ وہ جب شہر میں داخل ہوتے تو اپنی آمد کی خبر دینے کے لئے خاص قسم کے پرندے اڑا دیا کرتے۔

آخری دن جو ان کی شہادت کا دن تھا۔ وہ ایک ہزار اشرفی اور کچھ خطوط کمر سے باندھ کر سمندر میں اترے اور نہ جانے ان پر کیا بیتی۔ وہ سمندر کی سطح سے ابھر نہ سکے اور ان کی خیریت کی خبر دینے والا، پرندہ شہر سے اڑتا نظر نہ آیا۔

ابن شداد فرماتے ہیں۔ ہم نے اسی وقت سمجھ لیا۔ عیسیٰ ملاح اس دنیا سے رخصت ہو گئے

مگر عجیب بات ہوئی۔ عیسیٰ ملاح کی نعش کچھ دن بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئی۔ انہوں نے اپنی قوم کی جو امانت زندگی میں اپنی کمر سے باندھی تھی۔ وہ ان کی موت کے بعد ان کی کمر سے بندھی مسلمانوں کو مل گئی۔

اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں ان کی روح کے شاملِ حال ہوں۔

نہیں کہا جا سکتا۔ ایسے کتنے مسلمان تیراکوں نے عکا کے محاصرہ میں قوم کے لئے جان دی تھی۔ خود محصورین میں سے کتنے تھے۔ جنہوں نے بھوک کی شدت اور دوسرے مصائب کا شکار ہونا پسند کیا مگر ہمت نہ ہاری۔

رجب کا مہینہ جیسے بھی ہُوا گزر گیا، شعبان آیا۔ تو بہاء الدین قراقوش والی شہر عکا نے سلطان کو اطلاع دی کہ عکا والوں کے خوراک کے ذخیرے بالکل ختم ہونے کو ہیں اور اگر غلّہ بہت جلد ان تک نہ پہنچا، تو شہر والے بھوکوں مر جائیں گے۔

سلطان کو جیسے ہی یہ خبر ملی۔ اس نے مصر سے تین جہاز غلّے سے بھروا کر عکا کی طرف روانہ کئے۔ یہ بادبانی جہاز ہوا کے زور پر چلتے۔ عکا کے قریب اسی رات آن پہنچے۔ جب غلّہ ختم تھا خدا کی قدرت تھی کہ ان جہازوں کو گرفتار کرنے کے لئے دشمن کا جو جنگی بیڑہ روانہ ہُوا۔ وہ ان تک اس وقت تک نہ پہنچ سکا۔ جب تک وہ بندرگاہ میں داخل نہ ہو گئے۔ ہوا ان کے موافق تھی اور مسلمانوں کی دعائیں انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔

ابن شداد کا بیان ہے کہ جب یہ جہاز عکا کے ساحل کی طرف چلے آ رہے تھے۔ ایک طرف مسلمان سپاہ اور دوسری طرف افرنگی فوج، ان کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھی۔ عیسائی فوج چاہتی تھی۔ یہ جہاز اس کے ہاتھ لگ جائیں۔ مسلمان دعائیں مانگ رہے تھے۔ یہ جہاز بھوکے محصورین تک پہنچ جائیں۔ خود سلطان ساحل پر کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا[1]۔ جب جہاز عکا کی بندرگاہ میں پہنچ گئے تو مسلمان فوج خوشی و مسرت سے جھوم اٹھی۔ اللہ اکبر کی صدائیں فضا میں بھر گئیں اور کتنی دیر تک اللہ اکبر کے سوا کوئی اور آواز سنائی نہ دی۔

[1] ابن شداد ۱۰۰ عماد الکاتب ۲۰۳

لین پول کہتے ہیں کہ یہ تینوں جہاز جب بندرگاہ میں داخل ہوئے تھے تو برج الذباب کے پہرہ داروں نے ان کی مدافعت کی تھی۔ ورنہ اگر یہ برج الذباب نہ ہوتا تو عیسائی بیڑہ ان ان تینوں جہازوں کو پکڑ لیتا۔ یہی وجہ تھی کہ عیسائی سپہ سالار نے اس بُرج کو گرانے کے فوری احکام جاری کئے۔ لین پول ۲۴۶

العماد الکاتب نے اس بُرج کا نام بُرج الزبان اور ابن شداد نے برج الذباب لکھا ہے۔ ابن شداد ۲ العماد الکاتب ۲۸۹

یہ بُرج سمندر کے عین بیچ میں ایک بڑی چٹان پر بندرگاہ کے دروازہ پر تعمیر ہوا تھا۔ اس برج میں مسلمانانِ عکا نے پہرہ دار بٹھا رکھے تھے۔ یہ پہرہ دار، تیروں، نفط اور دوسرے آلاتِ حرب سے مسلح تھے۔ دشمنوں کے جہاز جب بندرگاہ کا رُخ کرتے، بُرج سے ان پر تیروں اور آگ کی بارش ہوتی۔

عیسائی بیڑہ نے جس میں العماد الکاتب کے بیان کی رو سے کئی بڑی کشتیاں اور جہاز شامل تھے۔ ۲۲ شعبان کو برج الذبان پر حملہ کیا۔

لین پول کہتے ہیں کہ ان بڑے جہازوں پر عیسائی ملاحوں نے اونچے برج لاد رکھے تھے۔ جن میں ایندھن بھرا تھا۔ عیسائیوں کا پروگرام یہ تھا کہ ان برجوں کو آگ لگا کر وہ برج الذبان پر پھینک دیں تاکہ برج الذبان میں آگ لگ جائے۔ مگر جب عیسائی جہاز ان برجوں کو لاد کر برج الذبان کے قریب ہوئے تو برج الذبان کے پہرہ داروں نے اس ہوشمندی اور مہارت سے ان پر آگ برسائی کہ بُرج بھی جل اُٹھے اور جہاز بھی۔

عیسائی ملاحوں کو لینے کے دینے پڑ گئے اور وہ بری طرح ناکام ہو کر واپس بھاگے۔

ابنِ شداد کا بیان، اس روایت سے کسی قدر مختلف ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ عیسائیوں نے تین جہاز اس کام میں استعمال کئے تھے۔ ایک میں لڑاکے سپاہی بھرے تھے۔ دوسرے پر برج لدے تھے اور تیسرے میں ایندھن اور نفط۔ عجیب بات ہوئی۔ جب یہ برج الذباب

کے قریب پہنچے اور انہوں نے برج میں ایندھن بھرا اور آگ لگائی تو دفعتہً ہوا مخالف چلنے لگی اور جلتے برج نے مسلمانوں کی ہلاکت کی بجائے ان کی ہلاکت کا سامان کر دیا۔ وہ بھی جل گئے اور ان کے جہاز بھی جل اُٹھے اور یوں یہ کوشش ناکام ہو گئی۔[1]

ابن شداد [1]

یہی بیان العماد الکاتب کا بھی ہے۔ البتہ العماد الکاتب نے اس باب میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ عیسائیوں نے اس ناکامی کے بعد ایک اور کوشش کی۔ انہوں نے ایک بہت بڑے جہاز کو حملہ کے لیے استعمال کیا۔ انہوں نے اس میں سیڑھیاں بنائیں تاکہ اس پر سپاہی چڑھ کر برج الذبان پر کود جائیں۔ یہ جہاز بھی جب برج الذبان کے قریب آیا تو مسلمان پہرہ داروں نے اس پر بھی نفط کی بارش کی اور اسے بھی جلا ڈالا۔[2]

العماد الکاتب [2] ۲۹۰

ادھر افرنگی یوں ناکام ہوئے تو انہوں نے دوسرا رُخ اختیار کیا اور شہر پر براہِ راست دھاوا بولا۔ ان کے ساتھ ہر قسم کے آلاتِ سنگ باری تھے اور قلعہ شکن منجنیقیں بھی۔ ان آلاتِ سنگ باری اور منجنیقوں کے ساتھ وہ ۳ رمضان کو شہر سے قریب آئے۔ بے اندازہ سپاہ ان کے ساتھ تھی۔ ان کی منجنیقوں کے منہ کھل گئے اور شہر پناہ پر کھڑے پہرہ داروں پر ان کے ترکش تیروں کی بارش کرنے لگے۔

مسلمانانِ عکا نے یہ کیفیت دیکھی تو اللہ پر بھروسہ کر کے شہر کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے اور اس زور کی لڑائی لڑی کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے ان میں سے بہت کو مار مار کر خندقوں میں دھکیل دیا اور باقی کا تعاقب کرتے انہیں ان کے خیموں میں چھوڑ گئے۔[3]

ابن شداد [3] ۱۰۳

ابنِ شداد فرماتے ہیں۔ دشمن اس حملہ کے وقت ایک بہت بڑی منجنیق بھی اپنے ساتھ لایا تھا۔ جس کے اوپر مینڈھے (کبش) کی شکل بنی تھی۔ یہ منجنیق اس زمانہ کی نادر تخلیق تھی۔ ایسی منجنیق اس سے پہلے ایجاد نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کو جب شکست دی تو اس منجنیق میں بھی آگ لگا دی اور اسے کھینچ کر اندر لے آئے۔ اس کی آگ بجھائی۔ ابن شداد نے یہ

منجنیق خود دیکھی تھی۔ آگ بجھنے کے بعد جب اس منجنیق کا لوہا وزن کیا گیا تو وہ سو قنطار تھا۔ ایک قنطار سو رطل شامی کا تھا۔ اس لحاظ سے اس منجنیق کے لوہے کا وزن کئی سو من ہوا۔

العماد الکاتب نے بھی یہ منجنیق دیکھی تھی۔ انہوں نے بھی اس کا وزن یہی بتایا ہے[۱]۔ مگر ان کے بیان کی رو سے مسلمانوں نے اس پر پہلے شہر پناہ سے سنگ باری کی۔ ان کی منجنیقوں نے اس پر لگاتار پتھر برسائے۔ سنگ باری کے سبب اس پر کام کرنے والے اور اس کے محافظ اس سے دور ہٹ گئے اور وہ تنہا رہ گئی تو مسلمانوں نے اس میں آگ لگا دی۔ اس کے باوجود افرنگیوں نے رات کے وقت اس کی حفاظت کے لئے سپاہیوں کا ایک دستہ بھیج دیا۔ یہ سپاہی آئے تو پہرہ دینے کے لئے تھے۔ لیکن انہوں نے اس کے قریب بیٹھ کر وقت کٹی کے لئے شراب سے جی بہلانا شروع کر دیا۔ کچھ نشے میں ناچے بھی اور جب حد سے زیادہ پی لی تو مدہوش ہو کر وہیں سو گئے۔ مسلمان رات کے وقت پھر آئے۔ اس جلتی منجنیق پر پانی ڈالا، اسے ٹھنڈا کیا اور اس کا لوہا اکھیڑ کر لے گئے۔ جتنا لوہا وہ اکھیڑ کر لے گئے اس کا وزن سو قنطار تھا[۲]۔

[۱] العماد الکاتب ۲۹۲

[۲] العماد الکاتب ۲۹۳

اس وقت تک اسلامی فوج عکا سے چند فرسخ کے فاصلے پر خیمہ زن تھی۔ ان کی غالب تعداد ابھی تک شمال سے واپس نہ آئی تھی۔ اس واقعہ کے بعد باہر گئی ہوئی فوجیں آنی شروع ہو گئیں۔ پہلے صاحب حلب تشریف لائے۔ پھر سابق الدین صاحب شیرز کی سواری آئی پھر عزالدین ابن المقدم آن پہنچے۔ ان کے بعد حسام الدین اور پھر مجدالدین بہرام شاہ، اپنی فوجوں اور امرا کے ساتھ آ گئے۔ ان اصحاب کے تشریف لانے سے اسلامی فوج کی حالت پہلے ایسی مضبوط ہو گئی۔ مگر اب سردی آ گئی تھی۔ ماہ رمضان شروع ہو چکا تھا اور سلطان نے اپنی چھاؤنی ذرا اور اوپر کی طرف منتقل کر لی تھی۔ ادھر مسلمانوں کی شمالی فوجیں عکا پہنچیں۔ ادھر انگلستان سے ایک بڑا بحری بیڑہ جس میں کنٹربری کا بڑا پادری بالڈون، سالسبری کا بڑا اسقف ہیوبرٹ اور کئی دوسرے ممتاز انگریز سوار تھے، عکا پہنچ گیا۔ لین پول کے بیان کی رو سے یہ بحری بیڑہ

نومبر میں عکا ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ جب بڑے پادری افرنگی چھاؤنی میں آئے تو انہوں نے چھاؤنی کی اخلاقی حالت پر ماتم کیا اور فوج کو وعظ و نصیحت کے ذریعہ کسی بڑے کارنامے کے انجام دینے کی ترغیب دی۔[۱]

ابن شداد کا خیال ہے۔ عیسائی فوج نے یہ بڑا کارنامہ انجام دینے کا تہیہ اس وقت کیا۔ جب ساری چھاؤنی قحط میں مبتلا تھی۔ جب غلہ اس قدر گراں ہو گیا تھا کہ ایک بوری گندم کی قیمت انطاکیہ میں ۹۶ اشرفی تھی اور چھاؤنی میں اس سے بھی گراں ملتی (لین پول نے ایک انڈے کی قیمت چھ اشرفی لکھی ہے)

[۱] لین پول ۲۳۷

ابن شداد کے الفاظ ہیں:

وتواترت الاخبار بضعف العدو ووقوع الغلاء فی بلادهم وعسکرهم حتی ان الغرارة من القمح بلغت فی انطاکیه ستة وتسعین دینارا

ولما ضاق بهم الامر وعظم الغلاء وخرج منهم خلق عظیم مستأمنین من شدة الجوع عزموا علی الخروج الینا وکان طمعهم بسبب مرض السلطان وظنوا انه لا یستطیع النهوض[۲]

[۲] ابن شداد ۱۰۰

پے درپے یہ خبریں آ رہی تھیں کہ دشمن کمزور ہو چکا ہے اور ان کے شہروں اور چھاؤنی میں سخت قحط پھیل نکلا ہے۔ یہاں تک کہ گندم کی ایک بوری کی قیمت ۹۶ دینار صوری ہو گئی ہے۔ جب ان کی حالت برداشت سے باہر ہو گئی۔ قحط نے انتہائی شدت اختیار کر لی اور ان میں سے بہت سے لوگ بھوک سے مجبور ہو کر اسلامی چھاؤنی میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تو عیسائیوں نے عزم کر لیا کہ ہم پر حملہ کر دیں گے۔ اس عزم کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ بادشاہ ان دنوں بیمار تھے۔ عیسائیوں نے گمان کیا

کہ بادشاہ اب بیماری سے نہیں اٹھیں گے۔"

ہو سکتا ہے کہ نودار و عیسائی رہنماؤں اور بڑے پادریوں نے سلطان کی بیماری کی خبر کو خوب ہوا دی ہو اور بھوکے سپاہیوں کو یقین دلا دیا ہو کہ مسلمان بادشاہ بسترِ مرگ پر پڑا ہے اور تم ایسے حال میں کتنے احمق ہو کہ یہاں بھوکے مر رہے ہو۔ مسیح کا نام لے کر اٹھو اور تیز تیز قدم بڑھا کو قریب المرگ بادشاہ کی فوج سے غلے کے ذخیرے چھین لو۔

بہر حال کئی مہینوں کے جمود کے بعد غالباً اس موسم میں پہلی بار عیسائی فوج اپنی خندقوں سے باہر آئی۔ بھوکے اور ننگے سپاہی مسیح کا نام لے کر پادریوں کی قیادت میں صلیبیں اٹھائے، راس الماء (چشمہ) کی طرف بڑھے (جو لین پول کے بیان کی رو سے عکا سے چھ میل کے فاصلے پر تھا)

اس وقت اس مقام پر سلطانی فوج کا عقب خیمہ زن تھا سلطان کو عیسائی فوج کی روانگی کی جیسے ہی اطلاع ملی۔ اس نے اپنے اس "عقب" کو حکم دیا۔ عیاضیہ سے اٹھ کر تل کیسان پر آجائے تاکہ دشمن "الدبار" میں بے خطر ہو کر خیمہ زن ہو جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ اسلامی عقب کے عیاضیہ سے ہٹ آنے کے سبب دشمن بڑی دلجمعی سے الدبار میں آن اترا۔ اس نے رات وہیں بسر کی۔ رات بھر اسلامی عقب اس کے گرد منڈلاتا رہا۔ صبح عقب کے مخبروں نے سلطان کو عیسائی فوج کے سوار ہونے کی اطلاع دی۔ سلطان نے یہ خبر پاتے ہی فوج کو مرتب کیا۔ لڑائی کی ندائیں ہر طرف پھیل گئیں۔ بادشاہ خود جبال الخروبہ کے ایک اونچے ٹیلے پر آن ٹھیرا اور میمنہ و میسرہ کو آگے بڑھایا۔ پہلے میمنہ آگے بڑھا پھر میسرہ نے حرکت کی اور نہر یہ پہنچ کر رک گیا۔ اسی دن میمنہ میں الملک الافضل، الملک الظاہر، الملک الظافر، بادشاہ کے تینوں بیٹوں کے علاوہ علاءالدین خرم شلہ بھی تھا۔ ان کے دونوں بازوؤں پر حسام الدین لاجین الطواشی، قائماز النجمی، عزالدین جردیک النوری، حسام الدین بشارہ صاحب بانیاس اور کئی دوسرے امراء تھے

میسرہ کی سرداری عماد الدین زنگی صاحب سنجار، معز الدین صاحب جزیرہ، الملک المظفر تقی الدین اور سیف الدین المشطوب نے سر انجام دیئے۔ قلب میں خود بادشاہ اور اس کی مخصوص سپاہ تھی۔

دوسری سمت دشمن شہر کی جانب مشرق سے لے کر راس العین تک پھیلا تھا۔ لڑائی کا آغاز دونوں طرف کے بہادروں کی انفرادی لڑائی سے ہوا۔ پھر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں ایک دوسرے سے اُلجھیں۔ اس دن دشمن کے بہت سے آدمی مجروح و مقتول ہوئے۔ لیکن عام لڑائی شروع نہ ہوئی۔ رات ہوئی تو دونوں فوجیں جہاں موجود تھیں وہیں رُک گئیں صبح کے وقت سلطان نے فوج کا ایک بار اور جائزہ لیا۔ فوج کا جائزہ لینے کے بعد وہ ایک اونچے ٹیلے پر خیمہ زن ہوا تاکہ وہاں سے پورے میدانِ جنگ کو دیکھ سکے۔ گو وہ بیمار تھا۔ لیکن بیماری کے باوجود اس نے اس لڑائی کی آپ نگرانی کی اور فوج کے ایک ایک حصہ کی آپ قیادت کی، جب دشمن سوار ہوئے تو اس نے پوری فوج کو ایک ساتھ آگے بڑھایا اور ہر چہار طرف لڑائی کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ اس دن دوپہر تک بڑے زور کا رن پڑا۔ ہر طرف نعشوں کے انبار لگ گئے۔ دشمن نے اس دن بڑی احتیاط کی اس کے آدمی جیسے ہی مرتے وہ انہیں گڑھے کھود کر میدانِ جنگ ہی میں دفن کر دیتا۔

ابنِ شداد کہتے ہیں۔ شروع میں بادشاہ نے اپنی مخصوص فوج بطور "ریزرو" اپنے گرد جمع کر رکھی تھی۔ ان میں سے تھوڑے تھوڑے آدمی بوقتِ ضرورت آگے بڑھاتا۔ یہاں تک کہ اس کے پاس صرف چند آدمی رہ گئے۔ باقی تمام لڑائی کے میدان میں کود پڑے تھے۔

اس دن مسلمانوں نے جہاد کا حق ادا کر دیا۔ بہت دنوں سے میدانِ جنگ میں بغیر لڑے پڑے رہنے والے سپاہیوں نے اپنے ہتھیاروں کے زنگ خوب دور کئے۔ انہوں نے دشمن کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا اور دشمن جم کر لڑائی کرنے کی بجائے آگے کی طرف چلتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دعوق پر پہنچ کر رکا اور لڑائی تھم گئی۔

ابنِ شداد اس لڑائی کی کیفیت بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ بادشاہ بیماری کے

سبب ہتھیار پہن کر لڑائی کے میدان میں نہ اتر سکا تھا۔ لیکن وہ بار بار اپنے بیٹوں کو بلاتا اور انہیں لڑائی پر ترغیب دیتا اور یہ شعر پڑھتا رہا۔

اقتلونی و مالکا　　　　واقتلو مالکا معی

یہ کسی بڑے لڑاکے عرب سردار کا شعر تھا جو اپنے دشمن مالک سے اس درجہ تنگ تھا کہ اس کی آرزو تھی دشمن سے اس حد تک لڑے کہ خود بھی مر جائے اور دشمن کو بھی مار ڈالے یعنی دونوں ہی زندہ نہ رہیں۔

عکا کی اس لڑائی نے غیر معمولی طول کھینچا تھا اور سلطان کی سچ مچ کی یہ آرزو تھی کہ وہ دشمن سے اس حد تک لڑے کہ نہ دشمن ہی زندہ رہے اور نہ وہ، دونوں ہی ختم ہوتے ہیں تو ختم ہو جائیں۔

گو سلطان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی اور دشمن ہزاروں نعشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ کر پھر اپنی چھاؤنی میں جا گھسا اور باہر نکلنے کا نام نہ لیا۔ یوں بھی سردی بہت زور سے پڑنے لگی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں برف باری سے سفید ہو گئی تھیں۔

سردی کے اس عالم میں لڑائی جاری رکھنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے بادشاہ نے طے کیا کہ فوج کے عام سپاہیوں کو گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت دے دے۔ فوج کو منتشر کرنے سے پہلے اس نے گرمیِ محفل کے لئے ایک رات اپنی فوج کے بہادروں کی ایک جماعت کو دشمن سے لڑنے اور انہیں سردی کے عالم میں ہتھیار بجانے اور جسموں کو گرمانے کا موقعہ دیا۔ اس نے اس جماعت کو روانگی سے پہلے ہدایات دیں کہ ان میں سے غالب تعداد تو عکا کے شمال کی ایک چوٹی کے قریب چھپی رہے اور چند سوار آگے بڑھیں دشمن کی چھاؤنی میں گھس جائیں، دشمن کو گرمائیں، مشتعل کریں اور پھر ان کے سامنے سے اس طرح بھاگیں جیسے قوتِ مدافعت سے محروم ہو چکے ہوں۔

حسب ہدایات، بہادروں کی یہ جماعت رات کے وقت چھاؤنی سے نکلی اور

ابن شداد ۲۰۹ تا ۲۱۱
العاد الکاتب ۳۰۰ تا ۳۰۶

اور اس خاص چوٹی کے دامنوں میں جا چھپی، صبح کے وقت اس میں سے کچھ بہادر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دشمن کی چھاؤنی میں جا پہنچے، ان پر تیروں کی بارش کی اور ان کی غیرت و حمیت کو خوب جگا دیا۔ دشمن کے سپاہیوں کی ایک بڑی جماعت ان گستاخوں کو سزا دینے کے لئے خیموں سے نکلی۔ ان کی تعداد چونکہ بہت تھوڑی تھی۔ اس لئے دشمن سپاہی انہیں مارنا آسان سمجھے اور دوڑ دوڑ کر ان کی طرف آئے۔ یہ ان سے لڑتے، ہتھیار بجاتے پیچھے ہٹتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اس چوٹی کے قریب پہنچ گئے۔ جہاں ان کی ساتھی جماعت چھپی تھی۔ اس جماعت نے فوراً باہر نکل کر چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا۔ خوب زور کی لڑائی ہوئی مسلمانوں نے عیسائیوں کو بڑی بے دردی سے ذبح کیا۔ جو بھاگے انہیں گرفتار کر لیا اور ان کے گھوڑوں کو ہنکاتے بادشاہ کے پاس آ گئے۔ سلطان کے لئے یہ ایک تفریحی لڑائی تھی۔ وہ قیدیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے ان کو اپنے دسترخوان پر بٹھا کر اچھے اچھے کھانے کھلائے۔ سردی سے بچنے کے لئے فری اور گرم کھالیں عطا کیں۔ ان کے لئے خیمے نصب کرائے اور عزیز مہمانوں کی طرح انہیں ان خیموں میں ٹھہرا دیا۔

گو یہ بظاہر ایک معمولی قصہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس سے اس عظیم سلطان کی بزرگ شخصیت پر خوب روشنی پڑتی ہے۔ وہ اگر چاہتا تو دشمن کو زیادہ پریشان کرنے کے لئے ان پر شب خون مرواتا۔ مگر شب خون مروانا اس کے آئینِ اخلاق و جنگ کے منافی تھا۔ اس نے شب خون نہ مروایا۔ فوج کو دن کی روشنی میں دشمن پر چڑھا دیا اور گرمیِ محفل کے لئے اپنے بہادروں کو یہ دلچسپ شریفانہ کھیل شریفانہ انداز میں کھیلنے کا موقعہ دیا۔

اور پھر فوج کو سردی کی چھٹی دے دی۔ ابن شداد فرماتے ہیں:

سب سے پہلے جو سپہ سالار رخصت ہوئے وہ عماد الدین صاحب سنجار تھے۔ پھر سنجر شاہ روانہ ہوئے۔ پھر علاؤالدین صاحبِ موصل نے رخصت لی جو سپہ سالار

کچھ مہینے اور ٹھیرے اور محرم و صفر میں رخصت لی، وہ الملک الظاہر اور الملک المظفر تھے، سلطان کے ساتھ اب صرف اس کی مخصوص فوجیں اور الملک العادل اور چند اور سپہ سالار تھے۔

جب سمندر میں طوفان اٹھا اور دشمن کے جہاز کسی قدر غافل ہو گئے اور بری فوجیں خندقوں میں گھس گئیں تو سلطان نے عکا پر توجہ کی۔ اس نے عکا کی پہلی فوج عکا سے نکال لی۔ اس کی جگہ تازہ دم فوج کو اندر داخل کیا۔ غلے کے ذخیرے بھرے اور ضروری اسلحہ مہیا کیا۔ پہلی فوج اور امرائے لشکر زیادہ دنوں تک محصور رہنے کی وجہ سے تنگ دل ہو گئے تھے اور یہ ضروری تھا کہ بادشاہ ان کو کھلی فضا میں لے آئے۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ یہ لوگ جو عکا سے نکالے گئے۔ بڑے جہاندیدہ، معاملہ فہم اور صابر و ضابط تھے خصوصیت سے ان کے سپہ سالار، امیر حسام الدین تو محاصرہ کی مصیبتوں پر خوب قابو پانا جانتے تھے۔

بہر حال انتقال چونکہ ضروری تھا اور خود حسام الدین اور ان کے ساتھیوں کی یہ خواہش تھی۔ اس لیے سلطان نے اس کی تعمیل کی۔

اسلامی چھاؤنی میں کچھ اور تبدیلیاں بھی ہوئیں۔ الملک العادل اپنا لشکر حیفا لے آئے اور نہر کے کنارے آباد کیا۔ یہاں سے کشتیاں عکا کی طرف جاتیں اور وہاں سے یہاں آتیں۔ سامان کے ذخیرے بھی یہیں سے بار ہوتے ہوئی فوج عکا جانے کے لیے تیار کی گئی۔ وہ بھی یہیں سے بار ہوئی۔ شہر سے جو لوگ باہر نکالے گئے۔ وہ بھی یہیں لائے گئے۔ اس سے ایک مقصود اور بھی تھا کہ اگر دشمن اس انتقال میں مداخلت کرے یا سامان والی کشتیوں پر حملہ آور ہو، تو الملک العادل فوری طور پر اس کی تادیب کر سکیں۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ اس انتقال کے وقت، ایک بڑی بدشگونی ہوئی۔ مصر سے

غلّہ سے بھرا ہوا ایک بڑا جہاز جو عکا کے محصورین کے لئے ایک سال کی خوراک لے کر آرہا تھا، بینا کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ یہ بڑا صدمہ تھا۔ مسلمانوں کو اس پر بڑا دکھ ہوا۔ کیونکہ ان کے پاس غلّہ کے ذخائر اتنے نہ تھے کہ اگر عکا کا محاصرہ طول پکڑتا۔ تو وہ بھوک سے بچ جاتے۔ وقت بہت تھوڑا تھا۔ مصر یا کسی دوسری جگہ سے غلّہ کی مطلوبہ مقدار لائی نہ جا سکتی تھی۔

ان دو اہم واقعات کے علاوہ، ابن شداد کے بیان کی رو سے سردیوں کے اختتام پر ایک اور واقعہ پیش آیا۔ یہ ابنِ شداد کے نزدیک دوسری بدشگونی تھی۔ ہفتہ کی شب اور ذوالحجہ کی سات تاریخ تھی۔ جب شہر پناہ کا ایک بڑا ٹکڑا آپ ہی آپ سے اچانک ٹوٹ کر زمین پر آن گرا۔ گرمیوں میں دشمن نے اس شہر پناہ پر جو سنگ باری کی تھی بارش نے اس پر اضافہ کر کے شہر پناہ کے اس حصے کو غالباً بہت کمزور کر دیا تھا۔ یہ بھی اچھا موقعہ تھا کہ یہ ٹکڑا اس زمانہ میں ٹوٹ کر گرا۔ ورنہ اگر لڑائی کے دنوں میں یہ وقوعہ ہوا ہوتا تو بہت مشکل ہو جاتی۔ اب بھی دشمن نے جو شدتِ سرما گذار کر ہوش و حواس میں آرہا تھا۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ ابنِ شداد فرماتے ہیں۔ وہ اندھیری رات کو سیاہ پرچھائیوں کی طرح، ہر چہار طرف سے شہر پر ٹوٹ پڑا مگر بہادر مسلمانوں نے اس سوراخ کی اس طرح حفاظت کی کہ عیسائی ایک بار پھر یہ بات جان گئے۔ اسلام کی آگ جب روحوں کو گرما دیتی ہے تو اسے ٹھنڈا کرنا آسان نہیں ہوتا۔ مسلمانانِ عکا نے دشمن کے ہجوم کو، اپنی جانوں پر روکا وہ پروانوں کی طرح کٹ کٹ کر گرے مگر دشمن کو اندر آنے کی راہ نہ دی۔

ابن شداد ۱۱۳ العماد الکاتب ۳۱۶ تا آنکہ شہر کے معماروں نے اس سوراخ کو بھر دیا۔[1]

یہ بدشگونی کا قصہ کہنے کے بعد ابنِ شداد ایک خوشخبری بھی سناتے ہیں کہتے ہیں ۱۲ ذوالحجہ کو مسلمان ملاحوں نے چاندی سے بھرا ہوا ایک جہاز پکڑ لیا اور ساری چاندی نذر کے طور پر حضورِ شاہ میں پیش کی۔ مگر سلطان نے اس میں سے ایک حبہ بھی قبول

نہ کیا۔ ساری چاندی ان بہادر مجاہدین میں بانٹ دی جنہوں نے یہ بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔[1]

ذی الحجہ کی بائیسویں تاریخ تھی جب مسلمانوں کو ایک اور خوشخبری ملی۔ شاہ المان عکا کی خرابی موسم کا شکار رہا۔ اور موت کے دامن میں جا سویا جس دن وہ مرا، ساری عیسائی چھاؤنی شعلوں کی طرح جل اٹھی۔ ہر عیسائی خیمہ نے اس کے سوگ میں آگ جلا کر اپنے دلی رنج کا اظہار کیا تھا۔

شاہ المان کے علاوہ کونٹ بالیاط بھی اس دنیا سے رخصت ہوا۔ یہ بھی عیسائی فوج کا ایک بڑا آدمی تھا۔[1] (العماد الکاتب ۲۲۵)

لین پول نے بڑے لاٹ پادری کی موت پر بھی آنسو بہائے ہیں۔ بہر حال یہ سردیاں بڑی ہی المناکی میں گزریں۔ یہاں تک کہ عہد بہار کا آغاز ہوا

بادشاہ نے عہد بہار کے آغاز میں دشمن سے ایک اور لڑائی لڑنے کی تمہید ڈالی۔ اس نے ۹ ربیع الاول کو الملک العادل کو اپنے خاندان کے دوسرے افراد اور بڑے سرداروں کے ساتھ تل العیاضیہ بھیجا کہ کمین میں بیٹھ کر دشمن سے چھیڑ چھاڑ کرے۔ سواروں کا ایک منتخب گروہ، دشمن کی چھاؤنی پر پہنچا اور دشمن پر تیر برسائے۔ نیزے پھینکے مگر دشمن نے شاید بھنگ پی رکھی تھی کہ مسلمان سواروں کی یہ چھیڑ خانی اس کی غیرت کو جگا نہ سکی۔

۵۸۷ھ ہجری کا موسم بہار آیا تو مسلمان سپہ سالاروں کے دستے ایک ایک کر کے چھٹیاں گزار کر اسلامی چھاؤنی میں آنے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے آنے کا شرف علم الدین سلیمان بن جندر کے حصہ میں آیا۔ یہ الملک الظاہر کے بڑے امرا میں سے تھا۔ پھر مجد الدین بن عز الدین فرخ شاہ آئے۔ پھر باقی کی فوجیں ایک ایک کر کے آن پہنچیں۔

[1] العماد الکاتب ۲۳۵

ادھر موسمِ بہار عیسائیوں کے لئے بھی برکت کا موجب ہوا۔ شاہِ فرانس جو اپنی عظمت و بزرگی کے لحاظ سے اس دور کے شاہانِ یورپ میں بہت ممتاز تھا۔ اپنے لشکر کے ساتھ آن پہنچا۔ اس کا بحری بیڑہ جو چھ بڑے جہازوں پر مشتمل تھا۔ ۲۳ر ربیع الاول کو عکا کے ساحل پہ لنگر انداز ہوا[1]۔ (العماد الکاتب اور ابن اثیر نے اس کی آمد کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول بیان کی ہے)

العماد الکاتب کہتے ہیں کہ جب شاہِ فرانس کی سواری راہ میں تھی۔ عیسائی مخبر ہمیں اس کی آمد سے ڈراتے اور دھمکاتے تھے۔ مگر جب وہ ایک مختصر سی فوج کے ساتھ عکا آیا تو ہمیں بہت تعجب[2] ہوا۔

بہرحال فلپ شاہِ فرانس کی آمد نے عیسائی فوج میں جان ڈال دی۔ وہ اپنی خندقوں سے باہر نکل آئی۔ شہر پر منجنیقیں نصب ہوگئیں اور سنگ باری کا سلسلہ لامتناہی شروع ہوگیا۔

۱؎ ابن اثیر جز ۱۲ ص ۲۵

۲؎ العماد الکاتب ص ۲۴

رچرڈ میدانِ جنگ میں

رچرڈ کی آمد
عکا ختم ہُوا

رچرڈ کی آمد

یہی دن تھے۔ جب قبرص سے خبریں آنا شروع ہوئیں کہ رچرڈ شاہِ انگلستان جس کا نام العماد الدین الکاتب نے "لیجرت" لکھا ہے۔ قبرص پہنچ چکا ہے، اور اس وقت تک قبرص سے آگے بڑھنا نہیں چاہتا۔ جب تک قبرص پر قبضہ نہ کرلے جزیرہ قبرص، بیروت سے تھوڑے فاصلہ پہ بحیرۂ شام کا ایک بہت مشہور جزیرہ ہے۔

شاہِ انگلستان ایک بڑے بحری بیڑہ میں انگلستان سے چلا تھا۔ پچیس جنگی اور طوفانی جہاز جن میں کئی ہزار لڑاکے سپاہی موجود تھے۔ اس کی رکاب میں تھے۔ بڑی بڑی منجنیقیں اور دوسرے آلاتِ حرب بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس کی "عظمت" یہ گوارا نہ کرسکی کہ اس کی راہ میں پڑنے والا یہ چھوٹا سا جزیرہ فتح کے بغیر رہ جائے۔ لیکن وقت بہت تھوڑا تھا اور عکہ سے برابر پیامبر کشتیوں پر لدے اس کے پاس چلے آرہے تھے کہ عکا اس کے بغیر فتح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس بڑے انگریز بادشاہ نے جس کی کہانیاں ہر انگریز ماں اپنے بچے کو فخر سے سناتی ہے۔ صاحبِ جزیرۂ قبرص سے لڑائی روک دی اور مصالحت کا پیغام بھیجا۔ دونوں میں مصالحت ہوئی۔ غریب صاحبِ قبرص چھوٹا بادشاہ تھا۔ وہ اس بڑے بادشاہ سے ملنے کے لئے ساحل پر آیا۔ اس نے اس کے اعزاز میں دعوت کی۔ اسے بہت احترام کے ساتھ اپنے پہلو میں جگہ دی اور پھر اس پر قابو پاکر اسے گرفتار کرلیا اور قبرص کے

العماد الکاتب ص ۳۰۴

خزانے اور اس کی عوبرو ملکہ اپنے دامن میں بھر کر مقدس مذہبی لڑائی لڑنے کے لئے عکا کی طرف بڑھا۔

بیروت سے عکا کی راہ میں اُس نے واقعی ایک بڑا کارنامہ انجام دیا۔ مسلمانوں کا ایک بھاری جنگی جہاز جس میں چھ سو پچاس لڑاکے مسلمان سپاہی اور بہت سا اسلحہ اور دوسرا سامان بار تھا، گھیر لیا (العماد الدین نے سپاہیوں کی تعداد سات سو بیان کی ہے)، ابن شداد بہاء الدین نے اس جہاز کے گھرنے کی کیفیت وضاحت سے بیان نہیں کی۔ صرف اتنا کہا ہے کہ اس جہاز کو رچرڈ کی جنگی کشتیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اور جب مسلمان سپاہی ان پر لڑائی میں غلبہ نہ پا سکے تو انہوں نے اپنے اس جہاز میں چھید کر کے اسے غرق کر دیا اور خود بھی غرق ہو گئے[۱]۔

لین پول نے رچرڈ کے روزنامچہ سے اس واقعہ کی مفصّل اور دلچسپ روداد نقل کی ہے۔ ہم بھی اسے ذیل میں درج کر رہے ہیں تاکہ دوسرا رُخ بھی معلوم ہو سکے۔

روزنامچہ نویس کہتا ہے۔ شاہی جہاز سمندر کی چھاتی پر بل چلاتا۔ ارضِ ایلیا کی طرف بڑھ رہا تھا کہ صیدا سے اس طرف بیروت کے قریب بادشاہ کی نظر دور ایک جہاز پر پڑی۔ یہ جہاز صلاح الدین کے بڑے آزمودہ کار سپاہیوں سے بھرا تھا جو عکا والوں کی مدد کو جا رہے تھے۔ اس جہاز کے ملاحوں نے جب نصرانیوں کو اپنے قریب آتے دیکھا تو اپنے جہاز کو گھیرے سمندر میں لے گئے۔ رچرڈ نے اس جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنے ایک ملاح کو بلایا اور کشتی پر سوار کر کے حکم دیا کہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس جہاز کا پتہ چلائے کہ یہ کس کا ہے۔ یہ ملاح لوٹ کر آیا اور خبر دی کہ یہ جہاز بادشاہِ فرانس کا ہے۔ لیکن رچرڈ مطمئن نہیں ہوا۔ وہ اپنے جہاز کو اس جہاز کے قریب لے گیا اور کان لگا کر اس جہاز سے بلند ہونے والی آوازیں سنیں۔ کوئی فرانسیسی آواز اس کے کانوں میں نہ پڑی اور نہ کوئی اور علامت ہی ایسی نظر آئی جس سے معلوم ہو سکتا کہ یہ جہاز فرانسیسیوں کا ہے۔ رچرڈ اپنے

[۱] العماد الدین ۳۴۳، ابن شداد ۱۲۱

جہاز کو اس سے اور قریب لے گیا۔ جہاز پر تین بہت اونچے مستول تھے۔ جہاز کے کنارے بہت صاف اور چمکیلے تھے۔ اس پر کہیں زرد اور کہیں سبز رنگ کی کھالیں چڑھی تھیں۔ رچرڈ نے ایک جنگی کشتی کو حکم دیا۔ اس کی طرف تیز تیز بڑھے۔ کشتی ادھر گئی تو جہاز والوں نے اس پر تیروں کی بارش کی۔ کشتی نے بھی جوابی تیر اندازی کی۔ لیکن مسلمانوں کی کشتی سے اس زور کی تیر اندازی ہوئی کہ عیسائی کشتی پیچھے رہ گئی اور رچرڈ کے احکام کا انتظار کرنے لگی۔ رچرڈ کو معلوم ہوا تو اس نے انہیں خوب سخت سست کہا اور ایک لمبی تقریر کی۔

(لین پول نے یہ تقریر درج کی ہے)

بادشاہ کی تقریر سے متاثر ہو کر ہماری کشتی کے سپاہی جوش میں آگئے اور مسلمانوں کے جہاز کے قریب پہنچ کر اس کے مستولوں کو ایک طرف سے جھکا کر اس پر چڑھنے لگے۔ مسلمانوں نے ان سپاہیوں کی خبر لی۔ کسی کا بازو کاٹا، کسی کا ہاتھ اور کسی کا سر اور ان کی نعشیں سمندر میں پھینک دیں۔ یہ دیکھ کر نصرانیوں کا غصہ بڑھا۔ وہ زیادہ جوش کے ساتھ جہاز پر کود پڑے اور خوب قتل عام کیا۔ مسلمانوں نے بھی سخت مقابلہ کیا۔ یہ بہت بڑے پلٹے کے لڑنے والے تھے۔ انہوں نے عیسائی سپاہیوں کو بہت سخت حملہ کر کے پیچھے ہٹا دیا اور انہیں اپنے جہاز سے پرے پھینک دیا۔ عیسائی ملاح ناکام ہو کر اپنی کشتیوں میں آن لیے اور اس جہاز کے گرد اگرد گھیرا ڈال لیا۔ رچرڈ نے صورت حال سمجھ کر کہ اس جہاز پر قابو پانا آسان نہیں ہے اپنی کشتیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے نوکیلے کناروں سے جہاز میں سوراخ کر دیں۔ کشتیاں آگے بڑھیں اور انہوں نے جہاز میں سوراخ کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔"

ہم اس کی تردید پر قادر نہیں ہیں اس لئے کہ جس شخص نے یہ روئداد لکھی۔ وہ رچرڈ کی کشتی پر سوار تھا۔ اس کے برعکس جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا۔ ابن شداد اور العماد الکاتب فرماتے ہیں کہ مسلمان ملاحوں نے اپنے اس جہاز میں آپ چھید کئے تھے اور خود سمندر میں کود گئے تھے۔ بہر نوع رستہ میں رچرڈ نے یہ ایک بڑا کارنامہ انجام دیا اور لین پول کے بیان کی رو سے مسلمانوں کو ایک ایسے جہاز سے محروم کر دیا جو اگر عکا پہنچ جاتا تو عکا کی فتح ناممکن ہو جاتی۔

عکا ختم ہوا

ادھر جب رچرڈ ابھی رستہ ہی میں تھا۔ عکا کی لڑائی ایک فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو گئی تھی۔ العماد الکاتب اور ابن شداد کے بیان کی رو سے یہ جمادی الاولیٰ کی ۹ تاریخ تھی جب افرنگیوں نے اپنی منجنیقیں شہر پر چڑھا دیں اور ہر چہار طرف سے شہر پر حملہ کرنے لگے انہوں نے محاصرہ کا حلقہ بہت تنگ کر لیا۔ اتنا کہ ان کی چھاؤنی بالکل شہر پناہ سے لگ گئی

العماد الکاتب نے اس نئی صورتِ حال کا آغاز ۴ جمادی الاولیٰ کو کرایا ہے

دشمن لحظہ بہ لحظہ اپنا حلقہ تنگ کرتا رہا اور اپنی سات منجنیقوں کو قریب سے قریب تر لاتا رہا۔

ابن شداد فرماتے ہیں۔ جب سلطان کو اس کا علم ہوا تو وہ اپنی فوج کے ساتھ دشمن کی طرف بڑھا۔ اس نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا کئی محاذوں پر لڑائی چھیڑ دی اور انتہائے جوش میں ان کی خندقوں تک جا پہنچا اور وہاں ان سے لڑائی کی ابھی دوپہر نہ ہوئی تھی کہ دشمن شہر سے ہٹ آیا اور اپنی چھاؤنی میں پناہ لی۔ سلطان نے بھی فوج کو لوٹنے کی اجازت دی۔ خود بھی اپنے خیمہ میں آن کر کچھ دیر آرام کیا۔ نماز پڑھی۔ ابھی اس نے نماز سے فراغت پائی ہی تھی کہ خبر آئی۔ دشمن پھر میدان میں آن پہنچا ہے اور اس نے شہر کا رخ کر لیا ہے سلطان نے حکم دیا کہ شاہی "عقب" آگے بڑھے اور دشمن کی سرکوبی کا کام انجام دے۔ دشمن نے پھر تھوڑی سی مار کھائی اور اپنی خندقوں میں جا گھسا۔ وہ رات دونوں فوجوں نے اپنی اپنی جگہ بسر کی۔ دوسری صبح ہوئی اور پھر تیسری۔ مگر لڑائی کا یہی عالم رہا۔ عیسائیوں کی ایک فوج شہر کو

گھیرے رہتی اور دوسری خندقوں پر کھڑی سلطان کا مقابلہ کرتی۔ سلطان خندقوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرتا۔ تاکہ دشمن شہر کے محاصرہ میں یکجہتی نہ برت سکے۔ مگر اس کے باوجود ابن شداد فرماتے ہیں۔ شہر پر جو مصیبت ان دنوں آئی کبھی نہ آئی تھی۔ پتھر اور آگ ہر چہار طرف سے اڑ اڑ کر اس کے مکانوں پر گرتے۔

ابن شداد

کئی دن تک یہی کیفیت رہی۔ یہاں تک کہ رچرڈ آن پہنچا۔ اس کا بحری بیڑہ جب عکا کے ساحل پر لنگر انداز ہوا تو ہر طرف ڈھول بجنے لگے۔ نفیریوں کے مسرت بھرے نغموں نے ساری فضا بھر دی۔ عیسائی سپاہ کے لئے یہ عید کا دن تھا۔ ان میں سے ہر ایک خوشی و مسرت سے جھوم اٹھا۔ پوری سپاہ اس وقت ساحل پر دو رویہ آن کھڑی ہوئی تھی۔ جب رچرڈ جہاز سے اترا۔ شاہ فرانس اور دوسرے بڑے زعماء نے آگے بڑھ کر اسے جہاز سے اتارا اور پورے احترام کے ساتھ چھاؤنی میں لائے۔ رات بھر عیسائی چھاؤنی میں خوب چراغاں ہوا۔

ابن شداد اور العماد الکاتب فرماتے ہیں کہ عیسائی چھاؤنی میں اس رات جو چراغاں ہوا اور جس کثرت سے آگ جلی۔ اس سے ان آنے والوں کی کثرتِ تعداد کا پتہ چلتا تھا۔

ابن شداد ۱۲۱ العماد الکاتب ۳۲۵

گو رچرڈ کے آنے کے دوسرے دن لڑائی نے بڑی شدت اختیار کر لی تھی لیکن رچرڈ اور سلطان کی افواج میں اصل مقابلہ ۱۹ تاریخ سے شروع ہوا۔

دشمن نے اس دن شہر پر بہت سختی سے حملہ کیا۔ منجنیقیں پہلے سے زیادہ سرگرمی سے پتھر برسانے لگیں۔ نو وارد انگریز نائٹوں کو بہادری کے مظاہرے کرنے کا شوق بھی شہر پناہ سے قریب لے آیا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ہو کر قوی ہیکل گھوڑوں کی پیٹھوں پر لدے شہر پناہ کے سامنے آن پہنچے۔ یہ لازمی بات تھی کہ نو وارد نائٹوں کا جوش لڑائی کی آگ بھڑکا دیتا۔ لڑائی بھڑکی تو شہر کے لوگ دروازے کھول کر باہر آئے اور ان

نو وارد مہمانوں کی خاطر تواضع کی۔

ابن شداد فرماتے ہیں۔ ہم میں اور شہر والوں میں طے ہوا تھا کہ جب دشمن ان کو زیادہ تنگ کرے یا ان پر حملہ آور ہو۔ تو وہ ڈھول پیٹیں۔ جواب میں ہماری طرف سے بھی ڈھول بجتے اور پھر ہم دشمن کے عقب پر حملہ آور ہو جاتے۔ اس دن جب ان کے ڈھول بجے تو سلطانی ڈھول بھی بج اُٹھے اور سلطان اپنی فوج لے کر دشمن کے عقب پر آن موجود ہُوا۔ یہ رچرڈ اور سلطان صلاح الدین میں پہلا مقابلہ تھا اور یہ مقابلہ صبح سے لے کر عین دوپہر تک ہُوا۔ یہ جون کے بہت گرم دن تھے۔ گرمی بہت سخت پڑ رہی تھی۔ لڑائی کی شدت اور قتل و خونریزی نے گرمی اور بڑھا دی۔ دوپہر کے وقت دونوں فوجیں لڑتے لڑتے قریب قریب بیہوش ہو کر اپنی اپنی چھاؤنی کو پلٹیں۔ ابن شداد ۱۲۲

متواتر چار دن تک رچرڈ کے جوانمرد اس دن کی تھکاوٹ دور کرتے رہے۔ وہ ۲۳ جمادی الاول کو پھر میدانِ جنگ میں اترے۔ شہر کے لوگوں نے ڈھول پیٹے، ادھر سے سلطان نے بھی جواب دیا اور فوج مرتب کر کے دشمن کے عقب پر جا نازل ہُوا۔ اس دن کی لڑائی پہلی سے زیادہ سخت تھی۔ سلطانی فوج دشمن کی چھاؤنی میں جا گھسی تھی۔ اور سپاہیوں کے خیموں سے بہت سا سامان لوٹ لیا تھا۔ مسلمانوں کی اس حرکت نے دشمن کے سواروں اور جوانمردوں کی غیرت کو خوب جگایا اور وہ ہتھیار باندھ کر میدان میں اترے۔ یہ لڑائی پہلے دن کی لڑائی سے بھی زیادہ سخت تھی۔ دونوں طرف کے بہادر خوب جم کر لڑے۔ ابن شداد کہتے ہیں کہ جب رچرڈ اور شاہ فرانس نے مسلمانوں کے تہور اور ثابت قدمی کا یہ عالم دیکھا تو پہلی بار سفارت بھیجی۔ یہ سفارت اس حملہ کے دوران الملک العادل کے حضور باریاب ہوئی۔ الملک العادل اس سفارت کے ساتھ سلطان کے پاس آیا۔ سفارت اپنے ساتھ رچرڈ کا ایک خط لائی تھی جس میں درخواست کی گئی تھی کہ سلطان کوئی ایسا موقعہ نکالیں کہ دونوں فریق یکجا ہوں اور ایک دوسرے سے

تبادلہ خیال کریں۔

ابن شداد اس مضمون کو ان الفاظ میں ادا کرتا ہے:

فادی الرسالہ وکان حاصلها، ان ملک الانکتار يطلب الاجتماع بالسلطان فلما سمع السلطان الرسالہ اجاب عنها فی الحال من غير تفكر وقال ان الملوك لا يجتمعون الا عن قاعدة ولا يحسن منهم الحرب بعد الاجتماع والمواكلة واذا اراد ذالك فلا بد من تقرير قاعدة قبل هذه الحالة ولا بد من ترجمان نثق به فی الوسط يفهم كل واحد منا ما يقول الاخر فليكن بيننا ذالك الترجمان فاذا استقرت القاعدة وقع الاجتماع بعد ذالك

ابن شداد ۱۲۳ انشاء الله تعالی

"پس خط بادشاہ کے حوالے کیا۔ اس کا ماحصل مضمون یہ تھا کہ انگریزوں کے بادشاہ کی خواہش ہے کہ بادشاہ سے مل کر اس سے بات چیت کرے۔ سلطان نے جب یہ مضمون سنا تو اسی وقت بغیر کسی تفکر کے جواب دیا کہ بادشاہ کسی قرارداد کے بغیر ایک ساتھ مل کر نہیں بیٹھا کرتے اور ایک ساتھ ملنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے بعد انہیں لڑائی زیب نہیں دیتی۔ اس لیے اگر بادشاہ کا یہ ارادہ ہے تو اسے چاہیے اس ملاقات سے پہلے کوئی قرارداد مرتب کرلے یہ ضروری ہے کہ کوئی ترجمان دونوں کے مابین ترجمان کے فرائض انجام دے۔ ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا مفہوم سمجھائے۔ پہلے یہ گفتگو ترجمان کے ذریعے ہو، جب طرفین کسی چیز کو طے کرلیں اور کوئی قرارداد مرتب ہوجا

تو پھر باہمی ملاقات بھی خدا کو منظور ہوا تو ہو جائے گی۔

ابنِ شداد فرماتے ہیں۔ اس خط کے خشک مضمون کے باوجود رچرڈ کی طرف سے کئی اور سفارتیں آئیں۔ کئی اور نامہ بر رچرڈ کے خط سلطان کے نام لائے۔ پہلے یہ سفارتیں الملک العادل کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔ بعد میں سلطان کے حضور باریابی پاتیں۔ کئی پیغامبروں کے آنے جانے کے بعد یہ طے پایا گیا کہ پہلے الملک العادل اور رچرڈ امج کے مقام پر ایک دوسرے سے ملیں۔ اس وقت دونوں طرف کی فوجیں حاضر رہیں۔ دو ترجمان ان کے مابین گفتگو کا واسطہ بنے۔ جب رچرڈ کا پیغامبر اس قرارداد کے بعد رچرڈ کے پاس لوٹ کر آیا تو رچرڈ بیمار تھا۔ غالباً اس کی بیماری خطرناک صورت اختیار کر چکی تھی۔[1] ابن شداد ۱۲۵

کئی دن تک رچرڈ کی طرف سے کوئی پیغامبر اسلامی چھاؤنی میں نہ پہنچا

ابن شداد نے ایک اور خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ جب اس گفت و شنید کا علم دوسرے عیسائی بادشاہوں کو ہوا تو وہ رچرڈ کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے اس کی اس حرکت کو برا جانا اور اسے دینِ نصرانیہ کے لیے خطرناک سمجھا۔[2] ابن شداد ۱۲۵

یہ چونکہ امر واقعہ تھا۔ اسی لیے رچرڈ کو ایک اور سفیر بھیج کر صفائی کرنی پڑی۔ اس کی طرف سے الملک العادل کو اس بار جو پیغام آیا وہ یہ تھا۔

لا تظن تاخری بسبب ما قیل فان زمام قیادی مفوض الی وانا احکم ولا یحکم علی غیر انی فی ہذہ الایام عترت مزاجی الشتیات منعنی من الحرکۃ

"آپ یہ خیال نہ کریں کہ اس تاخر کا سبب وہ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر ہے۔ اس لئے کہ میں اپنی قیادت آپ کرتا ہوں۔ یہاں سب پر میرا حکم چلتا ہے۔ مجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ البتہ اس زمانہ میں، میری بیماری نے جو مجھ پر غالب آگئی

تھی۔ مجھے ہلنے جلنے سے روکے رکھا۔ اسی لیے اس کام میں تاخیر ہوئی۔ اس کے سوا کوئی اور سبب مانع نہیں ہوا"۔

جو پیغامبر یہ پیغام لے کر آیا تھا۔ اس نے الملک العادل سے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ ہمارا بادشاہ چاہتا ہے کہ ہم سلطان کو کوئی تحفہ بھیجیں۔ الملک العادل نے تحفہ قبول کرنے پر اس شرط سے رضامندی ظاہر کی کہ جواب میں ان کی طرف سے بھی تحائف قبول کئے جائیں۔ سفیر چونکہ ایک خاص مقصد سے آیا تھا۔ اس لیے اس نے الملک العادل سے کہا: "ہمیں اگر آپ تحائف دینا چاہتے ہیں تو پرندوں اور مرغیوں کی صورت میں دیں۔ تاکہ ہم اپنے بادشاہ کو جو سمندر کا سفر طے کر کے یہاں آیا ہے۔ یہ پرندے کھلا سکیں!

ابن شداد فرماتے ہیں۔ الملک العادل نے اس سفیر کا مقصود سمجھ لیا اور جان لیا کہ اس بہانہ سے ہم سے یہ چیزیں لینا چاہتا ہے۔

بہرنوع یہ گفت وشنید بے حاصل رہی اور دونوں میں سے کوئی فریق بھی ایک دوسرے کے قریب نہ آسکا بجز اس کے دونوں نے ایک دوسرے کی قوت وطاقت اور خیالات واحساسات کا علم حاصل کر لیا۔

ابن شداد نے وضاحت فرمائی ہے کہ اس گفت وشنید سے رچرڈ کا مقصود بھی یہی تھا اور ہم نے بھی یہ سلسلہ اسی لئے جاری رکھا۔[۵]

ابن شداد[۵]

۶ ؍جمادی الآخر کو یہ سلسلۂ گفتگو قطعاً منقطع ہو گیا اور دشمن نے شہر کے محاصرہ میں انتہائی جدوجہد شروع کر دی۔ عکہ کے محاصرہ کا یہ آخری دور تھا جو ۷ جمادی الآخریٰ کو شروع ہوا۔ دشمن اپنی تمام منجنیقیں شہر کے قریب لے آیا تھا۔ اس کی فوج کے غالب حصہ نے شہر کو گھیرے میں لے رکھا تھا شہر پر پتھروں، تیروں اور آگ کی بارش انتہائی شدت اختیار کر گئی تھی۔ پتھروں کی متواتر بارش سے شہر پناہ کی بنیادیں ہلتی جا رہی تھیں شہر پناہ میں کئی جگہ چھید ہو گئے تھے۔ شہر والے گو بڑی بہادری سے مدافعت کر رہے تھے۔

مگر ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی اور محاصرہ کرنے والی فوج تین لاکھ سے متجاوز تھی۔ بیچارے عکا والے دن رات جاگتے۔ وہ اپنی کمزور اور ٹوٹی ہوئی شہرپناہ کے آگے کھڑے ہو کر بہادرانہ لڑتے تاکہ دشمن شہرپناہ کے کمزور اور شکستہ حصوں کو دیکھ نہ سکیں۔ مگر ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی اور دشمن نے ان کی کمزوریوں سے اطلاع پاکر حملے میں اور سختی کی اور فوج کو کئی گروہوں میں بانٹ کر، ہر آن تازہ دم سپاہی موقعہ پرلے آیا۔

ابن شداد فرماتے ہیں جب سلطان کو شہر والوں کی اس پریشانی کی خبر ہوئی۔ تو وہ خود بھی سوار ہوا، فوج کو آگے بڑھایا اور دشمن کی چھاؤنی پر حملہ کر کے قتالِ عظیم کیا۔ اس دن وہ بہت پریشان ہوا۔ وہ اس عورت کی مانند تھا جس کا بچہ اس سے چھن گیا ہو۔ وہ کبھی ایک صف کی طرف بڑھتا کبھی دوسری کی طرف۔ وہ سپاہیوں کو اسلام کا نام لے کر لڑنے پر اکساتا۔ اس وقت جب وہ سپاہیوں کو جہاد پر اکساتا۔ اس کی آنکھیں آنسو ٹپکا رہی تھیں۔ جوں جوں وہ عکا شہر کی طرف دیکھتا، اس کے حملے شدت اختیار کرتے جاتے۔

اُس دن اُس نے کوئی چیز نہیں کھائی۔ وہ کتنی رات گئے تک میدانِ جنگ میں رہا۔ جب دوسری صبح ہوئی یعنی ۸ جمادی الآخر کا سورج طلوع ہوا تو سلطان پھر میدانِ جنگ میں آن پہنچا۔ دونوں طرف کی فوجیں پھر کل کی طرح ایک دوسرے سے گتھ گئیں۔ اس دن اسلامی فوج نے بڑے زور کا حملہ کیا تھا۔ مگر دشمن کی پیادہ فوج نے جس کی تعداد بے انتہا تھی۔ اس حملہ کو پورے تحمل اور بردباری سے روکا اور اس کے سوار اور تیر انداز عکا کی شہرپناہ کے قریب جمے رہے۔ ان میں سے کئی جوانمرد شہرپناہ پر چڑھ گئے، اسی دن شہر والوں کی طرف سے پیام آیا کہ ان کی قوتِ مدافعت جواب دے گئی ہے اور وہ جانوں کی امان ملنے پر ہتھیار ڈالنے کی سوچ رہے ہیں۔ سلطان کے لئے یہ بڑی مایوسی کی خبر تھی۔ اس نے مایوسی میں دیوانہ وار دشمن پر حملہ کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ دشمن

گو بُری طرح کٹ رہا تھا مگر اس کی پیادہ فوج سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اپنی جگہ پر جمی تھی۔ اور اسلامی سپاہ اور اس سپاہ میں بڑی مضبوطی سے حائل رہی جو عکا کی مدافعت کو آخری شکست دے رہی تھی۔

اسی عالم میں ۹ جمادی الآخر کی رات آگئی اور دونوں فوجیں ایک دوسری سے لڑتی اپنی اپنی چھاؤنی میں رک گئیں۔

اس رات سیف الدین مشطوب، شاہِ فرانس کی خدمت میں باریاب ہوا اور اس سے جانوں کی امان پانے کے عوض شہر سپرد کر دینے کی پیشکش کی۔

اس نے شاہِ فرانس سے کہا۔ ہم نے جب بھی تمہارے شہروں پر فتح پائی۔ تمہارے لوگوں کو ہمیشہ امان دی اور انہیں آپ اُن کے مامنوں میں پہنچایا۔ تم بھی ہمیں جان کی امان دو۔ مگر اس نے اس کی یہ درخواست بڑے غرور سے رد کر دی۔ اس نے کہا تم ہمارے غلام ہو۔ ابنِ شداد ۱۲۹

اس قسم کی کچھ گستاخانہ باتیں شاہِ فرانس نے اور کیں۔ جن سے سیف الدین المشطوب کی غیرت جاگ اٹھی اور وہ مایوس ہو کر شہر لوٹ گیا۔

دوسری صبح لڑائی پھر شروع ہو گئی۔ لڑائی کا یہ عالم گیارہ تاریخ تک رہا۔ اس اثنا میں رچرڈ کے سفیر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ انہوں نے رچرڈ کے لئے پھل، برف اور کئی اور چیزیں طلب کیں جو انہیں دے دی گئیں۔

گیارہ تاریخ کو تین لاکھ عیسائی سپاہ پوری یکجہتی کے ساتھ میدان میں اتری۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑنے کے لئے آئی ہے۔ مگر اس دن لڑائی نہیں ہوئی۔ ان کے چالیس آدمی جھنڈیاں ہلاتے آگے آئے اور سلطان کے حضور پیغام بھیجا۔ کہ صیدا کا بادشاہ سلطان سے ملنا چاہتا ہے۔ مگر سلطان اس سے نہیں ملا۔ الملک العادل نے اس سے بات چیت کی۔ یہ بات چیت ناکام رہی اور طرفین عکا کے متعلق کسی نتیجہ پر

نہ پہنچ سکے۔

۱۲ تاریخ کو شہر والوں کی طرف سے بادشاہ کو پیغام ملا کہ وہ کسی حال میں بھی شہر کو دشمن کے حوالے نہیں کریں گے۔ آخر دم تک لڑیں گے اور اپنا آخری قطرہ خون بہا دیں گے آپ اپنی طرف سے دشمن سے اچھی طرح نپٹ لیں اور ہمارا غم نہ کریں۔ اس کے بعد سے لے کر ۱۶ رجمادی الآخر تک طرفین ایک دوسرے سے لڑتے بھی رہے اور مصالحت کی بات بھی چلتی رہی۔ دشمن بضد تھا کہ عکا کے لوگوں کو محض اس شرط پہ امان دی جائے گی

ابن شداد ۱۳۰
العماد الکاتب ۳

(۱) سلطان تمام ساحلی شہر عیسائیوں کے سپرد کر دے

(۲) مسلمانوں کے پاس اب تک جتنے عیسائی قیدی ہیں۔ وہ سب رہا کر دیئے جائیں۔

(۳) صلیب مقدس انہیں واپس دی جائے۔

۱۷ تاریخ تک شہر کے لوگ اپنے موقف پر جمے رہے۔ انہوں نے یہ شرائط نہیں مانے۔ لیکن ایک دن اچانک خبر آئی۔ عکا کے محصور مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے اور ان کے مابین حسب ذیل شرائط طے ہوئے ہیں

(۱) شہر والے اپنے تمام اسلحہ، دوسرے ذخائر اور مال و متاع دشمن کے سپرد کر دیں گے۔

(۲) دو لاکھ دینار نقد ادا کریں گے۔

(۳) پندرہ سو عیسائی قیدیوں کو رہائی دیں گے۔

(۴) اس کے بدلہ میں مسلمان محصورین کی جانیں محفوظ رہیں گی اور وہ اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ شہر سے رخصت ہو جائیں گے۔

عکا کے مسلمانوں نے اس معاہدہ کے وقت مرکیس کو جو ان کے اور فرنگیوں کے درمیان واسطہ تھا۔ دس ہزار دینار نذر کئے تھے۔

ابن شداد ۱۳۱
العماد الکاتب
۳۵۵-۳۵۵
ابن خلدون جز خامس
۳۲۵
ابن اثیر جز ۱۲

مگر جب سلطان کو اس قرارداد کا علم ہوا۔ اس نے اسے قطعاً رد کر دیا۔ اس کے لئے یہ خبر بڑی وحشت ناک تھی۔ اس دن اس کی پریشانی کی انتہا نہ تھی۔ اس نے مجلس مشاورت منعقد کی اور تمام امرائے فوج سے اس صورتِ حال پر استفسار کیا مگر ابھی یہ مشورت جاری تھی کہ عکا کی شہرپناہ سے بے پناہ شور اٹھا۔ خوشی ومسرت کے نعرے بلند ہونے لگے۔ آگ جلنے لگی اور صلیبی علم اس کے میناروں پر لہرانے لگے۔

یہ دوپہر کا وقت تھا۔ مجلسِ مشاورت بڑے رنج واندوہ کے ساتھ ختم ہوئی اور عکا کی اس جنگ نے جس نے دنیائے اسلام وعیسائیت میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی ایک عجیب رُخ اختیار کر لیا۔ جب عکا کے میناروں پر صلیبی جھنڈے لہرائے گئے تو کئی مسلمان غم کے مارے غش کھا گئے اور ساری اسلامی فوج انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے لگی۔

ابنِ شداد اس دردناک کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ مرکیس سب سے پہلے شہر میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ کئی علَم تھے۔ ان میں سے ایک علَم اس نے جامع مسجد کے مینار پر نصب کیا، دوسرا قلعہ پر، اور تیسرا برج القتال پر، اس برج پر پہلے اسلامی علم لہرا رہا تھا۔ اس کی جگہ صلیبی علم نے لی۔ یہ بات مسلمانوں پر بہت ہی ناگوار گزری! ابن شداد ۱۳۲

ابنِ شداد اس وقت سلطان کی خدمت میں حاضر تھے۔ جب عکا پر یہ بیت رہی تھی۔ سلطان کا چہرہ انتہائی غمگین اور داڑھی اُلجھی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود اس کا جی چاہا۔ دشمن پر ٹوٹ پڑے مگر دشمن نے اپنی چھاؤنی کو خندقوں میں محصور کر رکھا تھا اور اس پر دفعتہً حملہ مفید نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے سلطان نے اپنی فوج کو کسی قدر ہٹا لیا اور شفر عمر پر ڈیرے ڈال دیئے تاکہ دشمن کو یہ غلط فہمی ہو کہ سلطان مرعوب ہو کر پیچھے ہٹا ہے اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اپنی خندقوں سے آگے بڑھے اور اس پر حملہ آور ہو لیکن اس وقت دشمن کو سلطان سے میدانِ جنگ میں اتر کر الجھنا منظور نہ تھا

۹؍ تاریخ تک سلطان اپنی فوج کے ساتھ دشمن کی آمد کا منتظر رہا۔ لیکن جب دشمن نہیں آیا تو وہ اپنی چھاؤنی میں منتقل ہو گیا۔

جمادی الآخر کی آخری تاریخ تھی۔ جب دشمن پورے طور پر مسلح ہو کر اپنی چھاؤنی سے نکلا اور اسلامی فوج کے عقب کی طرف بڑھا۔ ہر طرف لڑائی کے ڈھول بجنے لگے اس دن دونوں فوجوں نے خوب ارمان نکالے۔ سلطانی عقب اور دشمن میں بڑے زور کا مقابلہ ہوا اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔

العماد الکاتب کا بیان ہے۔ اس دن دو مقابلے ہوئے۔ پہلے مقابلہ میں دشمن نے جلد ہزیمت اٹھائی۔ لیکن دوسری لڑائی بڑی سخت تھی۔ اس میں مسلمان ہزیمت کھانے کو تھے۔ پھر ان کے پاؤں جم گئے اور انہوں نے دشمن پر اس زور کا حملہ کیا۔ کہ اسے اس کی خندقوں کو دھکیل لے گئے۔ العماد الکاتب ۳۱۰ ابن شداد ۱۳۲

العماد کے الفاظ ہیں:

انتصف الاسلام من الکفر فی ذالک الیوم بعض الانتصاف۔[۲] العماد الکاتب ۳۷۰

اسلام نے کفر سے اس دن خوب بدلہ لیا۔

عکا کی فتح کے بعد، عکا کے نواح میں اس سے بڑی لڑائی کوئی اور لڑی نہیں گئی۔

عجیب بات ہے کہ ادھر لڑائی کی یہ کیفیت تھی۔ ادھر طرفین میں نامہ و پیام بھی جاری تھا۔ خیال ہوتا ہے کہ یہ لڑائیاں ایک طرح کی آزمائش تھی۔ طرفین ایک دوسرے کی قوت کا اندازہ کر رہے تھے۔ اس لڑائی کے فوراً بعد دشمن نے ایک پوری سفارت بھیجی۔ جو عکا کے شرائطِ معاہدہ کی تکمیل کرنے آئی تھی۔

طرفین میں شرائطِ معاہدہ پر گفتگو ہوئی اور ابن شداد کے بیان کی رو سے ۹؍ رجب

تک سفیر آتے جاتے رہے۔ ۹ رجب کو، حسام الدین ابن باربک، دو عیسائی نمائندوں کے ساتھ اسلامی چھاؤنی میں پہنچا۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہ فرانسس صور چلے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے عیسائی قیدیوں اور صلیب اعظم کا مشاہدہ کرنے کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ انہیں شک تھا کہ معاہدہ کی رو سے جس صلیب کی سپردگی کا افت۔ار سلطان کی طرف سے کیا گیا ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ بغداد بھیج دی گئی ہے۔ سلطان نے ان لوگوں کا شک دور کرنے کے لئے انہیں صلیب مقدس دکھائی۔ جب صلیب ان کے سامنے لائی گئی تو انہوں نے اس کی بہت تعظیم کی۔ اس کے سامنے زمین پر گر پڑے اپنے چہرے مٹی میں ملے اور بہت روئے۔

ان ہی سفیروں نے سلطان کو عیسائی بادشاہوں کے اس فیصلہ سے بھی آگاہ کیا کہ یہ بات منظور کر لی گئی ہے کہ سلطان، معاہدہ کی شرائط کی تکمیل تین مہینوں میں کرے اور ہر مہینہ میں ایک قسط ادا ہو۔

پہلی قسط میں صلیب اعظم چھ سو قیدی اور ایک لاکھ دینار طے ہوئے۔ یہ تینوں چیزیں جب مہیا ہو گئیں تو سلطان نے اطلاع بھیجی کہ پہلی قسط کا سامان لے جاؤ۔ اس اطلاع کے جواب میں عیسائی نمائندے آئے۔ انہوں نے سامان دیکھا اور دیناروں کا وزن کیا

عیسائی نمائندوں کا مطالبہ تھا سلطان کی طرف سے یہ ساری چیزیں انہیں دے دی جائیں۔ اس کے بدلہ میں وہ عکا کے مسلمان قیدیوں کی ایک جماعت سلطان کے پاس پہنچا دیں گے۔ مگر سلطان، چونکہ اس قوم کے مزاج سے آگاہ تھا۔ اس لئے اس نے ان کے اس وعدے پر بھروسہ نہیں کیا اور ان سے ضمانت مانگی۔ وہ ضمانت دینے پر تیار نہ ہوئے اور بات بیچ میں اٹک گئی۔

ابن شداد کا خیال ہے کہ عیسائیوں نے سلطان کی اس احتیاط کو پس وپیش سے

تعبیر کیا۔ اور رچرڈ نے جب یہ دیکھا کہ سلطان نہ قیدی ہمارے سپرد کرتا ہے۔ نہ مال دیتا ہے اور نہ صلیب تو اُس نے عکا کے مسلمانوں کے ساتھ غداری کی۔ ان مسلمانوں نے جب عکا اس کے حوالے کیا تھا تو رچرڈ نے ان کو امان دی تھی طے یہ ہوا تھا کہ اگر سلطان ان کے عوض دو لاکھ دینار اور پندرہ سو قیدی رچرڈ کو دے دے گا تو رچرڈ ان مسلمانوں کو ان کے اموال و اولاد اور اہل کے ساتھ سلطان کے پاس جانے دے گا۔ ورنہ غلام بنا لے گا۔ مگر اس نے ان بدنصیبوں کو محض اس بات کی سزا دی کہ انہوں نے عزت کی موت مرنے کی بجائے اس پر بھروسہ کیا تھا۔ اور سمجھے تھے کہ یہ بھی ان کے سلطان کی طرح وعدہ ایفا کرنے اور شرافت کا چلن چلنے والا ہو گا۔

ابنِ شداد کہتے ہیں ان مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان تین ہزار مسلمانوں کو رسیوں میں باندھ کر دشمن، ستائیس رجب کو عصر کے وقت پورے فوجی تواعد ابن شداد ۱۳۴
کے ساتھ تل کیسان و عیاضیہ کے درمیانی میدان میں لایا اور پھر ایک ساتھ ان پر حملہ کر کے انہیں بیک وقت قتل کر دیا۔ یہ قتلِ عام اسلامی چھاؤنی کے عین عقب میں ہوا۔ مسلمان فوج دشمن کے اجتماع کو دیکھ کر دور کھڑی تھی۔ لیکن نہیں جانتی تھی کہ وہاں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ جب اسے آخر وقت میں اس ظلم کی خبر لگی تو وہ عیسائی فوج پر ٹوٹ پڑی۔ اور رات گئے تک اس سے اُلجھی رہی۔ عماد ۳۵۴

لین پول نے رچرڈ کے سفرنامہ سے ان قیدیوں کے قتل کئے جانے کا حال نقل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> ہمارے بادشاہ رچرڈ کو مسلمانوں کو تباہ کرنے کا شوق تھا۔ وہ محمدؐ کے دین پر چلنے والے دین کو فروغ دینے کا خواہش مند تھا۔ ۲۰ اگست کو اس نے حکم دیا کہ دو ہزار سات سو مسلمانوں کو جو ضمانت میں دیئے گئے تھے۔ شہر سے باہر

لے جا کر قتل کر دیا جائے۔ رچرڈ نے اپنے جن ساتھیوں کو یہ حکم دیا تھا۔ وہ کود کود کر آگے آئے اور ایسے حکم کو سننے پر خدا کی رحمت اور فضل کے شکرگزار ہوئے کہ اس نے ان عیسائیوں کے خون کا بدلہ لینے کا موقعہ انہیں دیا۔ جن کو ان مسلمان قیدیوں نے اپنے ہاتھ سے ہلاک کیا تھا۔[1]

لین پول یہ روئداد سفرنامے سے نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ ان لوگوں نے بڈھوں، عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہیں کھایا۔ انہیں بھی بڑی بے رحمی سے ذبح کر دیا اس کشت و خون کو پڑھ کر وہ مہربانیاں اور فیاضیاں یاد آجاتی ہیں۔ جو سلطان نے عیسائیوں پر کی تھیں۔

جنہوں نے جنگ ہائے صلیب کے حالات غور سے پڑھے ہیں۔ انہیں یہ کہنا ضروری نہیں کہ ان لڑائیوں میں تہذیب و شائستگی، دریا دلی و مذہبی رواداری اور جوانمردی و شجاعت کی جتنی مثالیں تھیں۔ وہ سب مسلمانوں کی طرف سے ظاہر ہوئیں۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ سلطان کو جب ان بدنصیب مسلمانوں کے انجام کی خبر ملی تو اس پر کیا گزری۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ دشمن سے اس بدعہدی کا انتقام لینے کے لئے پر تول رہا تھا۔ لیکن عین وقت پر اسے پتہ چلا دشمن عکا سے آگے کی طرف چل پڑا ہے۔

---

[1] لین پول ۲۶۷

عکا کے بعد

عیسائی چھاؤنی
عیسائی فوج آگے بڑھی
جنگ ارسوف
وقفہ
رچرڈ جھکا
دشمن پریشان ہوا
القدس کی سمت
آخری لڑائی

عیسائی چھاؤنی

عکا کی فتح ایک بڑی فتح تھی۔ ہمیں اعتراف ہے کہ صلاح الدین اپنی ہر کوشش کے باوجود عکا کو دشمن کے قبضہ میں جانے سے روک نہ سکا۔ یقیناً اس کے کئی اسباب تھے۔ سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ عکا کے محصورین کی تعداد غیر معمولی حد تک کم تھی۔ تین ہزار اشخاص نے آخر میں ہتھیار ڈالے تھے۔ اگر ان میں سے مرنے والوں کو اسی قدر تصور کر لیا جائے تو بھی وہ چھ ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ ایک تو ان کی تعداد اس درجہ کم تھی۔ دوسرے ان کا تعلق صلاح الدین کی فوج سے بالکل ٹوٹ چکا تھا۔ ان کے پاس آخر وقت میں نہ خوراک رہی تھی اور نہ اسلحہ، پھر تین لاکھ عیسائی، جو ان کا چاروں طرف سے محاصرہ کئے تھے ان پر برابر سنگ باری کر رہے تھے۔

بہر حال یہ ان کی بڑی بہادری تھی کہ انہوں نے ان حالات کے باوجود کتنی مدت تک دشمن کے سامنے ہتھیار نہیں رکھے۔ دشمن کو مصروف رکھ کر ان کے اندر ایک خوفناک قسم کی بدکرداری پیدا کر دی۔

یہ ایک امر واقعہ تھا کہ اس لمبے محاصرہ نے عیسائی فوج کے کردار پر انتہائی برا اثر ڈالا تھا۔ عیسائی چھاؤنی، ہر قسم کی عیاشیوں اور بدکرداریوں کا مرکز بن چکی تھی۔ چھاؤنی میں یورپ کے مختلف مقامات کی ہزاروں عورتیں موجود تھیں۔ ان میں سے کئی ایسی تھیں جو رضاکار بن کر یہاں آئی تھیں تاکہ ان بہادر سپاہیوں کے حوصلے بڑھائیں جو یہ مقدس جنگ لڑنے آئے تھے۔

العماد الکاتب نے عورتوں کی ایک اس ٹولی کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہے جو تین سو کی تعداد میں ایک بحری بیڑہ میں عکہ آئی تھیں۔ ان میں یورپ کی منتخب حسین عورتیں تھیں۔

العماد الکاتب کے الفاظ ہیں۔ العماد الکاتب ۲۲۷-۲۲۹

وصلت فی مرکب ثلثمائة امرأةٌ فرنجیةٌ مستحسنةٌ متحلیةٌ

بشبابها وحسنها زینةٌ قد اجتمعن من الجزائر

تین سو حسین عورتیں جو شباب و حسن کے زیور سے آراستہ تھیں۔ جزائر سے اکٹھی ہو کر عکا آئیں۔

ان کے آنے کی غرض یہ تھی۔

وقدمن للتبذل اصونهن وانفسهن، وانهنّ تصدقن

لاثم۔ بحل فروجهن

وہ اس لئے آئی تھیں کہ اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین ان سپاہیوں سے چاہیں جو یہاں آئے تھے

(ہم نے لفظی ترجمہ سے جان بوجھ کر گریز کیا ہے کہ شرافت مانع تھی)

یہ ایک ٹولی کا ذکر تھا۔ ایسی ہی کئی اور ٹولیاں شوقیہ طور پر اس چھاؤنی میں آن بسی تھیں اور لین پول کے الفاظ میں، عیسائی چھاؤنی فسق و فجور کا مرکز بن گئی۔ یہی وجہ تھی کہ جب رچرڈ نے عکا کی فتح کے بعد آگے بڑھنے کا فرمان جاری کیا تو صرف ایک لاکھ سپاہیوں نے اس کا ساتھ دیا۔ باقی دو لاکھ اسی چھاؤنی میں رہ گئے۔

عیسائی فوج آگے بڑھی

رجب ۵۸۷ھ کی ۲۹ تاریخ تھی۔ جب رچرڈ، اپنی فوج کے ساتھ عکا کی چھاؤنی سے نکلا اور عسقلان جانے والی سڑک پر آگے کی طرف بڑھا۔ کچھ دور چل کر اس نے عکا کی نہر عبور کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ساحل ساحل چل کر عسقلان پہنچنا چاہتا ہے۔ اس کا منہ حیفہ کی طرف تھا۔ ابن اثیر کے بیان کی رو سے وہ شعبان کے اوائل میں حیفہ پہنچا۔ وہاں کچھ دن ٹھیرا[۱]۔

ابنِ شداد فرماتے ہیں یہ مستہل شعبان تھا۔ جب سحر کے وقت دشمن کی چھاؤنی بقعۂ نور بن گئی۔ ہر طرف آگ ہی آگ جلنے لگی۔ یہ ان لوگوں کی عادت تھی کہ جب کوچ کرنے کا ارادہ کرتے۔ خوب آگ جلاتے[۲]۔ سلطانی عقب نے آگ جلتی دیکھی تو سلطان کو اطلاع دی۔ سلطان نے اسی وقت فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ جلدی میں اور یہ جان کر کہ دشمن قریب آن پہنچا ہے۔ اسلامی چھاؤنی کے بازاروں میں بڑا ہلڑ مچا۔ لوگ افراتفری میں بہت سا سامان پیچھے چھوڑ گئے۔ ایک قسم کی بھاگڑ مچ گئی۔ کئی آدمی بھی اس ہیجان میں مارے گئے۔

بہ ہر حال چھاؤنی اکھڑی اور سلطانی فوج دشمن کے ساتھ ساتھ لگی، آگے بڑھنے لگی۔ سلطان کتنی دور تک دشمن فوج کے ساتھ ساتھ چلا۔ ابنِ شداد کہتے ہیں۔ اس وقت وہ بھی سلطان کے ساتھ تھے۔ جب اوائلِ رمل پہنچے تو وہاں الملک العادل سے ملاقات ہوئی۔ اس نے سلطان کو بتایا کہ عیسائی فوج نہر حیفہ عبور کر چکی ہے اور سارے گروہ حیفہ کے قریب اتر پڑے ہیں۔ ان کا تعاقب لاحاصل ہے۔ سلطان کو جب یہ علم ہوا تو اس نے

[۱] ابن اثیر جز ۱۲ ص ۲۰

[۲] ابن شداد ص ۱۳۵

دشمن کا تعاقب چھوڑ دیا اور الیقمون پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ البتہ ایک فوج ایسی مخصوص کر دی جو دشمن کے ساتھ ساتھ لگی، اور اسے ہر لمحہ پریشان کرتی آگے کی طرف بڑھتی رہی۔ دشمن حیفہ پہنچ کر رکا اور دو شعبان تک وہیں پڑا رہا۔ سلطان تیز تیز چلتا الملاحہ آیا۔ ابن شداد کہتے ہیں۔ سلطان کوئی ایسا میدان ڈھونڈھ رہا تھا۔ جہاں اپنی فوجیں اتار کر دشمن کا انتظار کرے اور جی کھول کر ایک ایسی لڑائی لڑے جو دونوں کے لئے آخری امتحان ثابت ہو، مگر ایسی کوئی جگہ اسے نظر نہ آئی۔ یہاں تک کہ وہ قیساریہ کی زمین میں پہنچا اور پھر آخر رات کو لوٹ کر آیا۔ اس وقت ابن شداد اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دشمن کے نقل و حمل کے بارے میں پوچھا۔ سلطان نے انہیں بتایا کہ ابھی تک دشمن حیفہ سے آگے نہیں بڑھا۔ دشمن ابھی حیفہ میں تھا کہ سلطان اپنی فوج کو لے کر مجدل یا خاجا پہنچا۔ پھر وہاں سے قیساریہ آیا اور نہر کے کنارے اترا۔ یہیں اسے خبر ملی کہ دشمن حیفہ سے چل کر ملاسہ پہنچ چکا ہے۔ ابھی تک سلطان کو دشمن کی روانگی کی تفصیل معلوم نہ ہوئی تھی۔ اس کے مخبر یہیں ایک افرنگی کو اس کے حضور پکڑ لائے جو رچرڈ کی فوج میں مقدم تھا۔ اس سے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ پہلے دن جب افرنگی روانہ ہوئے اور ان پر مسلمانوں نے حملہ کیا۔ تو پانچ سو آدمی مارے گئے تھے۔

سلطان ابھی قیساریہ ہی میں تھا کہ اسے خبر ملی کہ دشمن اس کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ قیساریہ کا یہ میدان جہاں صلاح الدین اس وقت اترا تھا۔ جنگ کے لئے موزوں نہ تھا اس لئے وہ اور آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ دشمن قیساریہ پہنچ گیا۔ دشمن قیساریہ سے ابھی آگے نہیں بڑھا تھا کہ بادشاہ پیچھے ہٹا اور اپنی ایک فوج دشمن سے اُلجھا دی۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ اس وقت دشمن کی فوج تین حصوں میں بٹی تھی۔ پہلا حصہ الملک الغنیق جفری کی قیادت میں تھا۔ دوسرے حصہ میں بادشاہ فرانس کی فوج تھی اور تیسرے حصہ میں انگریز تھے۔ انگریز اور فرانسیسی عقب میں تھے۔

گو لڑائی شروع ہو چکی تھی مگر کوئی فوج رکی نہ تھی۔ افرنگی بھی آگے کی طرف رواں تھے اور سلطان بھی، دونوں میں سے کسی نے بھی چند گھنٹے رک کر لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ مسلمان تیر انداز اور آگ برسانے والے دشمن کے ساتھ ساتھ لگے انہیں ہر لحظہ رکنے کی دعوت دیتے۔ ان کے تیر ان کے خودوں سے ٹکرا کر جب ان کی شاہ رگوں تک پہنچ جاتے، تو وہ اپنے بچاؤ کی فکر کرتے۔

دشمن کے ایک طرف سمندر تھا اور دوسری طرف مسلمان کہیں پہاڑی دروں اور درختوں کی آڑ لیے اور کہیں کھلم کھلا، ان کی مزاج پرسی کو صف بنائے تھے۔ سمندر کی سمت گو انہیں حملے کا خطرہ نہ تھا۔ تاہم ان کا بحری بیڑہ ہر لمحہ ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وہ ہر لمحہ ہشیار تھا۔

وہ بہت رک رک کر آگے بڑھتے۔ کیونکہ ان کے ساتھ پیادہ فوج زیادہ تھی پھر ساز و سامان کی کثرت بھی تھی۔

۹ شعبان کو سلطان کے تیر اندازوں اور نیزہ بازوں کا ایک بڑا گروہ دشمن پر حملہ آور ہوا۔ سلطان خود اس گروہ کی قیادت کر رہا تھا۔ اس گروہ نے دشمن پر بڑا سخت حملہ کیا اور ہر طرف طوفان لہرا دیے۔ اس کے باوجود دشمن رکا نہیں ہولے ہولے آگے کو سرکتا رہا اس کی ترتیب قطعاً نہ بگڑی۔ نہ پیادہ صفیں منتشر ہوئیں اور نہ سواروں ہی میں کوئی اضطراب پیدا ہوا۔ جو صفیں سلطان کے مدمقابل ہوتیں۔ وہ جب تھک جاتیں یا ان کے افراد اگر زیادہ مجروح ہو جاتے تو وہ اپنی جگہ سے بڑی ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ جاتیں اور ان کی جگہ وہ صفیں لے لیتیں جو ساحل کی سمت تھیں۔ اسی ترتیب سے افرنگی فوج آگے بڑھتی۔ نہر القصب پر پہنچ کر رک گئی اور خیمے نصب کر دیے۔ یوں یہ لڑائی ختم ہو گئی اور سلطانی فوج دشمن کو اترتے دیکھ کر اپنی چھاؤنی میں لوٹ گئی۔ اس لڑائی میں کئی لڑاکے اور بہادر مسلمان شہید ہوئے جن میں ایک بڑا شجاع ایاز الطویل تھا۔ اس کی بہادری کی

ابن شداد ۱۳۸-۱۳۹
العماد کاتب ۲۷۹-۲۸۰

شہرت دشمن میں خوب پھیلی تھی۔ دشمن کی صفیں جب اسے اپنی طرف آتے دیکھتیں۔ تو سہم سہم جاتیں۔

پھر سلطان بھی اسی نہر پر جا اترا۔ جہاں دشمن خیمہ زن تھا۔ دشمن نیچے کی طرف تھا اور سلطان اوپر کی طرف۔ دونوں نے اسی نہر پر رات بسر کی۔ اس دوران میں دونوں فوجوں میں ایک بڑا معرکہ ہوا۔ ابن شداد فرماتے ہیں۔ اس کا آغاز اس جماعت سے ہوا جو دونوں طرف سے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے ہر لحظہ تیار رہتی۔ یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے خوب لڑیں۔ اسلامی جماعت اس پر غالب آگئی۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے ایک اور عیسائی ٹولی باہر آئی۔ اس طرح لڑائی پھیل گئی، اور پھر آپ ہی آپ تھم گئی۔ دوسرے دن یعنی ۱۴ شعبان کو سلطان دشمن کی روانگی کا انتظار کئے بغیر آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ ارسوف کے میدان میں دیر الراہب نامی گاؤں پہنچ کر رک گیا۔ ساری فوج نے وہیں خیمے نصب کر لئے اور وہیں رات بسر کی۔ دوسرا دن بھی وہیں گزارا۔ افرنجی فوج ابھی تک نہر العقصب پر ہی ڈیرے ڈالے تھی اور سلطانی فوج کا ایک حصہ جو بطور یزک کام کرتا۔ اس کے قریب اترا تھا۔ اس یزک کے سپہ سالار علم الدین تھے۔ انہیں افرنجیوں نے پیغام بھیجا کہ ہمارا بادشاہ الملک العادل سے ملاقات کا خواہش مند ہے یہ خبر بادشاہ تک پہنچا دی گئی اور الملک العادل رچرڈ سے ملنے کے لئے تیار ہو گئے دونوں اپنے اپنے منتخب ساتھیوں کے ساتھ ایک درمیانی جگہ ایک دوسرے سے ملے۔ ابن الہنفری ان دونوں کا ترجمان بنا۔ رچرڈ کی طرف سے گفتگو کا آغاز صلح کی خواہش کے اظہار سے ہوا۔ الملک العادل نے جواب دیا۔ تم صلح تو چاہتے ہو۔ لیکن کن شرائط پر؟

رچرڈ نے یہ شرائط پیش کئے:

آپ اپنے حدود کو لوٹ جائیں اور عیسائی علاقہ خالی کر دیں۔

اس کی اس احمقانہ بات پر سلسلۂ گفتگو ٹوٹا اور الملک العادل غصہ سے اٹھ آئے اور یہ گفتگوئے مصالحت ایک بار اور ناکام ہو گئی۔

چودہ شعبان کو دشمن ارسوف کی طرف چلا جیسے ہی سلطان کو اس کی روانگی کا علم ہوا سلطان نے اپنے جوانمرد سپاہیوں کا انتخاب کر لیا جو دشمن کو آگے بڑھتے ہی گھیر لیں۔

چنانچہ دشمن ابھی شہر ارسوف میں داخل ہوا ہی تھا کہ سلطانی سپاہ ہر طرف سے اس پر ٹوٹ پڑی۔ اس دن سلطانی فوج نے بڑی ہی جوانمردی دکھائی اور دشمن پر بڑے سخت حملے کئے۔ ابن شداد کہتے ہیں۔ خود بادشاہ ایک شاہسوار کی طرح لڑائی میں شریک ہوا۔ وہ کبھی ایک صف کی طرف بڑھتا کبھی دوسری کی طرف، اسے جوشِ جہاد میں اپنی حفاظت کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ کئی بار وہ یکہ و تنہا صرف دو ایک چھوٹے بچوں کی معیت میں ادھر ادھر بڑھتا دکھائی دیا۔ یہی کیفیت اس کے بھائی الملک العادل کی تھی اور دشمن کے تیر ان کے سروں کے قریب سے گزر جاتے رہے۔

جنگِ ارسوف

یہ لڑائی جس کا یوں آغاز ہوا۔ تاریخ میں جنگِ ارسوف کے نام سے موسوم ہے
رچرڈ کے روزنامچہ نویس اور لین پول کے بیان کی رو سے اس کا آغاز ۷ ستمبر کو ہوا۔
رچرڈ نے اپنی فوج پانچ حصوں میں بانٹ رکھی تھی۔ پہلے حصہ میں طبقہ داویہ کے شاہسوار تھے۔ دوسرے میں برٹین کے لوگ، پھر انژو کے سپاہی، پھر بادشاہ گائی، چوتھے حصہ میں نارمن اور انگریز تھے اور ان کے آخر میں الیبطار تھے۔

رچرڈ نے اس ساری فوج کو کچھ اس طرح مرتب کیا تھا کہ ساحل سے لے کر ارسوف کے باغات تک سپاہی ہی سپاہی صفیں باندھے نظر آئے۔

دوپہر کے وقت اچانک دس ہزار مسلمان سیلاب کی طرح عیسائی فوج پر آن گرے۔ وہ ڈھول بجاتے ہوئے آئے اور اس قدر شور مچایا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔

رچرڈ کا روزنامچہ نویس کہتا ہے۔ یہ فوج کالے سیاہ رنگ کے سپاہیوں پر مشتمل تھی جو دیووں کے غول کی طرح عیسائی فوج پر امنڈ آئے تھے ان کے پیچھے بدوی عرب تھے۔ یہ سب ملا کر بیس ہزار سپاہی تھے۔ یہ گھوڑوں پر سوار تھے اور عقابوں کی طرح اڑے چلے آ رہے تھے۔

وہ اس تیزی سے دوڑتے آئے تھے کہ خوب گرد اڑی اور ساری فضا گرد سے بھر گئی۔

ان کا حملہ بڑا سخت تھا۔ انہوں نے عیسائی کندے دار کمانوں والی محافظ فوج کو خوب مارا۔ یہاں تک کہ یہ فوج راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ وہ پیچھے ہٹی لیکن مسلمان سپاہیوں نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور ان پر حملے کرتے ان کی بڑی صفوں میں جا گھسے۔

لین پول کہتا ہے۔ یہ سارا دن اس فوج کے لئے بڑا ہی مصیبت کا دن تھا۔ ہر عیسائی سپاہی کے دل میں بار بار یہ خواہش پیدا ہوتی، اے کاش وہ یروشلم کی زیارت پر نہ آتا۔

مسلمانوں کے حملے کی شدت جاری تھی اور قریب تھا کہ طبقہ البیطار کی صفیں پراگندہ ومنتشر ہو جائیں۔ طبقہ البیطار کی طرف سے رچرڈ کو اس خطرہ سے آگاہ کیا گیا اور اجازت مانگی گئی کہ جوابی حملہ شروع کیا جائے۔ لیکن رچرڈ کی طرف سے جوابی حملہ کی اجازت نہ ملی۔ البتہ اس کی طرف سے اپنی جگہ پر جمے رہنے اور ہر خطرہ کو برداشت کرنے پر اصرار ہوا

لڑائی کا یہی عالم کتنی دیر تک رہا۔ مسلمانوں کے گرز ہتھوڑوں کی طرح عیسائیوں کی پیٹھوں پر پڑتے اور ان کے اعضا کاٹتے رہے۔ اس کے باوجود البیطار کے نائٹوں کو آگے بڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

لین پول کہتا ہے ان کی صفیں اتنی گھٹی ہوئی تھیں کہ انہیں سانس لینا تک دشوار تھی۔ یہاں تک کہ بیس ہزار سے زائد مسلمان ان کی صفوں پر آن گرے اور اپنی تلواروں سے ان کا خون بہانے لگے۔ ان کے سامنے جو آیا اسے انہوں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ اس تباہی کو دیکھ کر البیطار کا مقدم رچرڈ کے پاس گیا اور اسے خبر دی کہ ہمارا طبقہ بڑی تباہی میں ہے اگر آپ نے ہمیں جوابی حملہ کی اجازت نہ دی تو ہم بری طرح تباہ ہو جائیں گے۔ ہم میں سے بہت سوں کے گھوڑے مجروح ہو کر زمین پر گرے ہیں"

اس درخواست کے باوجود رچرڈ نے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی اور صبر و ضبط سے کام لینے کی تلقین کی۔ سفر نامے کے مصنف کا بیان ہے کہ یہ مقدم رچرڈ سے مل کر واپس آیا تو فوج پہلے سے بھی زیادہ تباہ حال ہو چکی تھی۔ ہر طرف موت ہی موت حکمران تھی۔ لیکن اس کے دیکھتے دیکھتے عالم بدلا اور طبقہ البیطار کے دو سوار نعرے لگاتے شاہی اجازت کے بغیر آگے بڑھے، ان کا آگے بڑھنا تھا کہ تمام سوار فوج کی صفیں دفعۃً شخص واحد کی طرح

آگے بڑھیں۔

خود رچرڈ بھی آگے بڑھا اور البیطار کے عقب میں جا پہنچا۔ وہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس گیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ وہ جدھر بڑھتا صفیں چھٹ جاتیں۔ اس کی تلوار اگر کسی مسلمان کو چھو بھی جاتی تو وہ بھی کٹ کر گر پڑتا۔

سفرنامے کا مصنف کہتا ہے۔ "اس طرح رچرڈ نے آگے بڑھ بڑھ کر اپنی شمشیر سے قابلِ نفرت مسلمان قوم کو پامال کر ڈالا اور اسے اس طرح کاٹا جیسے کسان درانتی سے فصل کو کاٹتا ہے۔"

(سفرنامہ رچرڈ، لین پول ۲۸۱)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رچرڈ اور البیطار کے اس اچانک حملہ نے میدانِ جنگ کا نقشہ یکسر بدل ڈالا تھا۔

ابن شداد اس حملہ کا ذکر کرتا ہوا کہتا ہے۔

واخذوا رماحهم وصاحوا صيحة الرجل الواحد وفرج لهم رجالتهم وحملوا حملةً واحدةً من الجوانب كلها، فحملت طائفة على الميمنة وطائفة على الميسرة، وطائفةٌ على القلب فاندفع الناس بين ايديهم، واتفق انى كنت فى القلب ففر القلب فراراً عظيماً فنويت التحيز الى الميسرة وكانت اقرب الي فوصلتها، وقد انكسرت كسرةً عظيمةً وفرت اشد فرارٍ من الكل فنويت التحيز الى طلب السلطان وكان ردأً الاطلاب كلها كما جرت العادة ولم يبق للسلطان فيه الا سبعة عشر مقاتلاً لا غير واخذ الباقون الى القتال لكن الاعلام

كلها باقية ثابتة و الكوس تدق لا تفتر واما السلطان فانه لستا راى ما نزل بالمسلمين من هذه النازلة سار حتى اتى الى طلبه فوجد فيه النفر القليل وقد وقف فيه و الناس يفرون من الجوانب وهو يامر اصحاب الكوس بالدق بحيث لا يفترون و كلما راى فاراً يامر من يحضره عنده و فى الجملة ما قصر الناس بفرارهم

انھوں نے اپنے نیزے فضا میں لہرائے اور فردِ واحد کی طرح نعرہ مارا۔ تو پیادہ فوج نے انہیں راہ دے دی۔ انہوں نے ہر چہار طرف سے یک دم حملہ کیا۔ ان میں سے ایک جماعت میمنہ پر، دوسری میسرہ پر اور تیسری قلب پر حملہ آور ہوئی۔ مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ یہ اتفاق کی بات تھی کہ میں اس وقت قلب میں تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے قلب بہت بری طرح بھاگ اٹھا۔ میں نے میسرہ کا رخ کیا۔ کیونکہ وہ مجھ سے قریب تھا۔ میں وہاں آیا تو وہ بھی بُری طرح منتشر ہوا اور ہر طرف بھاگ پڑا گئی۔ پھر میں نے بادشاہ کا رخ کیا۔ وہاں آیا تو وہاں بھی فوج منتشر ہو چکی تھی۔ بادشاہ کے ساتھ صرف سترہ آدمی تھے باقی سب میدانِ جنگ میں بکھرے تھے۔

اس انتشار کے باوجود سارے علم بحالہ موجود تھے کوئی سرنگون نہ ہوا تھا اور دونوں پر برابر چوٹیں پڑ رہی تھیں اور لوگوں کو پکارا جا رہا تھا کہ بھاگیں نہیں مجتمع رہیں۔ سلطان نے جب یہ عالم دیکھا تو میدانِ جنگ میں گھوما اور لوگوں کو جمع کیا۔ وہ صرف ایک قلیل جماعت جمع کر سکا اور اس میں ٹھیر گیا اور لوگ بھاگتے رہے۔ وہ دف والوں کو حکم دیتا رہا کہ دف بجاتے اور لوگوں کو بلاتے

رہیں۔ وہ جب کسی آدمی کو بھاگتے دیکھتا۔ اسے آدمی بھیج کر واپس بلا لیتا۔

قصہ مختصر یہ کہ اس دن لوگوں نے بھاگنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

ابنِ شداد کے اس بیان کی تائید حرف بہ حرف بہاء الدین العماد الکاتب نے بھی کی ہے۔

العماد الکاتب ۳۸۲-۳۸۴ ۳۸۸-۳۸۶

گو یہ فرار بڑا سخت تھا۔ گو مسلمان فوج شکست کھا کر منتشر ہو چکی تھی لیکن سلطان کی ثابت قدمی نے اس شکست کو بدل ڈالا۔ اس نے بھاگتی فوج کو ایک بار پھر جمع کر لیا اور اپنی بہادری اور ثابت قدمی سے لڑائی کا رنگ پھر بدل ڈالا۔ اس بار جب مسلمان فوج مجتمع ہو کر دشمن کی طرف بڑھی تو دشمن نے راہِ فرار اختیار کی۔ اب اس کی وہی کیفیت تھی جو چند لمحے پہلے مسلمان فوج کی تھی۔ پھر دونوں فوجیں اپنی اپنی جگہ رُک گئیں اور دونوں نے اپنے اپنے مجروحین اور مقتولین کی خبر لی۔

ابن شداد کا بیان ہے کہ اس دن کی لڑائی میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے تھے اور بہت بڑے بڑے امرا کے زخم آئے تھے۔ ان زخمیوں میں الملک الافضل بھی تھے۔ ان کے چہرہ پر گہرا زخم آیا تھا جس میں سے خوب خون بہا تھا۔

ابن شداد ۱۹۴

ابنِ اثیر نے اس دن کی اتنی بڑی لڑائی کا ذکر صرف چند سطروں میں کیا ہے۔ اس کے نزدیک یوں تو یہ ہزیمت تھی۔ لیکن ارسوف کے جنگلوں نے اس ہزیمت کو جنگی چال کا لباس پہنا دیا اور دشمن آخر وقت تک یہ سمجھتا رہا کہ مسلمان ہار کر نہیں شرارت سے بھاگے ہیں۔

ابن اثیر ج ۱۰ ۳۹

اس خطرناک لڑائی کے باوجود، دوسرے دن مسلمان صفیں پھر پہلے کی طرح مرتب تھیں۔ دوسرے دن صبح کے وقت (۱۵ شعبان) سلطان اپنی اس مرتب فوج کے ساتھ پھر ارسوف کے میدان میں آیا۔ ڈھول پیٹے ناقوس بجائے مگر دشمن اس دن اپنی چھاؤنی سے باہر نہیں نکلا۔ ۱۶ شعبان کی صبح کو سلطان پھر سوار ہوا اور اپنی فوج کو لے کر ارسوف

کی طرف بڑھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر اسے خبر ملی۔ دشمن یافہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سلطان نے اس کا تعاقب کیا اور اس کے بالکل قریب جا پہنچا اور اپنے تیر اندازوں کی صفیں آگے بڑھا کر دشمن پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اس دن مسلمانوں نے دشمن سے پچھلی لڑائی کا خوب انتقام لیا۔ دشمن کی صفیں اُلٹ ڈالیں اور انہیں مارتے مارتے ان کے عقب میں پہنچا دیا۔ لیکن دشمن حسب عادت رکا نہیں آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ نہر العوجا پہنچا اور یافا میں داخل ہو گیا۔ مسلمان فوج اپنی چھاؤنی میں لوٹ آئی۔ افرنجی جب یافا پہنچے ہیں تو وہ خالی تھا۔[1]

العماد الکاتب اس کیفیت کو بیان کرنے کے بعد کہتا ہے کہ جب عیسائی فوج یافا میں پناہ گزیں تھی تو وہ مسلمانوں سے بے حد مرعوب تھی۔ مسلمانوں کے تعاقب نے اس پر ڈر مسلط کر دیا تھا۔[2]

لین پول بھی العماد الکاتب کے اس بیان کی تائید کرتا ہے مگر اس کے الفاظ بہاء الدین سے کسی قدر مختلف ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ وہ دشمن کے حملوں کو برداشت کرتے خاموشی سے آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ یافا کے اندر پہنچ گئے۔ پھر کیا تھا ان کی حفاظت کے لئے شہر کی دیواریں موجود تھیں۔[3]

[1] ابن خلدون جز ۵ ۳۲۶

[2] العماد الکاتب ۳۸۹

[3] لین پول

وقفہ

یافا میں رچرڈ کی فوج نے پناہ کیا لی۔ اس کی نیت ہی بدل گئی۔ متواتر کتنی مدت تک میدانِ جنگ میں رہنے اور مرے ہوئے گھوڑے کھانے کے بعد جب یافا کے باغات سے عیسائی سپاہیوں کو تر و تازہ پھل کھانے کو ملے۔ ان کا عالم عجیب تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں جانے سے سخت گھبرانے لگے تھے۔ اس تھکے ہوئے لشکر نے یروشلم پر چڑھائی کرنے کی طرف مطلق توجہ نہ دی، خود رچرڈ بھی ایسا معلوم ہوتا تھا۔ یافا پہنچ کر آرام کرنا چاہتا ہے، اس نے پورے دو مہینے تک یافا سے باہر جانے کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا اور سپاہی تو رقص و شراب میں کچھ ایسے پھنسے کہ ہتھیاروں کو ہی بھول گئے۔ عکا کے شراب خانوں کی شراب اور ساقی دونوں یافا پہنچ چکے تھے۔ جو عورتیں عکا کے نرمی جہاد میں اپنی جوانی اور حسن کے نذرانے لے کر آئی تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے ان مجاہدین کے پہلوؤں کو گرمانے کے لئے یافا آن پہنچیں۔ اور جب بعض سپاہیوں کی آسودگی کچھ اور بڑھی اور مزاج میں زیادہ شوخی پیدا ہوئی تو وہ یافا سے عکا بھاگ گئے۔ عکا کی حیثیت ایک قسم کی مرکزی تفریح گاہ کی ہو گئی تھی۔

لین پول نے اعتراف کیا ہے کہ یافا کا زمانہ قیام اس افرنجی فوج کے لئے مکمل تفریح و عیاشی کا زمانہ تھا۔ سپاہیوں میں سے جتنے بانکے تھے۔ وہ یافا سے عکا پہنچ چکے تھے۔ شروع میں تو رچرڈ انہیں ڈھیل دیتا رہا۔ لیکن بعد میں اسے بڑی تشویش ہوئی اور وہ ان آرام طلبوں کو سپاہیانہ زندگی گزارنے پر مائل کرنے کے لئے خود عکا پہنچا۔ اس نے بڑی

لمبی چوڑی تقریریں کیں۔ مقدس پادریوں سے اشلوک پڑھوائے اور وعظ کروائے۔ پھر کہیں جا کر یافا کی چھاؤنی آباد ہوئی۔

لین پول کہتا ہے (اور اس کا یہ بیان رچرڈ کے روزنامچہ نویس کی روایات پر مبنی ہے) کہ اس دوران میں جب رچرڈ اور اس کی فوج یافا میں پڑی تھی۔ زخمی اپنے زخموں کو مندمل ہوتے دیکھ رہے تھے اور تھکے ہوئے سپاہی اپنے جسموں کو سکون دینے کی فکر میں تھے۔ رچرڈ خود بھی بڑی تھکن محسوس کر رہا تھا۔ اسے وطن سے آئے ہوئے مدت ہو گئی تھی اور اس نے جو لڑائیاں اب تک لڑی تھیں۔ ان سے وہ مطمئن نہ تھا۔ اس لئے اس نے ایک بار اور کوشش کی کہ مصالحت ہو جائے۔

اس بار بھی الملک العادل ہی اس مصالحت کی گفتگو کے لئے منتخب ہوئے ابن شداد کے بیان کی رو سے الملک العادل کی فوج یوں بھی یافا کے قریب ہی ٹھیرائی گئی تھی۔ خود سلطان دشمن کے یافا میں داخل ہونے کے بعد رملہ جا پہنچا تھا اور طے کر چکا تھا کہ عسقلان کو جو بری اور بحری گزرگاہ تھی۔ جہاں سے یروشلم اور مصر کو سڑکیں پھوٹتی تھیں مسمار کر دے۔

یہ فیصلہ اس نے بجائے خود نہیں کیا۔ عمائدین سلطنت کی ایک کانفرنس بلائی۔ جس نے عسقلان کے انہدام کی رائے دی۔ اس نے طے کیا کہ الملک العادل اپنی مخصوص فوج کے ساتھ دشمن کے قریب رہیں تاکہ بوقت ضرورت ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھایا جا سکے[1]

[1] ابن شداد ص ۱۸۱

صلاح الدین کی سیرت کا یہ پہلو بھی کچھ عجیب و غریب ہے کہ اس نے دشمن سے عسقلان کو بچانے کے لئے اسے اپنے ہاتھ سے تباہ و برباد کیا۔

عسقلان بڑا خوبصورت، بہت متمدن اور بہت ہی قدیم شہر تھا۔ مکان عالی شان شہر میں جگہ جگہ پانی کی ندیاں جاری اور گھر گھر باغیچے آباد تھے۔ اس میں تعلیم گاہیں بھی تھیں۔

اور بڑی تجارتی منڈیاں بھی۔ اس کی بندرگاہ عکہ کے بعد بڑی مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ جب سلطان اسے برباد کرنے کے لئے اس شہر کے قریب آیا اور اس نے اس کے باشندوں کو اپنے ارادہ سے آگاہ کیا تو وہ بری طرح چیخے۔ لیکن بہادر قوموں پر کبھی ایسے وقت بھی آتے ہیں۔ جبکہ انہیں اپنی قومی بقا کے لئے اپنے جہازوں، اپنے گھروں اور اپنے کھیتوں میں آپ آگ لگا دینی پڑتی ہے۔ جب ان کے ہاتھ آپ اپنے گریبانوں کو چاک کرتے اور آپ اپنے جسموں پر زخم لگاتے ہیں۔

شریعت میں گو ایسی حرکتیں خلاف قانونِ الٰہی قرار پائی ہیں۔ اسلام نے ایسی حرکات کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ لیکن دنیادار قوموں نے یہ گر بھی خوب آزمایا ہے اور کامیاب رہی ہیں۔ سلطان نے بھی اس کی آزمائش کی۔ اس نے عسقلان کی پہلی عمارت آپ گرائی اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ جب کوئی عمارت گرتی۔ شہر والوں کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ لیکن مجبور تھے۔ روتی آنکھوں سے شہر کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھتے رہے۔

ابنِ شداد نے عسقلان کے گرائے جانے کی روئداد بڑی تفصیل سے لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ۱۸ شعبان اور بدھ کا دن تھا جب سلطان ارضِ عسقلان پر اترا۔ رات بسر کی سحر کا وقت تھا جب اس نے مجھے طلب کیا اور عسقلان کو تباہ کرنے کے موضوع پر گفتگو چھیڑ دی شہزادہ الملک الافضل بھی بلائے گئے اور ان سے بھی اس موضوع پر مشورہ ہوا۔ گفتگو نے خوب طول کھینچا۔

سلطان نے مجھ سے کہا۔ اگر میری اولاد مجھ سے چھن جاتی۔ یہ مجھ پر کم گراں ہوتا، اس سے کہ میں عسقلان کا ایک پتھر بھی گراؤں۔ لیکن مسلمانوں کی حفاظت کا تقاضا یہی ہے کہ میں اسے گرا دوں۔

اس نے پھر استخارہ بھی کیا اور اللہ نے یہ بات اس کے ذہن میں راسخ کر دی۔ کہ چونکہ مسلمان اس کی حفاظت پر قادر نہیں ہیں۔ اس لئے اسے تباہ کر دینا ہی مناسب ہے۔

ابن شداد ۱۴۷

عکا پر دشمن کے قبضہ کر لینے کے بعد، سلطان کا یہ خیال یقیناً مصلحت پر مبنی تھا۔
اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سلطان کے ساتھ ایک بڑی اچھی فوج تھی۔ لیکن دشمن تعداد
اور وسائل کے لحاظ سے اس فوج سے برتر تھا۔ یہ تو محض سلطانی عزم تھا کہ اس نے
اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیا اور اس پر کچھ عجیب رعب ڈال دیا کہ وہ یافا میں گھس جانے پر
مجبور ہوئی ورنہ یہ حقیقت ہے کہ اگر دشمن اگر نہ بنتا اور اپنی تین لاکھ سپاہ کو ساتھ لے کر یروشلم
کی طرف چل پڑتا۔ تو صلاح الدین کو غالباً اسے روکنے کے لیے غیر معمولی جدوجہد کرنی پڑتی
اب بھی ایک عقلمند اور دانا بادشاہ کی طرح سلطان نے رچرڈ کو حقیر نہ جانا! اور اس لئے نہ
جانا کہ ابھی تھوڑی مدت پہلے اس کی فوج نے سلطانی فوج کو بالکل الٹ دیا تھا۔ خواہ یہ
شکست عارضی تھی اور سلطان نے اس کا بدلہ لے لیا تھا۔ لیکن بہرحال رچرڈ کی قوت مقابلہ
کی آزمائش کرنے کے بعد سلطان کے لئے یہی مناسب تھا کہ وہ اسے حقیر نہ سمجھتا۔ اور
عسقلان اگر خالی رہنے دیا جاتا اور سلطان خود آگے بڑھ کر یروشلم کی راہ پر اس کا مقابلہ کرتا
تو یہ ایک سپاہی غلطی ہوتی۔ دشمن یافا سے وہاں آتا۔ وہاں کچھ دن آرام کرتا۔ اس کی
شہر پناہ میں اپنی وہ مضبوط فوج متعین کر دیتا جو عکا میں یونہی بے کار پڑی تھی تو اس طرح
افرنجیوں کے ہاتھ میں چار بڑے ساحلی مقامات چلے جاتے۔ عسقلان پر قبضہ کرنے کے
بعد دشمن ہولے ہولے آگے بڑھتا۔ عسقلان کو تباہ کر کے سلطان نے اپنے انتہائی
خطرناک عزائم سے بھی دشمن کو آگاہ کر دیا۔ اس نے دشمن کو بتا دیا کہ ہم مایوسی میں اپنے گریبان
سے آپ کھیلنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ اس وقت کرتے ہیں۔ جب اپنی حفاظت پر
قادر نہیں ہوتے۔

دشمن جانتا تھا کہ ابھی اس میں اپنی حفاظت کی ہمت ہے۔ اسی لئے اس کے نامہ بر
بار بار الملک العادل کی خدمت میں آتے اور اس اثنا میں یہ خوبصورت شہر تباہ ہوتا رہا۔
تباہی سے پہلے سلطان نے اس کے امیر کو بلا کر شہر کی منقولہ اشیا باہر نکلوالیں۔

سوائے عمارتوں کے جب کوئی چیز اندر نہ رہ گئی تو اس میں جا بہ جا آگ روشن کی گئی۔ ابن شداد نے بڑے رنج کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کی شہرپناہ بڑی مضبوط تھی۔ اس کے بُرج بہت اونچے تھے۔ سلطان نے فوج کے ایک ایک حصہ پر برج اور شہرپناہ کے ٹکڑے بانٹ دیئے کہ انہیں گرائیں۔

سلطان نے یہ سارا کام بہت رازداری سے کیا۔ اور گرد مخبر متعین کر دیئے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے خبردار رہیں۔ کوشش کی جاتی کہ عمارتیں گراتے وقت آواز پیدا نہ ہو اور آگ ایک ساتھ ہر جگہ پر نہ پھیل جائے۔ مگر اس کے باوجود ابن خلدون کے بیان کے مطابق یہ خبر دشمن کو پہنچ گئی۔

ادھر عسقلان جل رہا تھا ادھر دشمن یافا میں نئی عمارتیں تعمیر کر رہا تھا۔ اس نے شہرپناہ کی مرمت بھی کر لی تھی (الملک العادل کی طرف سے یہ اطلاعات بھی متواتر آ رہی تھیں۔ کہ دشمن کو عسقلان کے گرائے جانے کی کوئی اطلاع نہیں ملی، اور وہ چاہتے ہیں کہ مصالحت کی گفتگو کا سلسلہ دراز ہو جائے تاکہ اس دوران میں عسقلان کی تباہی تکمیل کو پہنچ جائے۔ ابن شداد کے خیال کی رو سے الملک العادل نے مصالحت کی گفتگو جاری ہی اس لئے رکھی تھی۔ ورنہ انہیں شروع ہی میں اس گفتگو کے بے کار ہونے کا احساس ہو گیا تھا۔ جب رچرڈ کے پیغامبر ابن ہنفری نے سلطان سے خواہش کی تھی کہ وہ تمام ساحلی مقامات افرنگیوں کو دے دے۔

یہ گفتگو کوئی ایک مہینہ تک جاری رہی۔ اس دوران میں عسقلان تباہ ہوتا رہا۔ یہ شعبان کی آخری تاریخ تھی۔ جب بادشاہ کو اطلاع ملی کہ دشمن یافا سے نکل کر آس پاس کے مقامات کو تباہ کرنے پر روانہ ہونے والا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی سلطان نے آگے بڑھنے کی تیاریاں کیں۔ ابھی چونکہ عسقلان مکمل طور پر تباہ نہ ہوا تھا۔ اس کے کئی قلعے اور برج سلامت تھے۔ اس نے ان میں آگ لگانے میں بڑی سرگرمی دکھائی۔

اسی دوران میں وہ بیمار بھی پڑا۔ پھر رمضان مبارک آن پہنچا اور اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ رمضان کے پہلے تین روزے سلطان نے نہیں رکھے۔ یہ رمضان کی تیسری تاریخ تھی۔ جب وہ رملہ پہنچا۔ رملے سے لد آیا اور ان دونوں شہروں کی شہر پناہیں گرادیں۔ ابن شداد نے سلطان کی عسقلان سے روانگی کی تاریخ ۲ رمضان لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے:

العماد الکاتب ۳۹۰

ثم رحل السلطان ثانی رمضان نصف اللیل خشیۃ

علی مزاجہ من الحر

اس نے دو رمضان کو آدھی رات کے وقت سفر کیا تاکہ دن کی گرمی کی وجہ سے

اس کی طبیعت خراب نہ ہو جائے۔

وہ عسقلان سے سیدھا اپنے بھائی الملک العادل کی چھاؤنی میں پہنچا۔ بھائی کے خیمہ میں اترا اور گفتگوئے مصالحت کی تفصیل معلوم کی۔ پھر رات اپنے خیمہ میں گزاری۔ صبح رملہ کی طرف بڑھا اور دوپہر کو وہاں پہنچا اور اس کی اور لد کی تخریب کا کام شروع کرادیا۔ وہ دو دن وہاں ٹھیرا اور پھر قدس جا پہنچا۔

وہ قدس میں تھا۔ جب دشمن کی طرف سے دو الگ الگ سفارتیں الملک العادل کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ایک سفارت المرکیس صاحب صور کی طرف سے اور دوسری رچرڈ کی طرف سے آئی تھی۔ المرکیس نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ اگر سلطان اسے صیدا اور بیروت دینے کا عہد کرے تو وہ افرنجیوں پر حملہ کر کے ان سے عکا چھین کر سلطان کے سپرد کر دے گا۔

گو اس نے یہ بڑی بات کہی تھی۔ پھر بھی الملک العادل کی طرف سے اسے جواب لکھوایا گیا کہ وہ پہلے افرنجیوں پر حملہ آور ہو اور ان سے عکا چھین لے تو سلطان اس کے ساتھ صیدا اور بیروت کا تبادلہ کر لیں گے۔

رچرڈ کی طرف سے جو سفارتیں آئیں۔ وہ کوئی واضح بات طے نہ کر سکیں اور اس

دوران میں سلطان، النظرون جا پہنچا۔ اس نے فوج کا غالب حصہ النظرون کی پہاڑی پر اتارا اور یزک جہاں تھا۔ وہیں رہنے دیا۔ النظرون پر بھی ویسی ہی تباہی آئی جیسی لد اور دوسرے شہروں پر آئی تھی۔ اس کی شہر پناہ ٹوٹی اور اس کے گھر بھی جلے۔

سترہ رمضان کو خبر آئی کہ شاہ فرانس نے انطاکیہ میں کچھ دن بیمار رہ کر اس دنیا سے سفر آخرت اختیار کر لیا ہے۔ یوں رچرڈ کے دو بڑے حلیف اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ ایک کو موت چھین لے گئی اور دوسرے کو جنگ کی طوالت نے اس سے منحرف کر دیا۔ رچرڈ کے لئے دوسری خبر پہلے سے زیادہ تشویش بخش تھی۔ جیسے ہی اسے معلوم ہوا۔ کہ المرکیس اس سے غداری کر کے مسلمانوں کے ساتھ مل جانا چاہتا ہے تو اس کے دل کا اضطراب اس قدر بڑھا کہ وہ یافا سے چل کر عکا پہنچا اور اپنی طرف سے اس بات کا خوب انتظام کیا کہ اگر المرکیس کوئی فوج لے کر عکا آئے تو اس کی مدافعت کی جا سکے وہ کئی دن عکا میں رہا۔ پھر لوٹ کر یافا آیا اور الملک العادل کی طرف پیغامبر بھیجے۔

ابن شداد فرماتے ہیں۔ اس بار جو سفیر آیا۔ اس کے ذریعہ بھی رچرڈ نے جو مراسلہ بھیجا۔ اس میں مطالبہ کیا گیا تھا۔

القدس، دوسرے شہر اور صلیب اسے لوٹا دیئے جائیں۔ اس نے لکھا:

المقدس متعبدنا ماننزل عنہ ولو لم یبق منا الا واحداً۔ واما البلاد فیرد الینا ما ھو قاطع الاردن، واما الصلیب فھو خشبۃ عندکم لا مقدار لہ وھوا عندنا عظیم فیمن بہ السلطان علینا ونصطلح ونستریح من ھذا التعب (ابن شداد ۱۵۲)

القدس ہماری عبادت گاہ ہے ہم اس کے لئے اس وقت تک جدوجہد کرتے رہیں گے جب تک ہمارا آخری آدمی زندہ رہے گا۔ دوسرے شہر تو

ان کے بارے میں ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں آپ اردن سے ادھر ادھر کے شہر دے دیں باقی خود رکھیں اور صلیب وہ آپ کے نزدیک محض لکڑی کا ٹکڑا ہے آپ اسے کوئی عزت نہیں دیتے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے۔ سلطان اسے ہمیں دے کر ہم پر احسان کریں اور ہم سے صلح کریں اور اس تکلیف اور پریشانی سے ہم نجات پالیں۔

اس مراسلے کی زبان پہلے مراسلوں کی نسبت بدلی ہوئی تھی مگر سلطان نے اس کے جواب میں جو خط لکھوایا۔ وہ پہلے ہی کی طرح سخت تھا۔ اس میں قطعاً کوئی نرمی نہ تھی۔ اس نے لکھوایا۔

القدس لنا کما ھو لکم و ھو اعندنا اعظم من ما ھو عندکم فانہ مسری نبینا و مجتمع الملائکۃ و لا نتصوران ننزل عنہ و لا نقدر علی التفریط بذالک بین المسلمین و اما البلاد فھی ایضاً لنا فی الاصل و استیلاؤکم کان طارئاً علیھا لضعف من کان فیھا من المسلمین فی ذالک الوقت و ما یقدرکم اللہ علی عمارۃ حجر منھا مادام الحرب قائماً و ما فی ایدینا منھا نا حن بحمد اللہ مغلہ تنتفع بہ۔ و اما الصلیب فھلاکہ عندنا قربۃ عظیمۃ لا یجوز لنا ان نفرط فیھا الا لمصلحۃ راجعۃ الاسلام ھی اوفی منھا

اس خط کے الفاظ پر غور فرمائیے، سلطان کہتا ہے:

قدس ویسے ہی ہمارا ہے جیسے کہ تمہارا، وہ ہمارے نزدیک تم سے زیادہ

عظیم ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے نبی کی سیرگاہ ہے۔ وہاں فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ ہم اس بات کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ ہم اس سے باز آجائیں گے اور نہ ہم اس کی وجہ سے مسلمانوں میں کوئی رخنہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور شہر وہ درحقیقت و دراصل ہمارے تھے۔ تم اس پر عارضی طور پر مسلط ہوئے۔ کیونکہ ان کے رہنے والے مسلمان اس وقت کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن یاد رکھو۔ جب تک لڑائی جاری رہے گی۔ تم ان میں ایک پتھر کا بھی اضافہ نہ کر سکو گے اور جو شہر ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ ہم ان سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہم ان کی فصلیں کاٹتے اور ان کے پھل کھاتے ہیں۔

اور صلیب اس کی تباہی و بربادی ہمارے نزدیک زیادہ مقدس کام ہے۔ ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کہ ہم کسی بڑی اسلامی مصلحت کے سوائے اسے خود سے الگ کریں۔

یہ خط جب رچرڈ کو ملا۔ گو اس کا لہجہ مایوس کن تھا تو بھی وہ نا امید نہ ہوا۔ اور اس بار جب اس کی طرف سے سفیر آیا تو وہ ایک عجیب تجویز اپنے ساتھ لایا تھا۔ رچرڈ کی طرف سے خواہش کی گئی تھی کہ اس سارے جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے الملک العادل اور رچرڈ کی بہن کا نکاح کر دیا جائے۔

العماد الکاتب کے بیان کی رو سے رچرڈ کی بہن نے خود اس بات کی خواہش کی تھی۔ اس نے اپنے بھائی سے آپ اتنی بڑی بات کی التجا کی۔ العماد الکاتب ۲۹۵

اس سفارت کے بعد طرفین میں طے ہوا کہ جتنے متنازعہ فیہ مقامات ہیں۔ الملک العادل اور رچرڈ کی بہن کے تفویض کر دیئے جائیں۔ اس طرح یروشلم میں ایک نئی ریاست قائم ہو جائے۔ القدس ان کا پایہ تخت ہو اور وہیں یہ دونوں رہیں۔

الملک العادل اس بات پر راضی ہو گئے اور انہوں نے یہ بات بھی مان لی کہ وہ

چند گاؤں الداویہ اور استبار کے سرداروں کو بطور جاگیر دے دیں گے ۔

یہ تجویز بظاہر بہت صائب تھی۔ اس سے برسوں کا نزاع ختم ہو جاتا۔ الملک العادل نے سلطان کی اس تجویز کو قبول کرنے کے لئے دس بڑے آدمیوں کا ایک وفد بھی مرتب کیا جس میں ابن شداد، العماد الکاتب، حسام الدین، علم الدین سلیمان، سابق الدین عثمان اور عز الدین تھے۔ یہ لوگ سلطان کی خدمت میں گئے اور درخواست کی کہ اسے قبول کرے۔ سلطان نے اسے قبول کر لیا اور یہ قرارداد، متفقہ طور پر رچرڈ کو لوٹا دی گئی۔

العماد الکاتب ۳۹۳-۳۹۴

العماد الکاتب فرماتے ہیں کہ یہ خبر بہت جلد پھیل گئی۔ دونوں طرف کی فوجوں میں پہنچ کر اسے پر لگ گئے۔ مسلمانوں نے تو اس پر خوشیاں منائیں مگر جب عیسائی فوج میں رہنے والے پادریوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس پر منہ بنایا۔ اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ وفد بنا کر رچرڈ کی بہن کے پاس پہنچے اور اس کو خوب طعنے دیئے۔ اس سے کہا تم عیسائی ہو کر ایک مسلمان کے نکاح میں جاؤ گی۔ یہ ذلت ہم سے برداشت نہ ہوگی۔

العماد الکاتب فرماتے ہیں۔ ان لوگوں کے سمجھانے سے اخت رچرڈ نے اپنا رخ بدل لیا۔

فرہبت بعد ما رغبت و بطلت بعد ما طلبت، و سلت بعد ما سالت۔

حالانکہ اس نے خود یہ رغبت ظاہر کی تھی۔ حالانکہ اس نے خود یہ مطالبہ کیا تھا۔ حالانکہ اس نے خود بھائی سے اس کی خواہش کی تھی۔

گو وہ اپنے ارادہ سے باز آ گئی مگر اس کا دل اب بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح الملک العادل اس کے شوہر بن جائیں۔ اس لئے اس نے پیغامبر کو کہلا بھیجا۔ الملک العادل سے کہیں ہمیں یہ تجویز منظور ہے۔ بشرطیکہ وہ ہمارا دین قبول کر لیں[1]

العماد الکاتب ۳۹۵

یہ پیچھے جو روایت درج ہوئی ہے۔ وہ العماد الکاتب کی ہے۔ ابن شداد فرماتے ہیں۔

لما كان التاسع و العشرون من رمضان استدعانى
الملك العادل فى صحبته و احضر جماعة من الامراء
علم الدين سليمان و سابق الدين و عز الدين بن المقدم
وحسام الدين و شرح لنا ، ما عاد به رسوله من
الانكتار من الرسالة و الكلام و ذالك انه ذكر
انه قد اراد ان يتزوج الملك العادل باخت
الانكتار و كان قد استصحبها معه من صقلية فانها
كانت زوجة صاحبها و قد مات فاندفع اخوها السما
اجتاز بصقلية فاستقرت القاعدة على ان يكون
مستقرّ ملكها بالقدس و ان اخاها يعطيها
بلاد الساحل التى بيده من عكا الى يافا و
عسقلان الى غير ذالك و يجعلها ملكة الساحل
و يجعله ملك الساحل و يكون ذالك مضافاً الى ما
ما فى يده من البلاد و الاقطاع و انه يسلم
اليه صليب الصلبوت و تكون القرى للداويه و الاسبتار
و الحصون لهما و اسرا ان نفده كذالك الامراء و ان الصلح
يستقر على هذه القاعده و يرحل الانكتار طالباً ابن شداد
بلاده فى البحر و ينفصل الامر هكذا ذكر الرسول العادل
عن انكتار و لما عرف ذالك العادل بعث عليه ان استحضرنا
عنده و حملنا هذه الرسالة الى السلطان و جعلنى
للتكلم فيها و الجماعة يسمعون - و لعرض عليه هذا الحديث

فان استصوبه ورآه مصلحة للمسلمين شهدنا عليه بالاذن في ذالك والرضا، وان ابه شهدنا عليه ان الحال في الصلح قد انتهى الى هذه الغاية انه هو الذي رأى ابطاله فلما مثلنا بالخدمة السلطانية عرضنا عليه الحديث و تلونا عليه الرسالة بمحضر من الجماعة من المذكورين فبادر الى الرضا بهذه القاعدة معتقداً ان الانكتار لا يوافق على ذالك اصلاً فان هذه منه مكر وهزل فكررت عليه الرضا بذالك ثلاث مرات وهو يقول نعم ويفرح ويشهد على نفسه به فلما تحققنا منه ذالك عدنا الى الملك العادل فعرفناه بما قال وعرفه الجماعة اني كررت عليه الحديث في تقييد الشهادة عليه وانه اصر على الاذن في ذالك واستقرت القاعدة عليه۔

ابن شداد ۱۵۲-۱۵۳

دوسرے لفظوں میں ابن شداد اس باب میں سب سے بڑی شہادت ہے۔ یہ وہ شخص تھا جسے الملک العادل نے اپنا سفیر و وکیل بناکر سلطان کی خدمت میں بھیجا۔

ابن شداد کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ وہ کہتا ہے:

یہ ۲۹ رمضان تھی کہ الملک العادل نے مجھے اپنے حضور طلب کیا۔ امرا کی ایک اور جماعت (جس میں علم الدین سلیمان، سابق الدین، وعزالدین ابن المقدم و حسام الدین بشارہ تھے) ان سب کے سامنے الملک العادل نے یہ تفصیل بتائی کہ انکتار کا پیغامبر وہاں سے لوٹ کر آیا اور اپنے ساتھ کیا پیغام لایا ہے۔ اس نے بتایا۔ کہ انکتار (رچرڈ) یہ چاہتا ہے کہ الملک العادل کی شادی اپنی بہن سے کردے۔

یہ بہن وہ تھی جو صقلیہ کے تاجدار سے بیاہی تھی جو مر چکا تھا۔ صقلیہ سے گزرتے وقت اسے اپنے ساتھ یہاں لے آیا۔ ان میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ ملکہ کا پایہ تخت القدس قرار دیا جائے۔ اس کا بھائی اسے وہ ساحلی مقامات دے دے گا جو اس کے ہاتھ میں ہیں۔ عکا سے لے کر یافا و عسقلان تک اور اسے ملکہ الساحل بنا دے گا۔ اور الملک العادل کو الملک الساحل تسلیم کرے گا۔ یہ اضافہ ہوگا اس کی ان مملکتوں اور شہروں پر جو اس وقت اس کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے بدلہ میں الملک العادل اسے صلیب الصلبوت سونپ دیگا اور کچھ بستیاں الداویہ و اسبتار کو دی جائیں گی۔ تمام قلعے ان دونوں کے ہوں گے۔ ہمارے قیدیوں کو انکتار چھوڑ دے گا اور ہم افرنگی قیدیوں کو آزاد کر دیں گے اور صلح اس قرارداد پر مبنی ہوگی اور جیسے ہی یہ وقوع میں آجائے گا۔ انکتار یہاں سے اپنے ملک کو روانہ ہو جائے گا جو سمندر سے پرے ہے۔

یہ روئداد اس پیغامبر نے بیان کی جو الملک العادل کی طرف سے انکتار کی طرف گیا تھا۔ اور جب الملک العادل کو یہ بات معلوم ہوئی اس نے ہمیں حاضر ہونے اور یہ خط سلطان کے پاس لے جانے کی دعوت دی۔ مجھے اس نے گفتگو کرنے والا بنایا اور جماعت کو سامع کی حیثیت دی اور ہم سے کہا۔ ہم سلطان کے پاس جائیں۔ اس کی خدمت میں یہ قصہ عرض کریں۔ اگر وہ اسے پسند کریں اور اس میں مسلمانوں کی مصلحت دیکھیں۔ اور اس بات کا اذن دے دیں تو ہم اس کے شاہد بن جائیں۔ اگر انکار کر دے تو بھی ہم شاہد ہوں کہ صلح کی بات یہاں تک پہنچ گئی تھی اور یہ وہ تھا جس نے اسے باطل کیا۔

جب ہم اس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے بادشاہ کے حضور
زبان کھولی ہم نے وہ خط بادشاہ کو پڑھ کر سنایا۔ اس نے اس قرارداد
کو پسند کیا۔ مگر اس کا خیال تھا کہ انگتار اس تجویز کو کبھی عملی جامہ نہیں پہنائے گا۔
یہ محض اس کا مکر وحیلہ ہے۔ یہ محض اس نے دل لگی کی ہے۔

بہرحال میں نے اپنا سوال سلطان کے حضور تین بار دہرایا اور سلطان
نے تین بار نعم کہا۔ اس پر خوشی ظاہر کی اور گواہی دی۔ ہم بادشاہ کی خوشنودی
رضا لے کر الملک العادل کی خدمت میں واپس آئے۔ اسے بادشاہ کی رضامندی
اور پوری کیفیت سے آگاہ کر دیا اور جماعت نے اس سے یہ بھی کہہ دیا کہ
ہم نے اس سے تین بار شہادت لی اور اس نے اپنی بات پر پختگی ظاہر کی
اور بات پکی ہو گئی ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ ابن شداد تھا۔ جو اس قصہ کا پہلا راوی اور اس کا پہلا
شاہد ہے اور جس کی شہادت تحریری صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ دوسرا شاہد
العماد الکاتب ہے جس کا بیان ہے کہ الملک العادل نے مجھے، قاضی بہاءالدین ابن
شداد اور امرا کی ایک جماعت کو بلایا اور ہمیں حکم دیا۔ ہم سلطان کے پاس جائیں اور
اسے اس قصہ سے آگاہ کریں۔

العماد فرماتے ہیں۔ العادل نے انہیں اس سلسلہ میں پوری سعی کرنے کی فرمائش بھی کی۔[1]
العماد الکاتب اور ابن شداد کے بیانات کے بعد اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا
کہ یہ تحریک ہوئی۔ رچرڈ اس کا محرک تھا اور العادل اس کے مرید تھے۔

بہرحال یہ تجویز رد ہو گئی۔ شہزادی جین نے جنہیں بہاءالدین ابن شداد ملکہ کہتے ہیں۔ یہ
تجویز رد کر دی تھی۔[2]

حروب صلیبیہ کے دوران میں جو قصے بہت مشہور ہوئے ان میں شہزادی جین اور الملک العادل

[1] العماد الکاتب ۳۹۴

[2] ابن شداد ۱۵۲

کی محبت کا قصہ بڑی دلچسپی کا موجب رہا ہے۔ گو انگریز مورخین نے اسے جھٹلانے کی بہت کوشش کی ہے۔ اسے افسانہ قرار دیا۔ لیکن یہ تحریک رچرڈ کی طرف سے ضرور ہوئی۔

گو یہ تجویز رد ہو گئی لیکن رچرڈ اور الملک العادل میں جو روابط قائم ہو چکے تھے۔ ان میں کچھ زیادہ فرق نہیں آیا۔ البتہ بیچ میں ایک ایسا واقعہ ضرور ہوا جس سے طرفین میں کافی شکر رنجی پیدا ہو گئی اور لڑائی کی آگ بھی بھڑک اٹھی۔

یہ واقعہ ۱۶ شوال کو پیش آیا۔ سلطان کے حکم سے مسلمانوں کی ایک جماعت جو کئی سو بہادر سواروں پر مشتمل تھی۔ اپنی چھاؤنی سے نکلی اور دشمن کی چھاؤنی کے آس پاس ایک موزوں جگہ پر چھپ گئی۔ اس میں سے کچھ منتخب سپاہی دشمن کے ایک گشتی دستے سے جا ٹکرائے۔ یہ سپاہی اور دشمن کی گشتی فوج، ایک دوسرے سے خوب لڑے۔ مسلمان سپاہی جان بوجھ کر پیچھے ہٹے اور وہاں آ گئے۔ جہاں باقی جماعت چھپی تھی۔ اس جماعت نے کمین سے نکل کر دشمن کو خوب مارا، دشمن گھبرا کر بھاگا اور لڑائی انگریزی چھاؤنی کے قریب جا پہنچی اور اس قدر مشتعل ہوئی کہ دونوں طرف کے ہزاروں جوانمرد اس میں آن کودے۔ پھر بڑے زور کا رن پڑا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

رچرڈ جھکا

یہ لڑائی چونکہ غیر متوقع ہوئی تھی۔ اس لئے افرنجی بُری طرح ہارے اور پٹتے پٹاتے چھاونی میں آن گھسے۔

یہ لڑائی دوپہر تک ہوتی رہی تھی اس میں دشمن کے ساٹھ مشہور سوار قتل ہوئے تھے اور بہت سے مجروح۔ مسلمانوں میں سے بھی کئی نامور سپاہی کام آئے۔ جن میں ایاس الہرانی اور جاولی تھے۔ دشمن کے قیدیوں میں دو بڑے نائٹ بھی تھے۔

ابنِ شداد فرماتے ہیں۔ اسی دن رچرڈ کے نامہ بر الملک العادل کی خدمت میں باریاب ہوئے اور شکوہ کیا کہ یہ لڑائی کیوں چھیڑی گئی ہے[1]

حقیقت یہ ہے کہ رچرڈ کسی آن اب لڑائی کے لئے تیار نہ تھا۔ چونکہ مسلمان تیار تھے اس لئے رچرڈ نے الملک العادل سے ملنے اور مل کر صلح کی گفتگو کرنے کا پیغام دیا۔

الملک العادل نے یہ پیغام قبول کر لیا اور رچرڈ کے استقبال کی تیاریاں کیں۔

یہ جمعہ کا دن اور شوال کی ۸ تاریخ تھی۔ جب الملک العادل بیزک میں آئے اور ایک عظیم الشان خیمہ نصب کرایا[2]۔ العماد فرماتے ہیں۔ اس دن تین شاندار خیمے نصب کئے گئے تھے اور ہر طرح کے میوے۔ مٹھائیاں اور نفیس تحائف سجائے گئے۔

رچرڈ اپنے محافظین کے جھرمٹ میں بڑی شان و شکوہ کے ساتھ یہاں پہنچا۔ الملک العادل نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔ شاہی شامیانے میں اپنے پہلو میں اپنی مسند پر بٹھایا۔ بڑی خندہ پیشانی اور شرافت سے باتیں کیں۔ پھر دونوں نے مل کر ایک ساتھ کھانا کھایا اور ایک

[1] ابن شداد ۱۵۶ العماد الکاتب ۲۹۶ تا ۲۹۸

[2] ابن شداد ۱۵۶ العماد ۲۹۷

دوسرے کو تحفے تحائف دیئے۔

گو اس ملاقات میں کوئی بات طے نہ ہو سکی۔ لیکن اس سے ایک بار اور یہ واضح ہو گیا کہ رچرڈ فوج کی کثرت کے باوجود سلطان کے مقابلہ میں آنے سے کتراتا ہے

یہ ملاقات بھی اس نے اس لیئے کی تھی کہ مسلمانوں کی طرف سے اس کی فوج پر جو حملہ ہوا تھا اس نے افرنجی چھاؤنی میں کافی وہشت پھیلا دی تھی۔

ابن شداد کا خیال ہے رچرڈ کی بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح سلطان صلاح الدین سے ایک بار مل لے۔ اس نے اس ملاقات میں اپنی یہ خواہش بھی ظاہر کی اور وہیں سے ایک سفیر کئی تحفے دے کر سلطان کی خدمت میں بھیجا۔

ادھر سے وہی پہلے سا جواب آیا۔

بادشاہ جب ایک دوسرے سے ملنے لگیں تو ان کو پھر لڑنا زیب نہیں دیتا۔ پھر میں آپ کی زبان نہیں سمجھتا اور آپ میری زبان نہیں جانتے۔ دونوں میں گفتگو ترجمان کے ذریعہ ہو گی تو بہتر ہے ملنے سے پہلے دونوں کے ترجمان پہلے اصل مقصد طے کر لیں۔ پہلے دونوں میں کوئی قرارداد طے پا لے۔ پھر ملاقات ہو جائے گی

ابن شداد کہتے ہیں۔ رچرڈ کو جب سلطان کا یہ جواب ملا تو اس کو بڑی خفت ہوئی اور اسے یقین ہو گیا کہ اس کی غرض اس وقت تک پوری نہ ہو سکے گی۔ جب تک وہ سلطان کی مرضی کے تابع نہ ہو جائے گا[1]

[1] ابن شداد ۱۵۹

ادھر رچرڈ کا نامہ و پیام جاری تھا۔ ادھر حاکم صور کے سفیر آ جا رہے تھے۔ اسی دن پہلے الملک العادل اور پھر سلطان کی خدمت میں حاکم صور کا سفیر حاضر ہوا۔

ابن شداد کا بیان ہے کہ المرکیس حاکم صور نے اپنے تمام ساتھی شہزادوں سے بھڑی کے بھائی کی بیوی سے نکاح کر کے بگاڑ پیدا کر لیا تھا۔ یہ سب اس کی جان کے دشمن ہو گئے

تھے۔ اسی وجہ سے وہ عکا سے بھاگ کر صور جا پہنچا تھا اور قومی محاذ سے علیحدگی اختیار کرلی تھی وہ ہر شرط پر سلطان کی حمایت چاہتا تھا۔ سلطان کے ہاں جب اس کے سفیر نے حاضری دی تو سلطان نے اس کا خوب احترام کیا۔ یہ سفیر خود بھی بڑی حیثیت کا شہزادہ تھا۔ پہلے صیدا اس کی ملکیت تھا۔ سلطان نے اس کے حسب حیثیت اس کی خاطر مدارت کی۔ اپنے خیمہ میں اس کی دعوت کی۔ اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور بڑی دلچسپی سے باتیں کیں لیکن یہ احتیاط رکھی کہ کوئی وعدہ نہیں کیا اور نہ کوئی یقین دلایا۔ کیونکہ دوسری طرف سے رچرڈ سے ابھی نامہ و پیام جاری تھا۔

رچرڈ کو بھی یہ بات معلوم ہوگئی تھی۔ اس لئے اس کی طرف سے مصالحت کی جدوجہد تیز ہوگئی تھی۔ اس لئے وہ خود بھی آیا تھا اور پھر دوسرے ہی دن ایک مشہور سیاستدان ابن ہنفری کو جس کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی اور جس کی دانائیوں کی شہرت عام تھی سلطان کی خدمت میں بھیجا اور پہلی تجویز میں ایک ترمیم پیش کی۔

آپ اپنی طرف سے تمام ساحلی شہر اپنے بھائی کو دے دیں اور ہم بھی انہیں اپنی طرف سے اپنا نمائندہ مان لیں گے۔ مجھے آپ کی سیاسی برتری منظور ہے۔ آپ میرے اور ان کے مابین حکم ہوں گے۔

میں یہ تجویز اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ نہ مسلمان آپ کو ملامت کر سکیں اور نہ عیسائی مجھے طعن کریں۔

اس زمانہ کے عیسائیوں کی ذہنیت بھی کچھ عجیب تھی کہ انہیں رچرڈ اور سلطان کے نامہ و پیام اور خصوصیت سے الملک العادل سے اس کا دوستانہ تعلق ایک آنکھ نہ بھاتا اور انہوں نے اس ملاقات پر بہت ہی افسوس ظاہر کیا جو رچرڈ کی اپنی خواہش کی بنا پر ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ رچرڈ کے سفرنامہ کے مصنف کو بھی جو رچرڈ کے ہر فعل کی تعریف کرنا اپنا قومی فریضہ جانتا تھا یہ ملاقات ناگوار گزری اور اس نے اس ملاقات پر افسوس ظاہر

کرتے ہوئے لکھا

سیدھے سادے رچرڈ پر چالاک الملک العادل نے اپنی چرب زبانی سے قابو پالیا اور دونوں ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔

لین پول اعتراف کرتا ہے کہ الملک العادل سے رچرڈ کی ملاقاتیں اور تحفے تحائف کا تبادلہ، عام عیسائی سپاہیوں کے نزدیک رچرڈ کا ایک بڑا گناہ تھا۔

اس کے باوجود رچرڈ کی روش نہ بدلی، بلکہ لین پول کی روایت کے مطابق رچرڈ آخر وقت تک اپنی بہن کو الملک العادل سے بیاہنے کے خیال پر جما رہا اور اس نے ایک خط میں اس سلسلہ میں اس کا جو آخری خط تھا۔ الملک العادل کو لکھا کہ گو عام عیسائی، میری اس تجویز کے مخالف ہیں کہ میں اپنی بہن کا نکاح آپ سے کروں تاہم میں ابھی تک اس ارادہ پر قائم ہوں اور پاپائے روم سے استصواب کرنے والا ہوں۔[۱]

رچرڈ کو الملک العادل سے رشتہ قائم کرنے کی اس درجہ خواہش تھی کہ اس نے عیسائیوں کی مخالفت کے باوجود الملک العادل کو ایک اور تجویز پیش کی۔

نہیں تو میری بھتیجی سے نکاح کر لو

یہ تجویز اس نے اس لئے پیش کی تھی کہ یہ بھتیجی اس کے قبضہ و اختیار میں تھی۔ وہ اسے کسی دوسرے سے مشورہ لئے بغیر الملک العادل کے نکاح میں دے سکتا تھا شہزادی جین چونکہ بیوہ تھی اور ایک دوسرے فرمانروا کی بیوی رہ چکی تھی۔ یوں بھی پادریوں نے اسے اپنے چنگل میں پھانس لیا تھا۔ اس لئے رچرڈ کو اس پر اختیار حاصل نہ تھا اور بقول ابن شداد وہ رچرڈ سے اس تجویز کی بنا پر ناراض بھی ہو گئی تھی۔

ابن شداد نے رچرڈ کی اس تجویز کا ذکر ۱۶ شوال کے مذاکرہ میں کیا ہے۔ یہ مذاکرہ ابن الہنفری جیسے زیرک اور دانا و بینا سیاست داں کی موجودگی میں ہوا۔ اس مذاکرہ میں رچرڈ کے خاص سفیر بھی حاضر تھے۔ ابن ہنفری ترجمان بنا اور یہ بات طے ہو گئی کہ سلطان

[۱] لین پول ۳۰۹

اور الملک العادل کے دو نمائندے رچرڈ کے پاس جائیں۔ ایک نمائندہ سلطان کی ترجمانی کرے اور ایک الملک العادل کی کیونکہ اس سفارت کا موضوع الملک العادل تھے۔ اس وقت گفتگو الملک العادل اور شہزادی جین کے نکاح کے متعلق تھی۔ اور رچرڈ کے سفیر یہ کہنے آئے تھے کہ اگر شہزادی جین راضی نہ ہوئیں۔ یا اگر پاپائے روم نے اس نکاح کی حمایت نہ کی۔ تو ہ۔

زوجنا الملک العادل بابنۃ اخی الملک وھی بکر

ہم الملک العادل کو بادشاہ کی بھتیجی سے بیاہ دیں گے جو کنواری ہے

ابن شداد فرماتے ہیں ہ۔

وذکروا ان من دینھم ان الب بانما یحتاج الی اذنہ فی تزویج الشیب من بنات الملوک واما الابکار فیزوجھا اھلھا!

"انہوں نے یعنی سفیروں نے یہ بھی ذکر کیا کہ ان کے مذہب کی رو سے پاپائے روم کی اجازت کی ضرورت شادی شدہ شاہزادیوں کے نکاح میں ہوتی ہے۔ البتہ کنواریاں اس اجازت کا موضوع نہیں ہوتیں۔ ان کے گھر والے ان کا نکاح اپنی مرضی سے جہاں چاہیں کر سکتے ہیں"۔

لین پول کہتا ہے کہ الملک العادل نے اس تجویز سے اختلاف کیا تھا لیکن ابن شداد نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ اس کا بیان ہے کہ جب سلطان کا دربار ختم ہوا تو شاہی پیغامبر الملک العادل کے خیمہ میں آئے تاکہ بادشاہی سفیر کو اپنے ساتھ لے کر رچرڈ کے پاس جائیں۔

جب یہ گفتگو ابھی ہو رہی تھی۔ یزک میں خبر پہنچی کہ بہت سے عیسائی سوار چھاؤنی چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں اور انہوں نے خندقیں خالی کر دی ہیں۔ یہ خبر سلطان کو پہنچی تو اس نے

کوچ کا حکم دیا اور تل الجزر آن پہنچا! پھر اس نے قدس کی راہ لی۔

اب سردی بہت زور کی پڑنے لگی تھی۔ سردی کے سبب دونوں چھاؤنیاں قریب قریب ویران ہو گئی تھیں۔ سلطان، قدس آ گئے تھے۔ اور افرنگی اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے تھے۔ عیسائی چھاؤنی میں صرف وہی فوج رہ گئی تھی جو سمندر پار سے آئی تھی۔ خود رچرڈ یافا سے عکا پہنچ چکا تھا۔ وہیں سے اس کا ایک اور پیغامبر الملک العادل کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک اور تجویز اپنے ساتھ لایا۔ رچرڈ نے الملک العادل سے بیروت مانگا تھا۔ الملک العادل نے یہ تجویز بھی مان لی۔ نیز صلیب دینے کا اقرار بھی کر لیا۔ یہ بات بھی مان لی کہ القمامہ میں عیسائیوں کے لئے ایک گرجا مخصوص کر دیا جائے گا۔ نیز انہیں زیارت کی کھلی اجازت ہو گی۔ بشرطیکہ وہ مسلح ہو کر نہ آئیں۔

اس کے بعد کئی اور سفیر آئے گئے۔ یہاں تک کہ الملک العادل کی طرف سے اطلاع آئی کہ رچرڈ عکا سے یافا پہنچ چکا ہے۔ انہوں نے رچرڈ کی یہ درخواست رد کر دی ہے۔ کہ دونوں پھر ایک دوسرے سے ملیں۔ اس خط و کتابت میں دونوں کی طرف سے نئی نئی تجویزیں پیش کی جاتی رہیں جو نیا خط آتا۔ اس میں رچرڈ کے مطالبات پہلے کی نسبت کم ہو جاتے!

دشمن پریشان ہوا

لین پول نے رچرڈ کے سفرنامے سے اس درمیانی وقفہ کی جو سردیوں کی آمد سے شروع ہوا۔ ایک عجیب اور دلچسپ کیفیت نقل کی ہے۔ اس کا بیان ہے:

رچرڈ کو چونکہ شام کے جاڑے کا تجربہ نہ تھا۔ اس لئے اسے جیسے ہی معلوم ہوا کہ سلطان نے اپنی فوجوں کو چھٹی دے دی ہے۔ اس نے یروشلم کی طرف کوچ کیا۔ وہ یافا سے چل کر کوئی گیارہ میل آگے بڑھا۔ چھ ہفتے تک اس کی فوج رملہ میں ٹھیری۔ پھر وہاں سے بیت نوبا کی طرف چلی جو آٹھ میل اور آگے تھا۔

یہاں سے یروشلم صاف دکھائی دیتا تھا! ابھی عیسائی فوج کو بیت نوبا پہنچے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ زور کی بارش ہونے لگی۔ بارش اور پھر سردی، ان دونوں چیزوں نے مل کر فوج کی خوب خبر لی۔ بہت سے بار برداری کے جانور ہلاک ہو گئے۔ طوفان باد و باراں نے اس قدر زور باندھا کہ خیموں کے کھونٹے اکھڑ گئے۔ ہتھیاروں کو زنگ لگ گئے اور سپاہیوں کے کپڑے پھٹ گئے۔ گوشت کے ذخیرے خراب ہو گئے اور سپاہی بیمار ہونے لگے۔

اس کے باوجود یروشلم ہمارے سامنے تھا اور ہم بیت المقدس کی زیارت کا شرف پانے والے تھے۔ یہی آرزو ہمیں یہاں تک لائی تھی۔ خصوصیت سے عوام تو اڑ کر بیت المقدس پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم میں سے جو عقلمند لوگ تھے وہ اس چاہت کے خلاف تھے خصوصیت سے طبقہ داویہ اور اسبتار اور دوسرے شامی جو آنے والے حالات سے

آگاہ تھے۔ یروشلم کے سفر کے حامی نہ تھے۔ ان لوگوں نے رچرڈ کو مشورہ دیا کہ وہ قطعاً آگے نہ بڑھے۔ واپسی اختیار کرے۔ رچرڈ نے ان لوگوں کی بات مان لی اور ہم لوگ برف اور ژالہ باری کی مصیبتیں برداشت کرتے پھر رملہ کو لوٹے۔

عیسائی فوج جس زمانہ میں رملہ میں مقیم تھی۔ اس پر بد دلی مسلط تھی۔ سپاہی کہیں بھاگ جانا چاہتے تھے۔ وہ اس دن کو کوس رہے تھے۔ جب وہ اس دنیا میں آئے۔ اس بد دلی نے بہت سے سپاہیوں کو لشکر سے الگ بھی کر دیا۔ بہت سے فرانسیسی سپاہی چھاؤنی سے کٹ کر یافا چلے گئے۔ کچھ نے عکا کا رخ کیا۔ بعض صور کی طرف بھاگ گئے۔

اس بد دلی کو دور کرنے کے لئے رچرڈ نے ایک تجویز کی کہ وہ عسقلان کو آباد کرے۔ یہ تجویز اور زیادہ بد دلی کا سبب بنی۔ خصوصیت سے جاڑے کے زمانہ میں اس قسم کے بوجھل اور تھکا دینے والے کام کو کوئی شخص بھی اچھا نہ سمجھتا تھا۔ لیکن بیچاری بد دل فوج حکم کی بندی تھی۔ وہ رچرڈ کے حکم پر عسقلان کی طرف روانہ ہو گئی۔ رستہ میں اس پر بڑے عذاب نازل ہوئے۔ ہر جگہ کیچڑ اور دلدل سے اسے گزرنا پڑا۔ آج کی مصیبتیں کل کی مصیبتوں سے بڑھ جاتیں۔ خستہ حال سپاہی آگے بڑھتے تو برف کے تھپیڑوں سے ان کے منہ لال ہو جاتے۔ بارش اور ہوا نے ان کے جسم شل کر دیئے تھے۔ برسات کی وجہ سے زمین سخت نرم ہو گئی تھی۔ کتنے ہی سوار اور گھوڑے اس نرم زمین پر چلتے وقت اس میں دھنس گئے۔

ایسی ہی مصیبتوں کا مقابلہ کرتی فوج عسقلان پہنچی۔ عسقلان پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ سلطان نے شہر کو بہت بری طرح تباہ کیا تھا اور اس کی تعمیر آسان کام نہیں ہے۔ بہر حال عیسائی فوج کوئی چار مہینے تک عسقلان میں پڑی رہی اور با دل ناخواستہ تعمیر کا کام کرتی رہی۔

اس دوران میں انگلستان سے خبر آئی کہ رچرڈ کے نائب نے ملک پر ظلم وستم کا سلسلہ کچھ اس طرح دراز کیا ہے کہ ساری رعایا چیخ اٹھی ہے اور پھر اس شخص نے رچرڈ کے تخت پر آپ بیٹھنے کی تیاریاں مکمل کرلی ہیں۔ رچرڈ کے لئے یہ خبر بہت تکلیف دہ تھی۔ اس نے وطن لوٹنے کا ارادہ کیا۔ مگر یہ سیاست کے خلاف تھا۔ کہ وہ یروشلم کی فوج کو کسی بڑے آدمی کے سپرد کئے بغیر یہاں سے چل دیتا۔ اس لئے اس نے بادشاہ گائی اور المرکیس کے بارے میں لوگوں سے رائے لی۔ صور کا المرکیس عوام میں زیادہ محبوب تھا۔ اس کے نام قرعہ فال پڑا۔ ابھی کوئی بات طے نہ ہو پائی تھی کہ اسے حشیش کے شیخ کے دو فدائیوں نے قتل کر ڈالا اور کمپاگنی کا ہنری یروشلم کی فوج کا بادشاہ بنا۔

القدس کی سمت

لین پول کہتا ہے جس زمانہ میں یہ واقعات پیش آ رہے تھے۔ صلاح الدین یروشلم میں آرام کے ساتھ جاڑا بسر کر رہا تھا۔

ابن شداد کے بیان کی رو سے، المرکیس کا قتل ۱۳ر ربیع الآخر ۵۸۸ھ کو وقوع میں آیا اور ۱۶ر کو اس کی خبر سلطان کو ملی۔ اس کے قاتل اس کی اپنی جماعت کے آدمی تھے۔ جنہوں نے رچرڈ کے اشارہ پر یہ اقدام کیا تھا؎

؎ ابن شداد ۱۶۵

رچرڈ یا افرنجیوں کی القدس کی طرف پیش قدمی اس واقعہ کے بعد ہوئی تھی۔

ابن شداد کے بیان کی رو سے عیسائی فوج، جمادی الاول ۵۸۸ھ میں القدس کی طرف بڑھی۔ اس نے پہلے الدارون پر قبضہ کیا۔ وہاں جتنے مسلمان تھے، ان کا قتل عام کیا، اور اس کے انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد جبل الخلیل کی طرف پیش قدمی کی، اور مجدل یابا کے قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ ان میں اور مسلمانوں کی ایک جماعت میں بڑی سخت لڑائی ہوئی اور دشمن ناکام ہو کر اپنی چھاؤنی میں لوٹا۔

دشمن کے آگے بڑھنے کی خبروں نے بادشاہ کی پریشانی بڑھا دی اور اس نے اسی لمحہ اپنے عساکر کے نام طلبی کے پروانے جاری کئے۔ طلبی کے پروانے کیا جاری ہوئے مسلمان سپہ سالار اور سردار اڑ اڑ کر بادشاہ کی طرف آنے لگے۔ سب سے پہلے بدرالدین دلدرم ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ اسلامی چھاؤنی میں پہنچا اور پھر دوسری فوجیں بھی آن پہنچیں عساکر اسلامیہ کے آتے ہی بادشاہ نے انہیں دشمن کے مقابلہ میں بھیجا۔

ابوالہیجا السمین، بدرالدین ولدرم اور ابن المقدم نے عساکرِ اسلامیہ کی قیادت کی۔ یہ فوج آگے بڑھی تو دشمن گھبرا کر پیچھے ہٹا اور عسقلان کی راہ اختیار کی۔

لیکن ایکا ایکی، ۲۳ جمادی الاولیٰ کو پھر خبر آئی کہ دشمن کے سوار اور پیادے اور ساز و سامان پھر حرکت میں آ چکا ہے۔ اور وہ آگے بڑھ کر تل الصافیہ پر خیمہ زن ہے۔ سلطان نے جنگی کانفرنس طلب کی۔ ادھر ابھی صلاح و مشورہ جاری تھا کہ ایک اور خبر آئی۔ کہ دشمن تل الصافیہ سے النطرون جا پہنچا ہے (یہ خبر ۲۶ جمادی الاول کو ملی) یہاں سے وہ آگے بڑھا اور اسی دن بیت نوبا جا پہنچا (۲۷ جمادی الاولیٰ)

ابن شداد
العماد الکاتب
۳۲۴

اس خبر پر پھر مشورہ ہوا اور طے پایا کہ فوج کا ایک حصہ شہر پناہ کو اپنے اوپر تقسیم کر کے اپنی اپنی جگہیں مدافعت کے لئے منتخب کرے اور دوسرا حصہ آگے بڑھ کر دشمن سے مقابلہ کرے۔

گویا اس وقت سلطان کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ دشمن یروشلم یا بیت المقدس پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔

سلطان کی جو فوج بدرالدین ولدرم کی قیادت میں آگے بڑھی، اس میں اور دشمن کی ایک جماعت میں سخت مقابلہ ہوا۔ دشمن کی جماعت نے ہزیمت اٹھائی۔ کئی آدمی مارے گئے اور کئی قید کر کے ولدرم بیت المقدس لے آئے۔ اس واقعہ نے دشمن کے حوصلے توڑ دیئے اور اس میں بزدلی پیدا کر دی۔ اس کے برعکس اسلامی فوج اتنی جری ہو گئی کہ عین دشمن کی چھاؤنی تک جا پہنچی۔

تین جمادی الآخر تک اسلامی فوج دشمن کو خوب پریشان کرتی رہی۔ ابن شداد نے اس کے بعد کے واقعات نہیں لکھے۔ البتہ گیارہ تاریخ کے ایک اندوہناک واقعہ کی تفصیل لکھی ہے۔ اس واقعہ نے دشمن کے حوصلے بڑھا دیئے اور اسلامی لشکر شرم کی وجہ سے سرنگوں ہو گیا۔

یہ واقعہ سچ مچ اندوہناک تھا مصر سے ایک بڑا کارواں بہت سے ساز و سامان اور کئی ہزار سپاہ کے ساتھ اسلامی لشکر کی طرف بڑھا چلا آرہا تھا۔ اس قافلہ میں تین ہزار سے زائد اونٹ اور اسی قدر گھوڑے تھے۔ ان اونٹوں پر جو سامان لدا تھا۔ وہ بے انتہا تھا۔ کسی نے اس قافلہ کی مخبری کی اور عین اس وقت جب یہ الخویلفہ کے مقام پر پانی لینے کے لئے اترا تھا۔ رچرڈ اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ اس پر آن گرا تھا۔ سوار تو تین حصوں میں بٹ کر جدھر منہ اٹھا بھاگ اٹھے۔ تین ہزار اونٹ، ان کا سامان، پانچ سو گھوڑے اور اسی قدر آدمی دشمن نے پکڑ لیے[1]

ابن شداد فرماتے ہیں۔ یہ خبر اسی رات کے اخیر حصہ میں سلطان کو پہنچی۔ ابن شداد وہاں موجود تھے۔ سلطان کو بہت سخت رنج پہنچا۔ میں نے تسلی دینے کی بہت کوشش کی مگر اس کا غم ہلکا نہیں ہوا۔ فوج پر بھی اس کا اثر پڑا، اور فوج شہر پناہ میں آن کر محصور ہونے کی تیاریاں کرنے لگی۔

سلطان کو دشمن کے حملہ آور ہونے کا اس قدر یقین ہو گیا تھا کہ اس نے حکم دیا۔ کہ القدس کے باہر جتنے کنوئیں یا پانی کے ذخیرے ہیں خراب کر دیئے جائیں تاکہ دشمن کو پانی میسر نہ آسکے۔ نیز اس نے آدمی ہر طرف دوڑا دیئے کہ فوجیں جمع کر کے لائیں۔ جب یہ واقعہ پیش آیا۔ الملک الافضل اور الملک العادل اور الملک الظاہر تینوں یہاں نہ تھے۔ ان میں سے دو دمشق میں اور ایک حلب میں تھا اور کئی اور فوجیں بھی یہاں نہ تھیں۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد یعنی آخر جمادی الآخر میں بہت سی اسلامی فوجیں دمشق میں جمع ہو گئی تھیں۔ جن میں صاحب موصل علاؤ الدین اور صاحب سنجار جیسے بڑے فرمانرواؤں کی فوجیں بھی تھیں۔

---

[1] ابن شداد ۱۷۲۔ العماد الکاتب نے کوئی تعداد نہیں بتائی۔ اس کے الفاظ ہیں:

فاخذ الکفار جمالاً لا تعد و احمالاً لا تحد۔ العماد الکاتب ۴۳۶

ابن شداد نے اس پریشانی کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جس میں جمادی الآخری کے وسط آخر میں مسلمان مبتلا تھے۔ دشمن کی اپنی حالت سخت خراب تھی۔ اس پر جو مصائب گزر رہے تھے۔ ان کا مسلمانوں کو کوئی علم نہ تھا اگر انہیں علم ہو جاتا تو انہیں اتنی پریشانی نہ ہوتی۔ ابن شداد نے ایک جمعرات اور جمعہ کی روئداد لکھی ہے۔ اس جمعرات و جمعہ کے دن متواتر فوجی مجلسیں منعقد ہوتی رہیں۔ ابن شداد نے جہاد پر ایک بڑی مؤثر تقریر کی۔ قوم کے بقا و دفاع کی خاطر جہاد کرنے کے فضائل بیان کیے اور مسلمانوں کو اللہ کی طرف رجوع کی دعوت دی۔ ابن شداد کا اپنا بیان ہے کہ سلطان بہت متاثر تھا خصوصاً جمعہ کے دن نماز جمعہ میں وہ اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور مصلیٰ بھیگ گیا۔

ابن شداد ۲۷۴

یہ کیفیت ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت مسلمان ایک عجیب مایوس کن عالم میں تھے۔ یہ عالم رات تک قائم رہا۔ اچانک رات کے وقت، یزک کے سپہ سالار جردیک کی طرف سے ایک رقعہ آیا جس میں لکھا تھا کہ دشمن کوچ کر کے تل میں اترا۔ وہاں اس نے دوپہر کا وقت کاٹا۔ پھر اپنی چھاؤنی کی طرف لوٹ گیا ہے۔ ہم نے اپنے جاسوس مقرر کر دیئے ہیں۔ تاکہ ہمیں اس کے نقل و حرکت کی خبریں ملتی رہیں۔

ہفتہ کی صبح کو ایک اور رقعہ جردیک کی طرف سے موصول ہوا۔ اس نے خبر دی کہ اس کے جاسوس لوٹ آئے ہیں اور ان کی زبانی اسے معلوم ہوا ہے کہ دشمن کی فوج قدس پر حملہ کرنے اور اپنے وطن لوٹ جانے کے موضوع پر آپس میں جھگڑ پڑی ہے۔ فرانسیسیوں کا خیال تھا قدس پر حملہ کر دیا جائے۔ وہ اسی کی خاطر یروشلم کی زمین پر اترے ہیں اور وہ وہاں گئے بغیر اپنے وطن واپس نہیں ہوں گے۔ رچرڈ قدس پر حملہ کے لئے آمادہ نہ تھا۔ اس نے دلیل دی ایسے حال میں جب قدس کے تمام کنوئیں خراب کر دیئے گئے ہیں۔ ہمیں اس کا محاصرہ کرنے میں بہت دقتیں ہوں گی۔

دونوں میں اس موضوع پر خوب تکرار رہی۔ یہاں تک کہ فیصلہ ہوا کہ تین سو بڑوں کی ایک کونسل بنا دی جائے جو فیصلہ کرے۔ تین سو آدمیوں کی جو کونسل بنی۔ اس نے یہ کام بارہ بڑوں پر چھوڑا۔ بارہ بڑوں نے فیصلہ تین کے سپرد کیا اور خود الگ ہو گئے۔ ان تین نے بڑے سوچ بچار کے بعد حکم دیا کہ واپسی اختیار کی جائے!

سو انہوں نے رملہ کی طرف واپسی اختیار کر لی ہے۔[1]" ابن شداد ص ۱۶۵

یہ ایک امر واقعہ ہے جس کی طرف رچرڈ نے اپنے ایک مکتوب میں بھی اشارہ کیا تھا کہ اس لمبی لڑائی نے مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کی کمر توڑ دی تھی۔[2] ابن شداد ص ۱۶۶ دونوں میں لڑنے کا یارا نہیں رہا تھا۔ عیسائی بھی بری طرح تھک گئے تھے اور مسلمان بھی۔ دونوں کی خواہش تھی کہ لڑائی ختم ہو جائے۔ عیسائی نسبتاً زیادہ بے قرار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ رچرڈ نے ابن شداد کے قول کے مطابق اپنی فوج کو پیچھے کی طرف لے جاتے ہوئے سلطان کو لکھا

انی راغب فی مودتک وصداقتک وانہ لا یرید ان یکون
فرعون یملک الارض ولا یظن ذلک منک ولا یجوز لک
ان تہلک المسلمین کلھم ولا یجوز لی ان اھلک
الافرنج کلھم وھذا ابن اختی الکندھری قد ملکتہ ھذہ
الدیار وسلمتہ الیک لیکون ھو وعسکرہ تحت
حکمک ولو استدعیتھم الی الشرق سمعوا واطاعوا
یقول ان جماعۃ من الرھبان المنقطعین قد طلبوا منک
کنائس فما بخلت علیھم بھا وانا اطلب منک کنیسۃ

اس خط کی زبان ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے! رچرڈ سلطان کو لکھتا ہے۔

میں آپ کی دوستی اور صداقت کا طلب گار ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ فرعون کی طرح زمین پر قبضہ کیے چلا جاؤں۔ نہ میرا آپ کے بارے میں یہ خیال ہے۔

آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ آپ لڑتے لڑتے سارے مسلمانوں کو کٹوا دیں۔
اور نہ میرے لئے یہ مناسب ہے کہ میں سارے افرنگیوں کو ہلاک کرا دوں۔
یہ میرا بھانجا کندھری ہے۔ میں نے اسے اپنی طرف سے اپنے شہروں
پر اپنا جانشین بنا دیا ہے۔ میں اسے آپ کو سونپے جا رہا ہوں۔ تاکہ وہ
اور اس کا لشکر آپ کے تابع فرمان رہے۔ آپ اسے جو حکم دیں گے۔ وہ اس کی
پیروی کرے گا۔

آپ سے کچھ پادریوں اور رہبانوں نے کئی کنیسے مانگے تھے۔ آپ نے ان کی
درخواست قبول کر لی تھی اور ذرا بخل سے کام نہ لیا۔

میں بھی آپ سے ایک کنیسہ مانگتا ہوں۔"

پھر وہ اپنا لہجہ اور زیادہ بدلتا ہے:

الملک العادل کے ساتھ خط و کتابت کے وقت میں نے آپ سے جو مطالبات
کئے تھے اور ان سے آپ کو رنج پہنچا تھا۔ میں ان سب سے اعراض کرتا ہوں
کسی ایک کو بھی نہیں دہراتا۔ اگر آپ مجھے کوئی ویرانہ دے دیں گے تو مجھے
اس کے لینے سے بھی عذر نہ ہو گا۔

یہ خط کتنا موثر اور کتنا دوستانہ تھا۔ سلطان اس سے بہت متاثر ہوا اور اس نے اس
کے جواب میں لکھوایا:

اذا دخلت معنا هذا الدخول فما جزاء الاحسان الا الاحسان
ان ابن اختك يكون عندي لبعض اولادي وسيبلغك ما
افعل معه وانا اعطيك اكبر الكنائس وهي القمامة و
اما بقية البلاد فنقسمها فالساحلية التي بيدك
تكون بيدك والذي بايدينا من القلاع الجبلية

یکون لنا وما بین العلمین یکون مناصفة وعسقلان وما وراء یکون خرابًا لا لنا ولا لکم وان اردتم قراها کانت لکم والذی کنت اکرہ حدیث عسقلان

یہ خط بڑا مختصر ہے، لیکن بہت جامع ہے۔ اس سے دوستی کی روح ٹپکتی ہے۔ اس سے صلح کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے مگر رچرڈ کے خط میں سا تملق اس میں قطعاً نہیں ہے۔ ایک بڑے اور خوددار بادشاہ کی روح لفظ لفظ میں بول رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

جب آپ نے ہمارے ساتھ اس حد تک آنے کا ارادہ کر لیا ہے جب آپ ہمارے اتنے قریب آ گئے ہیں تو احسان کا بدلہ احسان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ آپ کا بھانجا کندھری مجھے اپنی اولاد کی طرح عزیز ہوگا۔ میں اس کے ساتھ جو سلوک کروں گا اس کی خبر آپ کو مل جائے گی۔ میں نے آپ کو سب سے بڑا کنیسہ یعنی قمامہ دے دیا ہے۔ دوسرے شہروں کو ہم تقسیم کر لیں گے جو آپ کے پاس ہیں۔ وہ آپ ہی کے سمجھے جائیں گے۔ جو ہمارے قبضہ میں ہیں وہ ہمارے ہوں گے۔ دونوں کی سرحدوں کا درمیانی علاقہ آپس میں بانٹ لیا جائے گا عسقلان اور اس کے پرے کے ویران شہر نہ ہمارے ہوں گے نہ آپ کے عسقلان کی آبادی مجھے سخت ناپسند ہے!"

ابن شداد کے بیان کی رو سے رچرڈ کا تیسرا پیغامبر ۲۹ رجمادی الآخر کو بادشاہ کے حضور باریاب ہوا اور اس خط کا جواب لایا۔ اس خط کا ملخص یہ تھا کہ رچرڈ سلطان کا شکر گزار ہے۔ البتہ اس کی خواہش ہے کہ القدس کے قلعہ میں، ان کے بیس آدمیوں کو رہنے کی اجازت دی جائے۔ اور وہاں اگر کچھ عیسائی رہنا چاہیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ باقی شہروں میں سے ہمارے لئے ساحلی شہر اور بستیاں ہوں اور آپ کے لئے پہاڑی!

اس کے علاوہ پیغامبر نے کچھ زبانی باتیں کہی گئیں جن سے رچرڈ کے جذبہ مصالحت کا

اور بھی یقین ہوا۔ اس پیغامبر کے ہاتھ رچرڈ نے سلطان کے لیئے دو باز بھی بھیجے تھے۔
پہلے کی طرح سلطان نے یہ خط، امرائے لشکر کو پڑھ کر سنایا اور ان سے رائے لی۔ پھر اس کا جواب لکھا۔

ان باتوں پر اصرار کیا۔

۱۔ قدس سے ان کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ البتہ انہیں زیارت کے لیئے آنے کی اجازت ہوگی۔

۲۔ عسقلان اور اس سے پیچھے کے مقامات ویران ہی رہیں گے۔

۳۔ الدارون بھی ویران کر دیا جائے گا۔

۴۔ آپ کے لیئے یافا سے لے کر صور تک کے علاقے اور ان کے نواح ہوں گے۔

یہ جواب تین رجب کو رچرڈ کے سفیر کے حوالے کر دیا گیا۔ سلطان نے اپنی طرف سے ایک پیغامبر بھی روانہ کیا!

ادھر سے اصرار ہوا کہ الدارون سے لے کر انطاکیہ تک کے مقامات انہیں دیئے جائیں اور ہم عسقلان کا ایک پتھر بھی نہیں توڑیں گے۔

اس خط میں رچرڈ کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فوج نے شرائط صلح منظور نہ کی تھیں۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ رچرڈ نے عسقلان کو از سر نو آباد کرنا شروع کر دیا تھا اور کئی مہینے اس کو آباد کرنے پر ضائع کیئے تھے اور بہت سا روپیہ بھی صرف کیا تھا اسی لیئے اس نے اس بات کو اپنے لیئے بے عزتی کا سبب سمجھا کہ عسقلان کو پھر سے تباہ کر دے
سلطان کو جب یہ خط پہنچا اور اس نے اس کی عبارت پڑھی، تو اس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ لیا اور اللہ کا نام لے کر دشمن سے ایک بار اور تلوار کے زور سے ہر بات فیصل کرنے کا عزم کر لیا۔

آخری لڑائی

اس خط نے جس کا ذکر ہم نے پیچھے کیا۔ دونوں میں پھر تعلقات بگاڑ دیئے تھے اور صلح ہوتی ہوتی رہ گئی تھی۔ رچرڈ کا یہ آخری خط عکا سے آیا تھا۔ اس خط کے فوراً بعد سلطان کو مخبروں نے خبر دی کہ رچرڈ اوپر اوپر سے صلح چاہتا ہے۔ ورنہ درحقیقت اس کی نیت یہ ہے کہ عکا سے سمندر کے ذریعہ بیروت پہنچے اور اس پر قبضہ کرلے۔ جیسے ہی سلطان کو یہ خبر ملی۔ اس نے اپنے بیٹے الملک الافضل اور اس کے ساتھیوں کی طرف نامہ بردوڑائے کہ وہ بیروت کی تمام راہیں دشمن پر مسدود کر دیں۔ دشمن سے قدم قدم پر مقابلہ کریں اور اگر انہیں یقین ہو جائے کہ دشمن حقیقتاً بیروت جانا چاہتا ہے تو تیزی سے بیروت پہنچ جائیں اور دشمن کے وہاں جانے سے پہلے شہر میں داخل ہو جائیں[1]

[1] العماد الکاتب ۴۳۹

یہ حکم دینے کے بعد وہ خود قدس سے نکلا۔ اس وقت اس کے ساتھ اس کی ذاتی فوج تھی۔ وہ قدس سے چل کر الحبیب پر ٹھیرا۔ وہاں سے وہ بیت نوبہ آیا۔ اور القدس کی فوج کو فوری طلبی کے احکام بھیجے۔ بیت نوبہ سے چل کر وہ رملہ پہنچا۔ اس کے پیچھے پیچھے تمام فوجیں بھی بھاگتی ہوئی آئیں یہ رجب ۵۸۸ھ کی پندرہ تاریخ تھی۔

جب سلطان نے اپنی ساری فوجوں کے ساتھ یافا کے باہر چھاؤنی ڈال دی اور اس کا محاصرہ شروع کیا۔ حسب دستور اس نے اپنی فوجوں کو تین حصوں میں بانٹ رکھا تھا۔ (میسرہ، میمنہ اور قلب) میسرہ اور میمنہ دونوں سمندر کی سمت قائم کئے گئے تھے۔ میمنہ الملک الظاہر کے سپرد ہوا تھا اور میسرہ الملک العادل کی قیادت میں تھا۔ وہ خود ہمیشہ

کی طرح وسط میں رہا۔ دوسرے دن سے اصل کام شروع ہوا۔ فوج پوری قوت کے ساتھ تین طرف سے منجنیقوں اور دوسرے آلاتِ حرب سے مسلح ہو کر شہر پر حملہ آور ہوئی۔ بڑے زور کا رن پڑا۔ خوب خوب مقابلے ہوئے۔ ادھر فوج اپنا کام کر رہی تھی ادھر "نقاب" شہر پناہ کے شرقی دروازہ میں نقب لگا رہے تھے۔

ابن شداد کہتے ہیں مسلمانوں کا حملہ اس قدر سخت تھا کہ انہیں گمان ہوا، اسی دن مسلمان یافا میں گھس جائیں گے۔ لیکن دشمن نے جو یافا میں کافی تعداد میں موجود تھا۔ بڑا سخت مقابلہ کیا۔ نقابوں کے کام میں بھی رخنے ڈالے ۔ نقاب جتنی نقب لگاتے تھے۔ یافا کے عیسائی اتنی ہی پُر کر دیتے۔

سلطان نے جب یہ عالم دیکھا تو منجنیقوں کو حکم دیا۔ پہلے سے زیادہ مستعدی دکھائیں اور نقابوں کو فرمایا۔ کہ نقب کے لئے برج کو گرائیں اور پھر دروازہ تک رسائی حاصل کریں۔

کچھ ایسی ترتیب رکھی گئی کہ نقاب جس حصہ میں نقب لگا رہے تھے۔ اس پر منجنیقوں نے بھی پتھر برسانا شروع کئے۔ رات تو جیسی گزرنی تھی گزر گئی۔ جب صبح ہوئی تو لڑائی نے خوب زور پکڑا۔ مسلمان سپاہی پوری قوت سے شہر پناہ پر گرے اور اس قدر سخت حملہ کیا کہ دشمن کی قوت جواب دے گئی اور اس نے دو ایلچی بھیج کر سلطان سے مصالحت کی درخواست کی۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کر لی اور انہیں یروشلم کے شرائطِ مصالحت پر امان دینی چاہی۔

مگر اپنی قوم کی عام عادت کے مطابق ان لوگوں کو جب معلوم ہو گیا کہ سلطان نے مصالحت کا مطالبہ منظور کر لیا ہے تو انہوں نے اس سے ۱۹ ر رجب تک مہلت مانگی۔ سلطان جانتا تھا کہ ان لوگوں نے یہ مہلت کیوں طلب کی ہے۔ انہوں نے رچرڈ کے پاس اپنے نامہ بردوڑائے تھے اور انہیں اس کی آمد کا انتظار تھا۔ اس لئے سلطان نے

انہیں مہلت نہیں دی اور نقابوں اور منجنیقوں کو حکم دیا کہ کام جاری رکھیں۔ نقب مکمل ہو گئی تو نقابوں نے اس میں آگ لگا دی۔ آگ لگی تو شہر پناہ کا یہ حصہ پھٹ کر زمین پر آن گرا اور مسلمان سپاہ پوری قوت سے شہر کی طرف بڑھی۔

یافا والوں کی بہادری و جرأت قابل داد ہے کہ انہوں نے اس ٹوٹے ہوئے حصّہ کی خوب حفاظت کی، انہوں نے مسلمانوں کے سیلاب عظیم کو بڑی پامردی سے روکا اور ایک آدمی کو بھی اس رستہ شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔

یہ وقت بڑا سخت تھا۔ ادھر سے مسلمان پورے جوش سے آگے بڑھتے، ادھر سے عیسائی پوری قوت سے ان کی مدافعت کرتے۔ وہ شہر کے دروازوں پر کھڑے ہو کر یوں لڑے جیسے وہ انسان نہیں لوہے کے پہاڑ تھے۔

دوسری رات بھی آن پہنچی مگر یافا والوں نے ہمت نہ ہاری اور مسلمانوں کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا۔

اس رات سلطان اس صورتِ حال سے بہت پریشان تھا۔ وہ رات بھر نہیں سویا اس کے حکم سے پانچوں منجنیقیں رات بھر شہر پناہ کے کمزور حصوں پر پتھر اور آگ برساتی رہیں۔

دوسرے دن جمعہ تھا۔ اس دن بھی دوپہر تک لڑائی کا یہی عالم رہا۔ کوئی فریق نہ مغلوب تھا اور نہ غالب، البتہ اس دن منجنیقوں کی متواتر سنگ باری اور نقابوں کی آتش زنی نے شہر پناہ کا ایک بدنہ پھوڑ ڈالا جو ایک قیامت کی طرح پھٹا، ہر طرف دھواں اور غبار پھیل نکلا۔ اس کے باوجود ابن شداد کہتے ہیں۔ یافا کے عیسائیوں نے ہمت نہ ہاری، نہ ہتھیار ڈالے اور نہ مصالحت کی گفتگو کی۔ شہر پناہ کا جو حصہ پھوٹ کر ٹوٹا تھا۔ وہاں عیسائی سپاہیوں کا ایک جم غفیر، ایک کے پیچھے دوسرا اور دوسرے کے پیچھے تیسرا یوں کھڑا تھا۔ جیسے ان کی زندگی کی ہر مسرت اس سوراخ پر مدافعت کرنے سے وابستہ ہے

ابنِ شداد نے دو عیسائی سپاہیوں کا قصہ بیان کیا ہے جو ایک ساتھ یہاں کھڑے تھے۔ ایک پر منجنیق سے نکلا ہوا پتھر آن کر گرا تو دوسرے نے اسی لمحہ اس کی جگہ لے لی۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ لیکن اس کے باوجود عیسائی سپاہیوں کی ہمت پست نہ ہوئی۔ البتہ سپہ سالار ہمت ہار گئے سلطان کی خدمت میں بھاگے ہوئے آئے اور امان مانگی قدس کے شرائط پر انہیں امان مل گئی۔ لیکن چونکہ عام سپاہ پورے جوش میں بھری تھی اور عیسائی سپاہ بھی پہلے ہی کی طرح شہر کے ناکوں پہ کھڑی تھی۔ اس لئے امان ملنے کے باوجود کچھ عیسائی مارے گئے۔ اس لئے بادشاہ کی طرف سے ان لوگوں کو حکم ہوا کہ شہر چھوڑ کر قلعہ میں چلے جائیں۔ ورنہ ممکن ہے مسلمان سپاہیوں کے غصہ سے بچ نہ سکیں۔

عیسائی سپاہ قلعہ میں جا چھپی تو نفائس اور عمدہ ساز و سامان نے مسلمان سپاہیوں کی توجہ اپنی طرف کرلی۔ یافا کے چند مہینوں کے قیام میں عیسائی سپاہ نے وہاں بہت کچھ جمع کر دیا تھا خصوصیت سے مصر کے قافلے سے انہوں نے جو قیمتی چیزیں لوٹی تھیں وہ سب کی سب یہیں تھیں۔ یہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگیں اور دوسرے نفائس بھی۔

تیسرے پہر ایک نامہ بر خبر لایا کہ رچرڈ نے یافا کی صورتِ حال سے باخبر ہو کر عکا کا سفر ملتوی کر دیا ہے اور تیز تیز چلتا یافا کی طرف آرہا تھا۔ جیسے ہی سلطان کو یہ خبر ملی۔ اس نے کوشش کی کہ یافا کے معاملات رچرڈ کی آمد سے پہلے ہی سلجھ جائیں جو عیسائی سپاہ قلعہ میں داخل ہو چکی تھی۔ اس کا اخراج بڑا اہم مسئلہ تھا اور فوج کا عالم یہ تھا کہ وہ شہر کو لوٹنے میں لگی تھی۔ جو لوگ لوٹ مار میں شامل نہ ہوئے تھے۔ وہ سخت تھکے ہوئے تھے۔ متواتر تین دن تک لڑتے لڑتے ان کے ہاتھ پاؤں اور جسم کے دوسرے اعضا شل ہو چکے تھے اور ان میں اتنی ہمت نہ رہی تھی کہ عیسائی سپاہ سے قلعہ خالی کرا لیتے۔

سلطان نے ان لوگوں کو وقت کی نزاکت پر متوجہ کیا۔ انہیں ایک ایک لمحہ کی قیمت بتائی لیکن یہ اس درجہ تھک چکے تھے کہ سلطان کا سمجھانا بیکار گیا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ ابن شداد ۱۸۲

یہ رات سلطان اور اس کے مصاحبین خاص کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ نہ سلطان اس رات سو سکا اور نہ اس کے مصاحبین ہی آرام کر سکے۔

ابن شداد فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ سحر نے طلوع کیا اور رچرڈ کا بحری بیڑہ ساحل پر آن پہنچا۔ سلطان نے اس وقت ابن شداد کو اپنے حضور بلایا اور حکم دیا کہ الملک الظاہر کے پاس جائے اور قلعہ کے بیرونی دروازہ کی حفاظت کی ضرورت سمجھائے۔ ابن شداد کے ذمہ یہ خدمت بھی لگائی گئی کہ قلعہ میں داخل ہو کر عیسائی سپاہ کو قلعہ سے باہر نکال دے اور قلعہ کی ہر چیز پر قبضہ کر لے۔

ابن شداد یہ حکم پا کر پہلے الملک الظاہر کے پاس گئے۔ وہ سو رہے تھے انہیں اٹھایا۔ اور سلطان کے حکم سے آگاہ کیا اور خود قلعہ میں جا پہنچے اور عیسائیوں کو باہر نکالنے کا کام شروع کیا مگر یہ کام بہت آہستہ آہستہ ہوا۔ کتنے سورج چڑھے تک صرف پچاس آدمی نکالے جا سکے۔ ابن شداد کو یہ سست روی بہت بُری لگی۔ اس نے اپنے ساتھی عزالدین جردیک کو تیزی سے کام کرنے پر اکسایا اور عیسائی جلد جلد باہر نکالے جانے لگے۔ ابھی بہت تھوڑے آدمی نکل پائے تھے کہ رچرڈ کا بحری بیڑہ ساحل سے آن لگا۔ پچاس بڑے بڑے جہاز، ڈھول پیٹتے اور شور مچاتے آن پہنچے اور قلعہ کے عیسائیوں نے جان لیا کہ مدد آ گئی۔

اب ان کی نیت بدل گئی۔ انہوں نے ہتھیار اٹھا لئے اور تیر و تفنگ اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر شہر پناہ پر چڑھ گئے۔ ابن شداد نے یہ عالم دیکھا تو وہ جس ٹیلے پر چڑھے تھے۔ وہاں سے نیچے اتر آئے اور عزالدین جردیک کو حکم دیا کہ لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ محصورین کی نیت بدل گئی ہے۔ ابھی فوج تیار نہ ہوئی تھی کہ عیسائی ہجوم کر کے آئے اور انہوں نے مسلمان سپاہ کو جو لوٹ مار میں مشغول تھی شہر سے باہر نکال دیا۔ یہ حال سلطان کو معلوم ہوا تو سلطان نے ساری فوج کو آگے بڑھا دیا اور لڑائی کی آگ خوب بھڑک اٹھی۔ سپاہ دیوانہ وار گلیوں میں گھسی اور ہر طرف قیامتیں لہرا دیں۔ جب یہ کیفیت ہوئی۔ تو

عیسائیوں کے مزاج ٹھکانے آ گئے اور انہوں نے سلطان کی خدمت میں سفارت بھیج کر درخواست کی کہ پہلے کی قرارداد قائم رکھی جائے۔ ابھی تک رچرڈ کا بیڑہ لڑائی میں شامل نہ ہوا تھا۔ شہر کے شور و ہنگامے نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ شہر پر مسلمان قابض ہو چکے ہیں۔ لیکن جب تھوڑی دیر بعد اسے معلوم ہوا کہ شہر پر مسلمانوں کا پورا قبضہ نہیں ہوا۔ تو اس نے اپنا بیڑہ آگے بڑھا کر فوج بندرگاہ پر اتار دی۔ جو مسلمان سپاہی بندرگاہ پر کھڑے تھے۔ انہوں نے اس فوج کا استقبال اپنی تلواروں سے کیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تلواریں کچھ ایسی زیادہ تیز نہ تھیں یا ان کو اٹھانے والے ہاتھ شل ہو چکے تھے کہ جلد ہی ٹوٹ گئیں اور رچرڈ نے ان سب کو بندرگاہ سے نکال باہر کیا۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ میں نے دشمن کو ساحل پر اترتے اور لڑائی کا آغاز کرتے دیکھا۔ تو بھاگ کر سلطان کے حضور پہنچا۔ وہاں شہر والوں کے سفیر حاضر تھے اور سلطان ان کو اپنے ہاتھ سے امان کا پروانہ لکھ کر دینے والا تھا کہ میں نے اسے صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خبر سن کر سلطان نے رچرڈ سے لڑنا کیوں مناسب نہ سمجھا اور فوج کو حکم دیا کہ بازور کی طرف پسپا ہو جائے۔ البتہ فوج کو بازور کی طرف بڑھا کر سلطان خود ایک دستہ فوج کے ساتھ اس جگہ ٹھیرا رہا۔ جہاں اس وقت تھا

فوج کی اس پسپائی کا ذکر لین پول نے کچھ عجیب تمسخر انگیز انداز میں کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ واپسی ایک طرح کی کمزوری کے ہم معنی تھی اور ہمارے مورخین نے جو حق گوئی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اس کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً ابن اثیر کہتا ہے :-

وادرکھم ملک انکلتار فاخرج من بیا فامن المسلمین واتاہ المدد من عکا وبرزوا الی ظاھر المدینۃ واعترض المسلمین وحدہ وحمل علیھم فلم یتقدم الیہ احد فوقف بین الصفین واستدعی طعاما من المسلمین ونزل واکل

فامر صلاح الدین عسکرہ بالحملۃ علیھم وبالجد فی قتالھم فتقدم الیہ بعض امراءہ یعرف بالجناح وھو اخو المشطوب بن علی بن احمد الھکاری فقال لہ یا صلاح الدین قل لممالیکٹ الذین اخذوا امس الغنیمۃ وضربو الناس با تات یتقدمون ویقاتلون فکان القتال فنحن واذا کانت الغنیمۃ فلھم فغضب صلاح الدین من کلامہ وعاد من الفرنج" ابن خلدون جز ۳ ص ۳۳

ان کی مدد کو انگلستان کا بادشاہ آن پہنچا۔ اس نے یافا پر کا بعض مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا۔ عکا سے اس کے پاس اور مدد آگئی اور وہ اکیلا مسلمانوں کی فوج کے سامنے آن پہنچا۔ اس نے ان پر حملہ کیا لیکن کوئی مسلمان سپاہی اس کے مقابلہ میں نہیں آیا۔ وہ صفوں کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ مسلمانوں سے کچھ کھانے کو مانگا۔ پھر سواری سے اترا اور کھانا کھایا۔

صلاح الدین نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ ان پر حملہ کریں اور لڑیں۔ یہ سن کر اس کے امرا میں سے ایک شخص جس کا عرف جناح تھا اور مشطوب بن علی کا بھائی تھا آگے بڑھا اور سلطان سے کہا حضور اپنے ان غلاموں سے کہئے کہ لڑائی کریں جنھوں نے کل غنیمت لوٹی اور لوگوں کو مارا۔ جب لڑائی کا وقت ہوتا ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور جب غنیمت تقسیم ہوتی ہے تو ان کو۔ اس جواب سے صلاح الدین ناراض ہو گئے اور فوج کو فرنگیوں کے سامنے سے ہٹا لیا

مورخ ابن کثیر نے بھی آخری بات کی حمایت کی ہے فرماتے ہیں :۔

وصلک انکلیتر ول رکب فی اصحابہ واخذ عدۃ قتالہ واھبتہ نزالہ واستعرض المیمنۃ الی آخر المیسرۃ یعنی میمنۃ

المسلمین و میسرتهم فلم یتقدم الیه احد من الفرسان

ولا غیرہ بطل من الشجعان فعند ذالك کر السلطان

راجعاً وقد اخزنه انه لم یر من الجیش مطیعاً فانا للّٰه و انا

الیه راجعون۔ ابن کثیر جز ۱۲ ۳۵۰

یہی بیان ابن خلدون کا ہے :۔

و جاء هم ملك انکلطیرہ لیلاً و تبعه مدد عکا۔ و برز من

الغد فلم یتقدم الیه احد من المسلمین ثم نزل بین

السماطین و جلس للأکل و امر صلاح الدین بالحملة علیهم

فتقدم اخ المشطوب و کان یلقب بالجناح و قال

صلاح الدین نحن نتقدم للقتال و ممالیکك للغنیمة

فغضب صلاح الدین و عاد عن الفرنج ابن خلدون جزء ۵ ۳۲۹

ابن شداد نے اس واقعہ کی تفصیل کسی قدر بہتر انداز میں بیان کی ہے اور اس پسپائی

کے اسباب پر زیادہ کھل کر بحث کی ہے اس کے خیال میں فوج یافا کے محاصرہ اور پھر صلح

سے خوش نہ تھی ۔ فوج نہ چاہتی تھی کہ یافا کے لوگوں کو امان دی جائے ۔ غالباً یہ لوگ لوٹ مار

کے زیادہ شائق تھے ۔ جیسا کہ مشطوب کے بھائی نے اپنے اس جذبہ کو الفاظ کا جامہ بھی

پہنایا ۔

ابن شداد کے الفاظ ہیں :

وکان فی قلوب العسکر من صلح یافا حیث فوتهم الغنیمة

ماکان و جری ما جری ماثر هذا الاثر ۔

فوج صلح یافا کے سبب کیونکہ اسے غنیمت نہ مل سکی تھی کچھ دل برداشتہ تھی ۔

اور جو صورت حال اس وقت پیش آئی ۔ یہ اس بددلی کا نتیجہ تھی ۔

اس لئے جیسے ہی رچرڈ بندرگاہ یافا پر اترا اور بندرگاہ پر پہرہ دینے والی مسلمان فوج اس کے آگے سے فرار ہوئی تو سلطان نے فوج کو واپسی کے احکام دے دیئے۔ غالباً سلطان کو فوج کی بددلی کا احساس اسی لمحہ ہو چکا تھا لیکن یہ احساس کچھ زیادہ قوی نہ تھا۔ اسی وجہ سے وہ اس رات انگریزی چھاؤنی کی خبر لینے پھر یافا کے قریب آیا اور جب اس نے دیکھا۔ رچرڈ اور اس کے ساتھی بہت تھوڑی تعداد میں شہر سے باہر خیمے لگائے ہیں تو اس نے اپنے ساتھیوں کو حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ مسلمان حملہ آور ہوئے۔ لیکن دشمن نے ان کا ہر حملہ رد کر دیا اور پسپائی اختیار نہ کی۔

ابن شداد خود اس حملہ میں شریک نہ تھے۔ ان سے یہ واقعہ کسی دوسرے نے بیان کیا۔ اس راوی نے ان سے کہا۔ رچرڈ کے ساتھیوں میں صرف ۱۹ یا ۱۷ نائٹ تھے اور ایک ہزار پیادہ فوج تھی۔ انہوں نے سلطانی حملہ کا زور روکا!

ابن شداد تو یہاں تک کہتے ہیں کہ سلطان کی حکم عدولی کی گئی۔ فوج نے ان کا حکم سن کر دشمن پر حملہ نہیں کیا۔ اگر کوئی حملہ آور ہوا تو وہ صرف الملک الظاہر سلطان کا بیٹا تھا۔ المشطوب کے بھائی الجناح نے اس موقعہ پر سلطان کو طعن کیا تھا کہ اپنے غلاموں کو کہو، آن کر لڑیں۔ غنیمت کے وقت انہیں یاد رکھا جاتا ہے اور لڑائی کے لئے ہمیں پکارتے ہو۔

فوج کی اسی حکم عدولی اور نافرمانی نے رچرڈ کو جرأت دلائی کہ وہ نیزہ ہاتھ میں لے کر مسلمان صفوں کے سامنے آتا اور ان میں سے لڑنے والوں کو مقابلہ کے لئے چیلنج کرتا۔ فوج بددل تھی۔ اسی لئے کوئی مسلمان سپاہی اس کے مقابلہ میں نہ آیا۔ یقیناً رچرڈ کی یہ جرأت قابلِ داد تھی۔ لیکن اس کا اظہار اس نے اسی وقت کیا۔ جب اسے مسلمان سپاہ کے تامل و تذبذب سے آگاہی ہوئی۔

اس حکم عدولی اور تذبذب کے باوجود رچرڈ سلطان کی بڑائی و بزرگی کا معترف تھا

اس واقعہ سے پچھلی رات، جب وہ رات کے وقت بندرگاہ یافا پر اترا تھا اور سلطان نے کسی قدر پسپائی اختیار کرلی تھی۔ اس نے ابن شداد کے بیان کے مطابق ابوبکر العادلی ایبل العزیزی اور سنقر المشطوبی کو جو سلطان کے مخصوص امرا تھے۔ اپنے ہاں بلایا تھا اور ان سے ازراہِ مذاق پوچھا تھا:

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ یہ بڑا بادشاہ جس سے بڑا بادشاہ مسلمانوں کے لئے اس دنیا کے تختہ پر کوئی دوسرا نہیں ہے۔ محض میرے آتے ہی یہاں سے کوچ کر گیا۔ حالانکہ خدا کی قسم۔ میں نے پورے اسلحہ بھی نہیں پہنے۔ میرے پاؤں میں لڑائی کے جوتے تک نہیں ہیں۔

جب وہ یہ گفتگو کر رہا تھا۔ اس وقت بھی اسے سلطان کی بزرگی کا احساس تھا۔ اس لئے اس نے اعتراف کیا۔۔۔۔

۔۔۔ میں تو یہ بھی تصور نہ کر سکتا تھا کہ سلطان یافا کو دو مہینوں میں بھی فتح کر سکتا ہے اور اس نے اسے دو دن ہی میں فتح کر لیا۔

اور اس کے بعد اس نے ابوبکر العادلی سے جس انداز میں صلح کی درخواست کی تھی۔ خود اس سے ظاہر تھا کہ صلاح الدین کی بزرگی کا اسے بہت احساس ہے۔ اس نے ابن شداد کے الفاظ میں ابوبکر سے کہا:

سلم علی السلطان و قل لہ باللہ علیک اجب سوالی فی الصلح فہذا الامر لابد لہ من آخرہ فقد ھلکت بلادی ماورا البحر و مافی دوام ھذا مصلحتہ لالنا و لا لکم۔

میرا سلام اپنے بادشاہ کو دو اور ان کو قسم دلا کر کہو۔ صلح کے معاملہ میں میری بات سن لیں۔ یہ بات بالآخر انہیں ماننا ہی پڑے گی۔ سمندر کے پار میری سلطنت ویران ہو چکی ہے اور لڑائی کی ہمیشگی میں نہ میرے لئے مصلحت ہے اور نہ تمہارے لئے"

یہ گفتگو پہلی رات ہوئی تھی۔ اس کی دوسری رات وہ واقعہ پیش آیا جس نے سلطان کا دل توڑ دیا اور جس پر ابن کثیر نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

بہرحال یافا سے سلطان کی پسپائی کے اسباب ایک تو وہی ہیں جو ہم نے اوپر عرض کیے۔ دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ یافا پر حملہ کے وقت سلطان کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی۔ اور یہ فوج بھی وفادار اور تربیت یافتہ فوج نہ تھی۔ اس میں کچھ تو سلطان کے غلام تھے اور کچھ حلب کے لوگ، نہ غلام قابلِ بھروسہ تھے اور نہ حلبی۔ غلاموں نے لوٹ مچائی۔ اور حلبیوں نے لوٹ میں حصہ نہ پانے کے سبب دل میلے کر لیے۔ یہ ان دونوں کی کم نظری تھی۔ دونوں جہاد کے جذبہ سے سرشار نہ تھے اور سلطان کی دانائیوں میں سے یہ ایک بڑی دانائی تھی کہ اس نے موقع کی نزاکت کا فوری احساس کر لیا اور فوراً پسپائی اختیار کر لی اور بڑی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ اس وقت اس کی فوج میں کوئی بڑا سپہ سالار نہ تھا۔ الملک العادل، علاؤالدین الاتابک، الملک الافضل اور دمشق کے تمام لڑاکے اور آزمودہ کار سپاہی وہاں موجود نہ تھے۔

یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ سپہ سالار کی دانائی اور خوبی یہ نہیں ہوتی کہ وہ ہر موقع پر فوج آگے بڑھائے۔ اچھا سپہ سالار وہی ہوتا ہے جو وقت کے اقتضا کو سمجھے جو آگے بڑھنے کے موقع پر آگے بڑھے اور پسپائی کے لمحات میں پسپا ہو۔

بہرحال یہ امر واقعہ ہے کہ گو یافا پر سلطان نے منظم حملہ کیا تھا لیکن یہ حملہ رچرڈ کی بروقت آمد نے ناکام بنا دیا۔ سلطان کے ساتھ اگر فوج زیادہ ہوتی تو بہت ممکن تھا۔ وہ رچرڈ کی آمد پر بھی یافا سے ہٹ کر باز و رنہ آتا۔

انگریز مورخین نے اس آخری لڑائی کے بیان میں حسبِ عادت بڑے مبالغے کیے ہیں۔ رچرڈ کی غیر معمولی بہادری کے افسانے خوب تراشے ہیں۔ رچرڈ کے متعلق لکھا ہے کہ کہ اس نے صرف چند سواروں کی مدد سے مسلمانوں کو یافا سے نکال دیا۔

حالانکہ اس کا جو بحری بیڑہ یافا پہنچا تھا۔ وہ پچاس بڑی کشتیوں پر مشتمل تھا اور یہ قریب قریب وہی بیڑہ تھا۔ جسے رچرڈ انگلستان سے لے کر چلا تھا اور اس وقت جب وہ عکا پہنچا تھا تو اس کے ساتھ کئی ہزار سپاہی تھے۔

ہمیں اس امر کا اعتراف ہے کہ یافا کے باہر جب وہ خیمہ زن ہوا تو اس کے ساتھ ایک ہزار پیادے اور ۱۹ نائٹوں کے سوا اور کوئی نہ تھا اور صلاح الدین کی فوج میں اگر ہمت ہوتی تو وہ اسے مار سکتی تھی۔

انگریز قصہ گریوں نے دونوں فوجوں کو خوب لڑایا ہے۔ خود لین پول ہی اس لڑائی کی بڑی دلچسپ روئداد سناتا ہے۔ یہ بھی سن لیجئے اور اگر ہو سکے تو اسے اصل کتاب میں سے پڑھیے۔ شاید زیادہ لطف آئے۔

لین پول کہتا ہے ،

اس وقت رچرڈ کے پاس چوّن نائٹ تھے (مسلمان مورخین کی شرافت ملاحظہ فرمایئے کہ انہوں نے صرف ۱۹ نائٹوں کی موجودگی بیان کی ہے)

علاوہ ان کے دو ہزار پیادہ فوج بھی تھی جو بہت مشہور لڑاکے سپہ سالاروں کی قیادت میں تھی !

مسلمان سوار سات دستوں میں جو بھاگتے ہوئے آئے تھے اور جن کی تعداد سات ہزار تھی اس فوج پر حملہ آور ہوئے۔ اسلامی دستوں نے پانچ یا چھ مرتبہ ان پر دھاوا کیا۔ دن کے تین بجے تک وہ حملے کرتے رہے اور عیسائی فوج انہیں روکتی رہی۔ تین بجے کے قریب رچرڈ نے فوج آگے بڑھائی۔ رچرڈ اپنے پندرہ نائٹوں کے ساتھ جو گھوڑوں پر سوار تھے مسلمانوں پر بڑے غصے کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ ہر طرف دشمن کے ہاتھ پاؤں کٹنے لگے"۔

لین پول نے یہ بھی لکھا ہے کہ لڑتے لڑتے رچرڈ کا گھوڑا بھی کام آیا اور وہ پیادہ ہو کر لڑا۔ صلاح الدین نے اسے پا پیادہ دیکھ کر اپنے دو گھوڑے پیش کئے۔

بہر حال عیسائی مورخین نے اس لڑائی کو خوب عوب طول دیا ہے اور چونکہ رچرڈ کا یہ آخری کارنامہ تھا۔ اس لئے کسی بھی مبالغہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ہر قسم کی بہادری اس ایک لڑائی کے صدقے میں رچرڈ کے دامن میں ڈال دی ہے۔

حالانکہ امر واقعہ صرف اسی قدر ہے! کہ صلاح الدین ایک مخصوص فوج کے ساتھ، رچرڈ کی چھاؤنی پر حملہ آور ہوا۔ یقیناً پہلا حملہ ضرور ہوا۔ لیکن جب آگے سے رچرڈ کے آدمی جمے رہے تو مسلمان فوج دوسری بار حملہ آور نہیں ہوئی، نافرمانی کر گئی اور سلطان ناراض ہو کر لوٹ گیا۔

لین پول بہت اچھا مورخ ہے۔ مگر اس پر بھی اس کی قوم کی روایتی مبالغہ آرائی اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہی۔ کہیں کہیں اس نے ٹھوکر بھی کھائی ہے مثلاً بہاء الدین کے منہ میں دو غلط باتیں ڈالی ہیں جو اس نے نہیں کہیں۔

پہلی یہ کہ رچرڈ مسلمان سپاہ کے سامنے برچھا ہاتھ میں لئے گھومتا رہا اور للکار کر کہتا تھا۔ اب کیوں نہیں لڑتے کسی مسلمان سپاہی کو ہمت نہ ہوئی کہ رچرڈ کو مس تک کر جاتا!

بہاؤ الدین کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے گا۔ وہ یہ ہیں:۔

اخذ رمحہٗ ذالک الیوم وحمل من طرف المیمنۃ الی طرف المیسرۃ فلم یتعرض لہٗ احدٌ

بہر حال یہ رچرڈ اور صلاح الدین کی آخری لڑائی تھی۔

لڑائی ختم ہوئی

صلح

صلح

اس میں کوئی کلام نہیں کہ چار سال کی متواتر لڑائی نے طرفین کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ لیکن جیسا کہ صلاح الدین نے اپنے ایک خط میں رچرڈ کو لکھا بھی تھا کہ "وہ اپنے وطن اور اپنے لوگوں میں ہے"۔ رچرڈ نہ اپنے وطن میں تھا اور نہ اپنے لوگوں میں، حتیٰ کہ وہ جن کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ یا جن کے لئے وہ لڑ رہا تھا۔ وہ بھی اس کے اپنے نہ بنے۔ حاکم صور اس سے الگ ہو چکا تھا۔ فرانسیسی اس سے بدظن تھے۔ ایسے عالم میں اس کے لئے ایک ہی راستہ تھا کہ وہ صلح کے لئے ہاتھ پھیلائے اور اس نے ہاتھ پھیلائے۔ یہ وہ تھا جس نے صلاح الدین کے سامنے گھٹنے ٹیکے۔ اسے اپنا بزرگ اور اپنا آقا تک مانا۔ انگریز مورخین کی طرح وہ اندھا نہ تھا۔ نہ فضول اور بیکار غرور پر ایمان رکھتا تھا۔ اس کے پاس عقل بھی تھی اور ذہن رسا بھی! محض تعصب کی اندھی عینک اس کے چہرہ پر نہ لگی تھی۔ وہ بہادر ہونے کے ساتھ موقعہ کی نزاکت بھی سمجھتا! اس لئے اس نے تلوار بھی ہاتھ میں رکھی نیزہ بھی چمکایا اور صلح کے لئے جستجو بھی کی!

لین پول کی یہ غلط بیانی ہے کہ ابوبکر العادل، صلاح الدین کے کہنے پر پہلے پہل رچرڈ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ البتہ رچرڈ تھا جس نے ابوبکر العادل کو پکارا اور اس کے ذریعہ انتہائی مؤثر انداز میں صلاح الدین سے مصالحت کی اپیل کی! پہلے ذہین سیاستدانوں کی طرح اپنے موقف پر اٹا رہا۔ انگریز سیاست دانوں کی طرح چاپلوسی بھی کی۔ یہ بھی کہلوایا۔

ان قاعدة الفرنج انه اذا اعطی واحد الواحد بلداً صار تبعه وغلامه و انا اطلب منک هذین البلدین یافا و عسقلان و تکون عساکرها فی خدمتک دائماً و اذا احتجت الی وصلت الیک فی اسرع وقت و خدمتک کما تعلم خدمتی۔ ابن شداد ۱۸۵

"یہ افرنگیوں کی روایت ہے کہ جب کوئی دوسرا انہیں کوئی شہر اپنی طرف سے دیتا ہے تو وہ اس کے تابع اور فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ میں آپ سے یہ دو شہر مانگتا ہوں۔ یافا اور عسقلان۔ ان دونوں کی فوجیں ہمیشہ آپ کے تابع رہیں گی۔ جب آپ کو میری ضرورت ہو گی۔ میں بھاگ کر آپ کی خدمت میں آؤں گا اور آپ جانتے ہیں کہ میری خدمت کیسی ہے۔"

یہ انگریز کی سیاست دانی تھی۔ ادھر گو فیاض صلاح الدین تھا۔ مگر وہ بھی احمق نہ تھا۔ اس نے جواب لکھوایا:

حیث دخلت هذا المدخل فانا اجیبک بان نجعل هذین البلدین فتمین احدهما لک وما وراءها۔ والثانی لی۔ وهو عسقلان وما وراءها۔

"جب آپ اس مرحلہ پر آ گئے ہیں تو میرا جواب یہ ہے کہ ہم ان دونوں شہروں کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ ایک اور اس کے ملحقات آپ کے ہوں اور دوسرا یعنی عسقلان اور اس کے ملحقات میرے ہوں۔"

رچرڈ نے اس کے جواب میں اپنا نامہ بر بھیجا اور عسقلان کے مطالبہ پر اصرار کیا۔ اور کہلوایا کہ اگر مصالحت ان دنوں میں ہو جائے تو وہ اپنے ملک کو لوٹ جائے اور سردی میں یہاں نہ ٹھیرے۔

یہ چونکہ کسی قدر بدلا ہوا انداز تھا۔ سلطان نے اسی انداز میں جواب لکھوایا :-

"عسقلان کے مطالبہ سے ہم باز نہیں آئیں گے۔ آپ سردی میں یہاں ٹھہریں۔ یہ تو ضروری بات ہے۔ کیونکہ آپ خوب جانتے ہیں کہ اگر آپ سردی میں یہاں سے غائب ہوئے تو میں یہ شہر ضرور لے لوں گا۔ یوں بھی اگر آپ ٹھہر گئے تو بھی انشاء اللہ ہم ان پر قابض ہو جائیں گے۔

اگر یہ بات آپ کے لئے آسان ہے کہ آپ یہاں سردی میں رہیں۔ جبکہ آپ کے اہل وعیال اور وطن، دو مہینے کی مسافت پر ہیں۔ جبکہ آپ جوانی میں اور دنیا کی لذات سے لطف اندوز ہونے کے خواہشمند ہیں تو پھر میرے لئے تو یہاں سردی میں رہنا بہت آسان ہے۔ جبکہ میں اپنے شہروں اور اپنے وطن میں ہوں۔ جبکہ میری اولاد اور میرے گھر والے میرے پاس ہیں۔ جب کہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں۔ جبکہ میں نے دنیا کی لذات سے منہ موڑ رکھا ہے اور جبکہ سردی میں میرے پاس نئی تازہ فوج ہو گی۔ یہ وہ نہ ہو گی جو گرمی میں میرے پاس تھی اور جبکہ مجھے بھروسہ ہے کہ میں اپنی عبادات کے ذریعہ اپنا مقصد پالوں گا!"

سلطان کا یہ جواب کتنا ہوشمندانہ ہے۔ اس نے اس میں اس تازہ دم فوج کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ اس لئے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ابھی جس فوج نے میری حکم عدولی کی تھی، اب وہ میرے پاس نہیں ہو گی۔ اس کی جگہ نئی فوج نے لے لی ہے۔

ابن شداد فرماتے ہیں کہ رچرڈ کے نامہ بر نے جب یہ جواب پایا تو سلطان سے الملک العادل سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ الملک العادل اس وقت بیمار تھے اور صمویل میں خیمہ زن تھے۔ الملک العادل اور رچرڈ کے نامہ بر میں کیا گفتگو ہوئی، ابن شداد نے اس پر روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ الملک العادل نے اسے ایک خط دیا۔

ابوبکر یہ خط لے کر رچرڈ کے پاس گئے۔ رچرڈ نے ابوبکر کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ خود شہر سے نکل کر اس سے ملنے آیا اور کسی قدر خشک اور مختصر جواب دیا۔

سردی آگئی ہے اور میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ سردی میں یہیں رہوں اور ایسے حال میں موجودہ گفتگو بے حاصل ہے۔" ابن شداد ۱؎

یہی دن تھے۔ جب مصر کی فوج بھی آن پہنچی اور سلطان کی قوت وہی ہو گئی جو عکا کے محاصرہ کے وقت تھی۔ دوسری طرف رچرڈ سخت بیمار پڑا۔ یہاں تک کہ زندگی سے مایوس ہو گیا۔

سلطان کی شرافت ملاحظہ فرمائیے گا کہ جب رچرڈ کی حالت سخت خراب ہوئی۔ تو اس نے اس کی تیمارداری کے لئے آدمی روانہ کئے اور برف اور میوے روزانہ اسے بھیجے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب اسلامی فوج یوں دن بدن مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ تو افرنگی فوج کم ہو رہی تھی۔ فرانسیسی تو دل برداشتہ ہو کر اپنے وطن کو روانہ ہو رہے تھے۔ اور رچرڈ بھی جانے کے لئے سخت بے چین تھا سلطان نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک فوج بلا بھیجی۔ یہ فوج حملہ کے لئے تیار تھی۔ ایسے حالات بھی موافق معلوم ہو رہے تھے کہ ابوبکر العادلی رچرڈ کی طرف سے الملک العادل کے نام ایک بہت ہی مؤثر پیغام لایا۔ اس پیغام میں اس کی مودت و اخوت کو وسیلہ بنایا گیا تھا اور اس سے بہت ہی مؤثر انداز میں اپیل کی گئی تھی کہ کسی طرح سلطان سے یا تو عسقلان لے دیں یا اس کی تعمیر پر رچرڈ کا جو کچھ خرچ آیا ہے وہ دلوا دیں اور کسی طرح صلح کرا دیں۔ تاکہ وہ یہاں سے چلا جائے۔

اسی دن شام کو ایک اور پیغامبر آیا اور اس نے بتایا کہ رچرڈ عسقلان کے مطالبہ سے باز آگیا ہے اور معاوضہ بھی نہیں مانگتا۔ سلطان نے ایسی صورت میں مصالحت کے انعقاد کی اجازت دے دی۔ سلطان کی طرف سے بدرالدین دلدرم اور ان کی جماعت

مصالحت کے اختیارات لے کر رچرڈ کے پاس گئی۔ اسے سمجھا دیا گیا تھا۔ یافا اور اس کے اعمال حیفہ اس کے اعمال، قیساریہ اس کے اعمال، ارسوف اس کے اعمال، عکا اور اس کے اعمال جو اس وقت افرنگیوں کے قبضہ میں ہیں، افرنگیوں کے تسلیم کئے جائیں۔ ان میں سے رملہ، یبنیٰ، غزہ، لد، مجدل بابا، الناصرہ اور صفوریہ، الداروم اور تل الصافیہ مستثنیٰ قرار دے دیئے جائیں۔[1]

یہ سفیر جب رچرڈ کے پاس گئے تو وہ ابھی صاحبِ فراش تھا۔ لین پول کے بیان کی رو سے اس میں اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ وہ خود معاہدہ کا مسودہ پڑھ سکتا۔ مسلمان سفیروں نے معاہدہ کا مسودہ پڑھا۔ رچرڈ نے ہر بات پر صاد کیا اور اپنا ہاتھ دیا۔ اس کی طرف سے کمپاگنی کے ہنری، عبلین کے تاجدار بالیان اور داویہ اور الیتیار کے کئی سرداروں نے قسمیں کھائیں۔ خود اس نے قسم نہیں کھائی۔[2]

یہی بیان ابن کثیر نے صلاح الدین کے بارے میں دیا ہے۔ ابن کثیر نے مصالحت کے انعقاد کی تاریخ ۷ شعبان اور ابن اثیر اور ابن خلدون نے ۲۰ شعبان لکھی ہے۔ ابن شداد نے یہ تاریخ ۲۲ شعبان ۵۸۸ھ قرار دی ہے۔[3]

ابن شداد نے اس مصالحت کی مدت تین سال، ابن کثیر نے تین سال چھ مہینے ابن خلدون نے چار سال چار مہینے۔ اور ابن اثیر نے تین سال آٹھ مہینے بیان کی ہے۔ ابن شداد چونکہ موقعہ پر موجود تھا۔ اس لئے اس کا بیان زیادہ مستند ہے۔

ابن شداد ہی کہتا ہے کہ ۱۸ شعبان کو اس سلسلہ میں پہلی تحریر لکھی گئی۔ اس وقت رچرڈ کا سفیر سلطان کے حضور بدرالدین ولدرم کی معیت میں حاضر تھا۔ اس نے اس سے کہا۔ یہی شرائطِ معاہدہ ہیں۔ یہی معاہدہ کا مسودہ ہے۔ اس میں جن شہروں کا ذکر ہے۔ وہی تمہارے حدود ہیں۔ اگر تم ان پر مصالحت کر لو تو مبارک ہے میں تمہیں اپنا ہاتھ دیتا ہوں۔

معاہدہ میں اس بات کی بھی تصریح کر دی گئی تھی کہ عسقلان تباہ کر دیا جائے گا اور

[1] ابن شداد ۱۹۱ العماد الکاتب ۳۹۴ ابن اثیر جزء ۱۲ ۳۴ ابن خلدون جزء ۵ ۳۳۰ ابن کثیر جزء ۱۲ ۳۵۰

[2] ابن اثیر جزء ۱۲ ۳۴ ابن خلدون جزء ۵ ۳۳۰ ابن کثیر جزء ۱۲ ۳۵۰

[3] حوالہ صفحات سابق

یہ کہ مصالحت میں صاحب انطاکیہ اور طرابلس بھی شریک ہوں گے اگر وہ چاہیں گے تو۔

۸ اسے ۲۲ شعبان تک اس معاہدہ پر طرف ثانی غور کرتی رہی۔ ۲۲ کو حلف اٹھائے گئے۔ کندہنری یعنی کاؤنٹ ہنری بھی ان امرا میں سے تھا جس نے رچرڈ کی طرف سے حلف اٹھایا۔ ابن الہنفری، ابن بارزان اور چند دوسرے بڑے نائٹ سفیر بن کر سلطان کی خدمت میں گئے اور اس معاہدہ کی تصدیق چاہی۔

۲۳ شعبان کو بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ درحقیقت سلطان نے اس دن یعنی ۲۳ شعبان کو، رچرڈ کے سفیروں کو اپنا ہاتھ دیا۔ اسی دن سلطان کی طرف سے الملک العادل، الملک الافضل اور الملک الظاہر نے، بدرالدین ولدرم، الملک المنصور، ابن المقدم اور صاحب شیرز نے حلف اٹھائے۔ یہ اسلامی فوج کے بڑے عمائد تھے۔ جب یہ کام ہو لیا۔ تب منادیوں اور ڈھنڈورچیوں نے جگہ جگہ ڈھنڈورے پیٹے، منادیاں کیں کہ صلح ہو گئی اور آمد و رفت کے راستے کھل گئے۔ دونوں شہروں میں رہنے والوں میں سے جو چاہے ادھر آئے یا اُدھر جائے کسی کی آمد و رفت پر کوئی پابندی نہ ہو گی اور نہ کسی سے کسی قسم کی دشمنی لی جائے گی۔ اسی دن سلطان نے سو نقاب عسقلان بھجوائے تاکہ اس کی شہر پناہ کو گراویں اور وہاں بسنے والے افرنجیوں سے اسے خالی کراویں۔ یہ کام افرنجیوں کی ایک جماعت کے سامنے ہوا۔

ابن شداد کہتے ہیں کہ طرفین کی فوجوں نے اس مصالحت پر اس قدر خوشی منائی کہ شدت مسرت سے بیہوش ہو ہو گئے۔[1] ابن شداد ۱۹۳

درحقیقت یہ مصالحت خوشی ہی کی چیز تھی۔ طرفین لڑتے لڑتے بے حال ہو چکے تھے۔ تین برس کی اس لڑائی نے طرفین کو بہت سخت نقصان پہنچایا تھا۔ ابن اثیر کے بیان کی رو سے خود عیسائی مدبر بالیان نے سلطان صلاح الدین کی موجودگی میں اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ اس بڑی لڑائی میں چھ لاکھ عیسائی سمندر کے راستے آن کر شریک ہوئے تھے اور ان میں سے صرف دس فی صدی لوگ بچ کر اپنے وطن کو جا سکے۔ باقی ۹۰ فیصدی اس لڑائی کی نذر ہو گئے۔ ان میں سے کچھ کو آپ نے مار دیا کچھ اپنی موت آپ مر گئے اور کچھ کو دبائیں کھا گئیں۔[2] ابن اثیر جز ۱۲ ص ۳۴

مصالحت کے بعد

مصالحت کے بعد

لڑائی ختم ہوئی۔ متواتر پانچ سال کی لڑائی نے طرفین کی کمریں توڑ دی تھیں۔ مصالحت کے ساتھ ہی طرفین نے ہتھیار کھول دیئے اور ملک میں اس طرح آنے جانے لگے جیسے لڑائی کبھی ہوئی ہی نہ تھی۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ مصالحت کے فوراً بعد عسقلان کی تخریب کا کام مکمل ہوا۔ پچیس شعبان کو علم الدین قیصر، معماروں اور نقابوں کی ایک جماعت لے کر عسقلان گئے، اور ۲۷ شعبان کو عسقلان کی شہر پناہ گرنی شروع ہوئی۔

رچرڈ کے حکم سے عسقلان میں مقیم تمام فوجی عسقلان چھوڑ کر یافا چلے آئے۔

رچرڈ خود ابھی یہیں تھا۔ اس کی موجودگی میں مسیحی زائرین کی ایک بڑی جماعت یروشلم یا القدس پہنچی۔ گو زائرین کی تعداد غیر معمولی تھی۔ گو لاکھوں القدس کی طرف جانے والی سڑک پر جاگتے نظر آ رہے تھے۔ پھر بھی سلطان نے کسی کو کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ اس کے نمائندے اور محافظان لوگوں کے ساتھ القدس تک گئے اور ان کو پورے احترام کے ساتھ زیارت کروائی۔

عجیب بات ہے کہ زائرین کی کثرت سے سلطان کو تو کوئی تکلیف نہ پہنچی لیکن رچرڈ کو بہت ملال ہوا اور اس نے سلطان کو لکھا کہ یروشلم کی زیارت اس کی طرف سے تحریری اجازت نامہ کے تابع کر دی جائے۔ کوئی زائر اس کی اجازت کے بغیر القدس میں داخل نہ ہونے پائے۔ رچرڈ کے اس مراسلہ کے باوجود سلطان نے زائرین پر کوئی پابندی

حائد نہ کی اور نہ کسی زائر کو یروشلم کی زیارت سے روکا، رچرڈ کے مراسلہ کے جواب میں سلطان نے معذرت کر دی۔

ابن شداد کہتے ہیں کہ سلطان نے نہ صرف زائرین کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں ان کی میزبانی کے فرائض بھی انجام دیئے۔ وہ انہیں اپنی طرف سے کھانا بھی کھلاتا اور انعامات بھی دیتا۔ لین پول نے سلطان کی اس میزبانی کی بہت تعریف کی ہے۔ ابن شداد ۱۶۴

وہ کہتا ہے کہ سلطان زائرین کو آرام و آسائش بہم پہنچانے کے لئے خود القدس آیا اور اس کی موجودگی میں سالزبری کا اسقف ہیوبرٹ والٹر بھی زائرین کے تیسرے قافلے کے ساتھ یروشلم پہنچا۔ اس کے آتے ہی سلطان نے اسے کہلا بھیجا آپ ہمارے مہمان ہیں۔ آپ ہمارے مکان میں ٹھیرئیے۔ اسقف نے یہ مہمانی قبول نہ کی۔ اس کے باوجود سلطان نے اپنے خدام کو حکم دیا۔ اسقف اور اس کے ساتھیوں کی خاطر تواضع سے باز نہ آئیں۔ سلطان نے اپنی طرف سے بہت سے قیمتی تحفے بھی اسے بھیجے۔ اس کے اعزاز میں ایک محفل بھی منعقد کی۔ اسے بلایا۔ اس سے باتیں کیں۔ اسے اصل صلیب دکھائی اور اس کے بادشاہ کے اوصاف پوچھے۔ اسقف ذہین آدمی تھا۔ اس نے اپنے بادشاہ کی تعریف بھی کی اور سلطان کے اوصاف بھی بیان کئے اور اس پر اضافہ کیا کہ اگر آپ دونوں بادشاہوں کی خوبیاں ایک دوسرے میں آجائیں تو آپ دونوں کا دنیا میں کوئی ثانی نہ ہو

سلطان نے اس محفل میں اس سے بہت بے تکلفی سے باتیں کیں۔ رچرڈ کی بہادری اور شجاعت کا اعتراف بھی کیا۔ البتہ اتنا کہا کہ وہ دولت اور بہادری کے صرف میں اسراف سے کام لیتا ہے۔

اپنے بارے میں اس نے کہا خواہ میں کتنا بڑا بادشاہ بھی کیوں نہ ہو جاؤں۔ اور میں ہمیشہ چاہوں گا کہ مجھے اس حد تک دولت ملے کہ عقل و اعتدال

اس کے خرچ میں ساتھ ساتھ رہیں۔ میں عقل و احتیاط کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دوں گا۔"

اسی محفل میں سلطان نے اسقف سے اس کی دلی خواہش اور احتیاج بھی معلوم کرنی چاہی اور ہر قسم کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ اسقف نے اس وقت تو اپنی خواہش بیان نہ کی لیکن دوسرے دن درخواست کی کہ شامی راہبوں کے ساتھ ساتھ دو رومن کیتھولک پادریوں کو بھی یروشلم کے مقدس گرجا میں رہنے کا اذن عطا کرے۔ سلطان نے یہ درخواست قبول کر لی۔ اور نہ صرف بڑے گرجے میں رومن کیتھولک کلیسا کے نمائندوں کے تقرر کو منظور کیا۔ دوسرے گرجوں میں بھی ان کا تقرر ضروری کر دیا۔"

ابن شداد فرماتے ہیں کہ جب سلطان ابھی القدس ہی میں تھا اور ابھی شعبان ختم نہ ہوا تھا کہ اسے اطلاع ملی۔ رچرڈ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یافا سے عکا روانہ ہو گیا ہے اور یافا میں بہت تھوڑے عیسائی رہ گئے ہیں۔ جب صورتِ حال یہ ہو گئی تو سلطان نے فوجوں کا معائنہ کیا اور ان کے سپہ سالاروں اور انہیں گھروں کو لوٹ جانے کی اجازت دے دی۔

یہ اجازت رمضان کے شروع میں فوجوں کو ملی۔ سب سے پہلے اربل کی فوج روانہ ہوئی پھر موصل کا لشکر رخصت ہوا، پھر سنجار، حصن اور دوسرے مقامات کے دستے اپنے اپنے وطن کو لوٹے اور خود سلطان ایک بار اور القدس آیا۔ اپنے بھائی العادل کی تیمارداری کے لیے صوبیل پہنچا۔ العادل جب سے بیمار ہوا تھا۔ بھائی سے نہیں ملا تھا۔ بھائی سے ملاقات کے بعد العادل تو اپنی ریاست کی طرف چل دیا اور سلطان القدس میں ٹھیرا۔ وہیں بغداد کے سفیر نے حاضری دی۔ وہیں اس نے اپنے بیٹے الملک الظاہر کو یادگارِ زمانہ وصیت کی۔ اس نے اس سے کہا: "ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا، خدا کا ڈر ہر نیکی کی جڑ ہے۔ میں تمہیں وہی حکم دیتا ہوں جو اللہ نے دیا ہے۔ اللہ کے حکم سے نجات وابستہ ہے۔ میں تمہیں خونریزی سے روکتا ہوں خبردار اس کے قریب نہ جانا کیونکہ خون کبھی رنگ لائے بغیر نہیں رہتا۔ میری تمہیں یہ بھی نصیحت ہے کہ امرا کے دل ہمیشہ اپنی مٹھی میں رکھنا۔ رعایا کا ہر وقت خیال رکھنا۔ کسی کو حقیر نہ جاننا۔ کسی کا

حق نہ مارنا۔ کیونکہ اگر تم نے ان کا حق مارا تو یہ کبھی معاف نہ ہوگا۔"

سلطان شوال کے شروع تک القدس ٹھہرا۔ وہاں کی عمارتیں درست کرائیں۔ وہاں ایک شفاخانہ اور مدرسہ کھولا۔ ان کے لئے اوقاف وقف کئے۔ پھر پانچ شوال کو القدس سے اپنی سلطنت کے ایک عام معائنہ کے لئے روانہ ہوا۔ اور تمام ضروری ساحلی مقامات سے ہوتا ہوا بیروت پہنچا۔ اس نے رستہ میں ہر قلعہ اور ہر شہر کو دیکھا۔ ان کی شہر پناہوں کو درست کرایا وہاں ضروری فوجیں متعین کیں اور ایک عام دورہ کرنے کے بعد دمشق آیا۔ الکامل ج ۱۲ ص ۵

وہ چار سال دمشق سے باہر رہا تھا۔ جب اس کی سواری دمشق کے قریب پہنچی تو ابن کثیر کے بیان کے مطابق سارا شہر، عورتیں بچے، بوڑھے اور جوان اس کے استقبال کو موجود تھے۔ دمشق کے لوگوں کے لئے یہ عید کا دن تھا۔ عورتوں، بچوں اور جوانوں نے عمدہ عمدہ کپڑے پہنے، خوشبوئیں لگائیں اور اپنے اس تاجدار کو اپنے شہر میں لائے جس نے اسلام اور ملت کی خاطر اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا جس نے اسلام کی آبرو رکھ لی تھی اور ساری دنیائے کفر کو، اس کے ہر ساز و سامان کے باوجود ارضِ شام میں پاؤں جمانے سے باز رکھا تھا۔

وہ جب دمشق آیا تو شعرا نے قصیدے لکھے۔ مغنیوں نے نغمے گائے اور مسجدوں میں علما نے اس کے لئے دعائیں کیں اور اس نے بھی یہاں آن کر یہاں کے لوگوں کو خوب نوازا۔ لوگوں کو جھولیاں بھر بھر کر دولت بانٹی۔ ان کی شکایات سنیں۔ ان کی ضرورتیں پوری کیں اور ان کا سچا رفیق و غمگسار ثابت ہوا۔

کام ختم ہوا

کام ختم ہوا

کام ختم ہُوا

صلاح الدین جس بڑے کام کے لیے اس دنیا میں آیا تھا۔ وہ یافا کے مقام پر ہونے والی مصالحت نے ختم کر دیا اور ملتِ مسلمہ کی پیشانی اس داغ سے دھل گئی۔ جو ارضِ فلسطین پر عیسائیوں کے قبضے سے لگا تھا۔

ایک صدی پیچھے جب افرنگیوں نے ارضِ شام پر دھاوا بولا۔ اور شام کے قریب قریب تمام ساحل اور حتیٰ کہ دمشق و حلب کے مضافات ان کے قبضہ و اختیار میں آگئے تو مسلمانوں کی حالت بڑی ہی مایوس کن تھی۔ آتابک زنگی اور اس کے بیٹے نورالدین کے زمانہ تک عیسائی شام میں ایک غالب طاقت سمجھے جاتے۔ مورخ ابن کثیر کے الفاظ ہیں۔ عیسائی کئی بار حلب کے دروازوں تک بڑھے چلے آئے۔ انہوں نے دمشق کے باغ کئی بار لوٹے۔

یہ بڑی ذلت کی بات تھی۔ اس میں کوئی کلام نہیں۔ حضرت غازی نورالدین زنگی نے عیسائیوں کو کئی بڑی شکستیں دیں۔ مگر ان کی موت تک۔ یروشلم کے عیسائی جماعتِ مغلوب نہ بنائے جاسکے۔ وہ کبھی مصر کو فتح کرنے کی دھمکیاں دیتے اور کبھی حلب کو۔ حتےٰ کہ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد انہوں نے دمشق پر چڑھائی بھی کر دی تھی۔

یہ صلاح الدین تھا جس نے اللہ کا نام لے کر یروشلم کے عیسائیوں کو قدم قدم پر مارا۔ جس نے حطین کے میدان میں عیسائیوں کو گھیر کر ایک عظیم شکست دی اور ان سے ایک ایک کرکے فلسطین اور ساحلِ شام کے تمام اہم مقامات چھین لیے۔

ابن اثیر کے قول کے مطابق اگر یورپ اپنے چھ لاکھ رضاکار یروشلم کی زمین پر نہ تارتا۔ اگر رچرڈ شاہِ انگلستان، فلپ شاہِ فرانس، قیصر فریڈرک شاہِ جرمنی، آسٹریا کا لیوپولڈ، برگنڈی کا ڈیوک، کا کاؤنٹ اور اسی قسم کے دوسرے سینکڑوں یورپین امرا، پاپائے روم کی اپیلوں سے متاثر ہو کر، شام نہ آتے تو صلاح الدین ارضِ شام میں بسنے والے ایک ایک عیسائی کو سمندر پار روانہ کر دیتا۔

ابن اثیر کے اندازے کے مطابق، یہ بڑے لوگ یورپ سے چھ لاکھ رضاکار لے کر ساحلِ شام پر اترے تھے۔ جن میں سے پانچ لاکھ چالیس ہزار، ان مختلف لڑائیوں میں کام آئے۔ جو صلاح الدین نے ان سے لڑیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں سلطان صلاح الدین نے ان بڑے عیسائیوں کو ان کی فوجوں کی غالب تعداد سے محروم کر دیا!

لین پول نے اعتراف کیا ہے کہ عیسائیوں نے اتنے کثیر نقصانات اٹھانے کے باوجود، ارضِ شام میں جو حاصل کیا۔ وہ محض ایک تپلی سی زمین کی پٹی تھی جو صور سے لے کر یافا تک سمندر کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی تھی۔ زمین کی یہ مختصر پٹی بھی سلطان اس موسمِ گرما میں ان سے لازماً چھین لیتا۔ جیسا کہ اپنے ایک خط میں اس نے رچرڈ کو لکھ بھی دیا تھا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اس سال جب سردیوں کا آغاز ہوا اور اس کی تابع فوجیں بڑی تعداد میں اس کے پاس آنے لگیں تو وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ رچرڈ اور اس کے ساتھیوں کو زبردستی اس ملک سے نکال دے۔

لیکن یہ اس کی شرافت تھی کہ اس نے رچرڈ کا مصالحت کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ واپس نہیں کیا۔

خود یہ مصالحت اور اس کے شرائط اس کی برتری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اگر رچرڈ اور

اس کے ساتھیوں میں جان ہوتی تو وہ اس قدر جھک کر مصالحت نہ کرتے۔

بہر حال اس مصالحت سے صلاح الدین کا کام تکمیل کو پہنچا اور وہ اس دنیا میں جس لئے آیا تھا۔ وہ ختم ہو گیا۔ اس نے اس کے لئے جتنی محنت کی۔ کوئی دوسرا نہ کر سکا۔ اس نے نہ دن دیکھا اور نہ رات۔ اس نے کئی کئی دن تک کھانا نہ کھایا۔ اور لڑائی کی نگرانی جاری رکھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس بڑے کام میں اس کی مدد شام کے دوسرے امرا نے بھی کی۔ اس کے بھائی العادل اور اس کے بیٹے الظاہر، الافضل، الملک المنصور، صاحب سنجار، عماد الدین صاحب موصل اور تقی الدین عمر نے خوب کی۔ مگر یہ وہی تھا جو ان سب کو ایک پلیٹ فارم پر لے آیا۔ یہ وہی تھا جس نے کردوں، ترکوں، عربوں، مصریوں، عراقیوں، سنجاریوں اور نہ جانے کس کس نسل کے مسلمانوں کو جو ایک دوسرے سے دور بھاگتے تھے۔ ایک شیرازہ میں پرو دیا اور ان سب سے خوب کام لیا۔

بہر حال ۵۸۹ھ جب شروع ہوا تو صلاح الدین اپنا فریضہ پورا کر چکا تھا اور مسلمان اپنا سر پورے فخر کے ساتھ اونچا کر کے کہہ سکتے تھے۔ ہمیں شکست دینے اور ہم سے ہمارا ملک چھیننے کی طاقت کسی قوم میں نہیں ہے۔

سفر آخرت

سفر آخرت

سفرِ آخرت

دمشق لوٹ کر آئے اسے کئی مہینے ہو چکے تھے۔ اب وہ پہلے ہی کی طرح سلطنت کے کاموں میں دلچسپی لیتا۔ ہر ہفتے میں دو دن رعایا کی شکایات سنتا اور دوسرے امورِ سلطنت انجام دیتا۔

مسلسل تھکاوٹ کے اثرات طبیعت پر سے دور کرنے کے لئے وہ کبھی کبھی اپنے بھائی العادل کی معیت میں جو کرک سے اس کے پاس آگیا تھا، شکار کھیلنے بھی جاتا۔

وہ بظاہر خوش و خرم تھا اور اپنی طبیعت کو اچھی طرح بہلا رہا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ قدرت اسے اپنی طرف بلانے کا ارادہ کر چکی ہے اور وہ اپنے بچوں بھائیوں اور دوسرے اعزا اور رعایا کو چھوڑ کر عنقریب دوسری دنیا کو جانے والا ہے۔

ابن شداد کہتے ہیں:- یہ محرم ۵۸۹ھ کا مہینہ تھا۔ سخت سردی پڑ رہی تھی کہ میرے نام القدس میں اس کا ایک فرمان آیا، کہ میں اس کی خدمت میں حاضری دوں۔ میں ۲۳ محرم کو القدس سے چلا اور ۱۲ صفر کو دمشق پہنچا۔ میں جب ایوانِ شاہی میں داخل ہوا تو وہاں بہت سے اکابر جمع تھے اور سلطان کی تشریف آوری کے منتظر تھے۔

میں وہاں پہنچا اور میری حاضری کی اطلاع اسے ہوئی تو اس نے مجھے اپنے مخصوص کمرہ میں طلب کیا۔ وہاں وہ اکیلا تھا اور کوئی اس کے پاس نہ تھا۔ مجھے کمرہ میں آتے دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ مجھے سینہ سے لگا لیا اور اس کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔

دوسرے دن سلطان نے پھر مجھے طلب کیا اور مجھے اپنے پاس بٹھا کر دل کھول کر

باتیں کیں۔ اس دن بھی اس نے میرے سوا کسی دوسرے کو اپنے حضور باریاب نہ کیا۔ تیسرے دن پھر اس نے مجھے بلایا۔ اس دن وہ اپنے باغیچہ کے صفہ میں بیٹھا تھا اور اس کے پاس اس کا سب سے چھوٹا بچہ کھیل رہا تھا۔ اس نے کسی سے پوچھا۔ آج ایوان میں کون کون بیٹھے ہیں۔ اسے بتایا گیا کہ بڑے بڑے امرا ہیں اور کچھ افرنگی سفیر ہیں جو باریابی چاہتے ہیں۔ اس نے سفیروں کو باریابی کا اذن دیا۔ سفیر آئے تو ان کی عجیب اور غیر مانوس شکلوں اور لباسوں کو دیکھ کر سلطان کا چھوٹا بچہ رونے لگا۔ وہ کسی طرح نہ بہلا تو سلطان نے سفراء سے معذرت کر کے انہیں لوٹا دیا اور ابن شداد سے باتیں کرنے لگا۔ وہیں اس نے کھانا منگوایا۔ کھانے میں چاول اور دودھ تھا۔ گو یہ بہت ہلکی غذا تھی۔ لیکن اسے بھی اس نے کچھ اشتہا سے نہیں کھایا۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ میں نے اس کے کھانے کے انداز سے خیال کیا کہ اسے بھوک نہیں ہے اور اس کی طبیعت کچھ بوجھل بوجھل سی ہے۔ اس کی حرکات وسکنات سے بھی سستی ظاہر ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے کئی دن سے امرا کو باریابی نہ عطا کی تھی وہ ان سب سے گریز کرنے لگا تھا۔

جب ہم کھانا کھا چکے تو باتیں ہونے لگیں۔ سلطان نے حجاج کے بارے میں پوچھا میں نے عرض کیا۔ حاجیوں کے ایک قافلے کو میں نے رستہ میں دیکھا تھا۔ اگر کوئی رکاوٹ مانع نہ ہوئی ہو تو میرا خیال ہے آج یا کل دمشق پہنچ جائیں گے۔ سلطان نے خواہش ظاہر کی کہ ہم ان سے ملنے کے لئے آگے جائیں گے۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ اس دن جب میں اس سے رخصت ہوا تو وہ کچھ خوش نہ تھا۔ اس کی طبیعت بجھی بجھی سی تھی۔ دوسرے دن جمعہ کے لئے وہ نکلا میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ حاجیوں کے قافلہ سے بڑے احترام سے ملا اور پھر اس کی سواری آگے کو بڑھ گئی۔ میں نے اس کو دیکھا تو اس کے جسم پر کراغندہ نہ تھا اور یہ اس کی عادت کے خلاف

بات تھی کہ وہ کراغندہ گھر چھوڑ کر آتا۔ میں نے اس کے قریب جا کر اسے یاد دلایا۔ اس نے کراغندہ مانگا۔ مگر عجب بات ہوئی۔ زردکاش موجود نہ تھا (زردکاش غالباً کوئی خادم تھا جو لباس اٹھا کر چلا کرتا) مجھے اس انوکھی بات سے بہت صدمہ ہوا۔

یہ اس کی آخری سیر تھی۔ وہ قلعہ تک گیا اور پھر اسے کچھ کسل سا محسوس ہوا۔ وہ لوٹا، اسی رات اس کا جسم ٹوٹنے لگا اور آدھی رات کے قریب اس پر غشی طاری ہوئی اور صفراوی بخار نے اسے آن دبوچا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی بار اس صفراوی بخار میں مبتلا ہوا تھا۔ اس میں صفراوی مادہ بہت تھا۔

ہفتہ کے دن جب وہ سو کر اٹھا تو اس کی طبیعت صاف نہ تھی۔ بخار کا اثر موجود تھا۔ مگر اس نے اپنی بیماری لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دی۔ ابن شداد حسبِ عادت قاضی الفاضل کی معیت میں اس کے حضور حاضر ہوئے۔ مزاج پرسی کی۔ اس کا بیٹا الملک الافضل بھی آن پہنچا۔ اس نے ان سے رات کی پریشانی کا شکوہ کیا، پھر باتیں کرنے لگا۔ باتوں میں اس کا جی خوب بہلا اور دوپہر تک ان لوگوں کو اپنے پاس سے اُٹھنے نہ دیا۔

مگر اس دن دوپہر کے کھانے کا دسترخوان جب بچھا تو سلطان سرِ دسترخوان موجود نہ تھا اس کی جگہ اس کا بڑا بیٹا الملک الافضل بیٹھا تھا۔ یہ بات اس کے مخصوص دوستوں کو بھلی نہ لگی۔ اور وہ دسترخوان سے اٹھ گئے اور ابن شداد کا تو دل بیٹھنے لگا اور آنکھیں بہہ نکلیں۔

اس دن سے بیماری بڑھنے لگی۔ قاضی الفاضل اور ابن شداد دن میں کئی کئی بار اس کی تیمارداری کو جاتے۔ شہزادے اور گھر کے لوگ بھی باریاب ہوتے۔ حرارت بہت تیز ہو گئی تھی اور دماغ کو بخارات چڑھ گئے تھے۔ اطبا علاج میں لگے تھے مگر کوئی افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔ چوتھے دن طبیبوں نے اس کا فصد کھولا۔ اس سے مرض اور بھی بڑھ گیا اور خشکی تو انتہا کو پہنچ گئی چھٹے دن ابن شداد اور القاضی الفاضل نے اسے مسند کے سہارے بٹھایا۔ دوا پلائی۔ دوا کے بعد اسے جو پانی پینے کو دیا گیا، وہ گرم تھا۔ اس لئے اس نے اسے لوٹا دیا اور ٹھنڈا پانی مانگا۔

اب جو پانی آیا - وہ زیادہ ٹھنڈا تھا۔ اس نے اسے بھی لوٹا دیا اور بہت نرم الفاظ میں شکوہ کیا۔ یہاں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو پانی کو اعتدال پر لے آتا۔

ابن شداد اور قاضی الفاضل یہ کیفیت دیکھ کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے دل بہت بری طرح کٹ گئے تھے اور وہ زور زور سے رونے لگے تھے۔ قاضی الفاضل نے روتی ہوئی آواز میں ابن شداد سے کہا۔ تم نے دیکھا۔ کتنے اونچے اخلاق کا آدمی ہے یہ۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو پانی کا پیالہ خادم کے منہ پر دے مارتا۔

اس وقت تک سلطان ہوش میں تھا۔ پھر اس پر بیہوشی طاری رہنے لگی اور نویں دن تو وہ قطعاً بے ہوش ہو گیا اور دوا تک پینا چھوڑ دی۔ اس خبر نے شہر پر ماتم طاری کر دیا۔ شہر کا بچہ بچہ رونے اور چیخنے لگا۔

دسویں دن اسے انیمہ دیا گیا جس سے اس کی حالت کچھ سنبھل گئی۔ اس دن اس نے جو کا پانی بھی پیا اور لوگ خوشیاں منانے لگے۔ کہ سلطان کی صحت بحال ہو رہی ہے۔

مگر گیارھویں دن حالت پھر خراب ہو گئی اور اکثر لوگوں کو سلطان کی موت کا یقین ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ الملک الافضل نے عام ولی عہدوں کے انداز کے مطابق، اہلِ دربار اور امراء سے اپنی وفاداری کا حلف لیا۔

الملک الافضل اور دوسرے امرا کا خیال صحیح تھا۔ سلطان کی بیماری اگلے دن اور بڑھ گئی

ابن شداد کہتے ہیں کہ یہ بیماری کی انتہائی شدت تھی جس نے سلطان اور ہم میں عورتیں حائل کر دیں۔

البتہ رات کے آخری حصہ میں سلطان نے خود ان دونوں کو یاد کیا۔ اس وقت وہ خود بھی سمجھ گیا کہ موت اس پر حاوی ہونے کو ہے اور اس کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس وقت

اس نے چاہا۔ یہ دونوں اس کے پاس بیٹھیں اور قرآن خوانی کریں۔ مگر مصلحت اسی میں سمجھی گئی کہ ان دونوں کی بجائے، شیخ ابو جعفر امام الکلاسہ، سلطان کے پاس رہیں اور قرآن خوانی کریں۔

کبھی کبھی اس کے حواس اسے واپس مل جاتے اور وہ شیخ صاحب کے ساتھ، قرآن کی آیات دہرانے لگتا۔ لیکن زیادہ تر اس پر غشی طاری رہی۔ یہاں تک کہ صبح کے وقت موت نے اسے دبوچ لیا اور تاریخِ اسلام کے عہدِ ثالث کا وہ فرد مسلمانوں سے چھن گیا جو ان کا سب سے بڑا محسن تھا۔

اس کی موت کی خبر دمشق میں اس طرح سُنی گئی جیسے صلاح الدین نہیں مرا، دمشق کے ہر خاندان کا سرپرست، مربی اور نگران موت کے دامن میں جا سویا ہے۔

صلاح الدین کی موت ایک عالم کی موت تھی۔ ایک دنیا چل بسی تھی۔ دمشق کے لوگ اس طرح رو رہے تھے جیسے ان کا سب کچھ ان سے چھن گیا ہے۔

صبح کے وقت سے لے کر دوپہر تک سارا شہر ماتم کدہ بنا رہا۔ دوپہر کے وقت لوگوں کو ہوش آیا، خصوصیت سے دربار کے امرا تو نمازِ ظہر کے بعد جاگے اور سلطان کی تغسیل و تکفین کا کام شروع ہوا۔ عصر کے قریب اس کی نعش سپردِ خاک کر دی گئی۔

صلاح الدین کی موت کی تاریخ ابن شداد نے ۲۷ صفر لکھی ہے[ک]۔ ابن اثیر نے کوئی تاریخ نہیں دی صرف صفر کا مہینہ دے دیا ہے۔ ابن خلدون نے بھی ابن اثیر کا تتبع کیا ہے اور تاریخ وفات نہیں لکھی۔

[ک] ابن شداد ۲۰۳
ابن اثیر جز ۱۲ ۳۴
ابن خلدون جز خامس ۳۲۰

شخصیت و کردار

شخصیت و کردار

شخصیت و کردار

یقیناً اس کا خمیر جس مٹی سے اٹھا تھا۔ وہ بڑی پاکیزہ اور طاہر تھی۔ یقیناً اس کے دادا شاذی انتہائی شریف اور اس کے باپ نجم الدین بڑے خلیق، بڑے دانا اور بینا تھے۔ مگر صلاح الدین کی بات ہی اور تھی۔ وہ ایک ایسا فرزانہ تھا جس کی مثال اس دور میں دور و نزدیک نہ ملی۔ وہ ایک ایسا مجاہد تھا جیسا اس دور میں کیا۔ کئی صدیوں میں کوئی اور نہ پیدا ہوا۔

ابن کثیر نے اس کی موت کا ذکر کرتے ہوئے کتنی صحیح بات کہی ہے۔

فقد کان ردءً للاسلام و حرزاً من کید الکفرة

وہ کفر کے مقابلہ میں اسلام کی ردا تھا اور ایسی ردا اس دنیا میں کوئی اور نہ تھی۔

وہ اگر نہ ہوتا تو نہ جانے عالم اسلام پہ کیا بیتی۔

عموماً مجاہد خوش اخلاق نہیں ہوتے۔ تلوار چلا چلا کر ان کے مزاج میں کچھ چڑچڑا پن یا درشتی پیدا ہو جاتی ہے مگر اللہ کا یہ بندہ صلاح الدین تو کچھ عجیب اوصاف کا حامل تھا۔ اس کے اندر قدرت نے کچھ نرالی خوبیاں بھری تھیں۔ وہ بیک وقت مجاہد بھی تھا۔ اور نرم دل دوست و فرض شناس حاکم بھی۔ وہ بڑا سخی، کریم اور غنی تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے خزانہ میں صرف ۴۷ درہم چاندی کے اور ایک سکہ سونے کا تھا۔ اور یہ اس لئے کہ وہ عوام کی ضروریات و احتیاج کو اپنی ضروریات و احتیاج سمجھتا تھا۔ وہ روپیہ جمع کرنے والا حکمران نہ تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کسی پر جبر کر کے ایک کوڑی وصول

ابن کثیر ج ۱۲ ص ۳
العماد الکاتب
ابن شداد ۱۰

نہ کی، حکومت کے مداخل سے جو ہر رقم ہر سال اسے ملی۔ اس نے اس پر کفایت کیا اور یہ رقم جیسے جیسے اس کے پاس آتی۔ وہ اسے عوام پر خرچ کرتا رہا۔

ابن شداد اس کی سخاوت کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ لوگ اس سے بستیاں نہیں زراع مانگتے تو وہ دے دیا کرتا۔ ابن قرہ ارسلان نے اس سے کتنی بڑی سلطنت مانگی اور اس نے اسے ہنس کر بخش دی۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ وہ اتنا سخی تھا۔ کہ اس کے خزانچی، بعض رقمیں اس سے چھپا رکھتے۔ اسے بتاتے نہیں۔ اسے اگر معلوم ہوتا کہ خزانہ میں کچھ ہے تو وہ اسے خزانہ میں نہ رہنے دیتا۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ خزانہ عامہ میں جو روپیہ داخل ہوتا ہے۔ وہ عوام کی جیبوں سے آتا ہے اور اسے عوام پر خرچ ہونا چاہئے۔ ابن شداد ۱۱

یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی ذات پر بہت کم خرچ کرتا۔ اس کا لباس بہت معمولی ہوتا اس نے کبھی اپنی زندگی میں سوتی، کتانی، اور اونی کپڑوں کے سوائے دوسرے کپڑے نہیں پہنے ریشم اور رنگیلے کپڑوں سے وہ بہت دور رہا کرتا۔ وہ سواریوں میں بھی بہت احتیاط کرتا۔ اس کے محلات میں اس کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ وہ عوام کے روپے کو فضول اور عیاشی کی چیزوں پر صرف کرنے کے سخت خلاف تھا۔ وہ اپنی ذات کے لئے کنجوسی کی حد تک کنجوس تھا۔ مگر دوسروں کے لئے عوام کے لئے، ساتھیوں کے لئے، اور امرا کے لئے اس کا دامن کرم وسیع سے وسیع تر تھا۔ ابن کثیر جز ۱۳ ص ۵

ابن شداد نے وضاحت کی ہے کہ اس کا نہ کوئی گھر تھا نہ باغ، نہ جاگیر نہ زمین۔ ایک بستی بھی اس کی ذاتی نہ تھی۔ موت کے بعد اس نے سلطنت، تخت یا تاج کے سوا اپنے ورثا کو کوئی ذاتی ملکیت نہ سونپی تھی۔[1] ابن شداد

ابن شداد کے الفاظ ہیں:-

ولم یخلف ملکا، ولا داراً، ولا عقاراً، ولا بستاناً، ولا قریتہ،

ولا مزرعۃً ولا شیئاً من انواع الاملاک[1]

اس نے کوئی ملکیت پیچھے نہ چھوڑی، نہ کوئی گھر، نہ کوئی جاگیر، نہ کوئی باغ، نہ بستی نہ کھیتی اور نہ کوئی دوسری ایسی چیز جسے ملکیت کہا جا سکے۔

حتیٰ کہ اسے کفن بھی قرض لے کر پہنایا گیا تھا اور یوں وہ مصر، شام، عراق، موصل اور کردستان کا سب سے بڑا بادشاہ تھا۔

اسے عوام کا اس قدر احساس تھا کہ وہ جہاد کے دنوں کے سوا ہفتہ میں دو بار کھلی عدالت منعقد کرتا جس میں وہ بڑے فقہا، قاضیوں اور علما کو جمع کرتا اور ان کی موجودگی میں عوام کی شکایتوں جھگڑوں اور اہم مقدموں کو سنتا۔ اس کی اس عدالت میں بڑے سے لے کر فقیر، محتاج، بوڑھا اور قطعاً بے سہارا آدمی بھی آ سکتا تھا۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ اس کی یہ عدالتیں، ہر زمانہ میں ہر سفر اور حضر میں منعقد ہوتیں اور ان کی یہی کیفیت رہتی۔

حکومت کے معاملات اور رعایا کی دیکھ بھال میں وہ اس قدر دلچسپی لیتا کہ ہر روز خواہ دن کے وقت یا رات کے وقت وہ ساری ڈاک، ساری شکایتیں اور معاملات سنے بغیر آرام نہ کرتا۔

اس کے انصاف کی ابن شداد نے کچھ مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ ان میں سے ایک تو بہت ہی عجیب ہے۔

ابنِ شداد خود قاضی تھے اور یہ مقدمہ ان کی عدالت میں پیش ہوا۔ ایک مشہور تاجر عمر الخلاطی ان کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا۔ میرا انصاف کیجئے میں نے سنا ہے آپ بڑے منصف ہیں۔ ابن شداد نے اس سے پوچھا۔ آپ کا دعوےٰ کس پر ہے۔ اس نے جواب دیا۔ میرا دعوےٰ سلطان پر ہے اور تفصیل بیان کی کہ اس کا ایک غلام تھا جو موت کے وقت تک اس کا غلام رہا۔ موت کے وقت اس نے بہت سی دولت چھوڑی اور اس

دولت کا نگران سلطان کو بنا گیا۔ حالانکہ اس کا والی مجھے ہونا چاہئے تھا۔

ابن شداد نے یہ دعویٰ سنا تو پوچھا۔ مگر آپ اتنی مدت تک کیوں چپکے بیٹھے رہے۔ آپ نے پہلے کیوں یہ دعویٰ پیش نہ کیا۔ تاجر نے جواب دیا کہ تاخیر، حق کو باطل نہیں کرتی اور ساتھ ہی ایک تحریر پیش کی۔

ابن شداد نے اس قصہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس نے سلطان کو اس دعویٰ سے باخبر کیا اور تحریر لے کر سلطان کو بھیج دی۔ سلطان نے عدالت منعقد کی اور ایک مدعا علیہ کی حیثیت سے اپنا حق واضح کیا۔ ایک تحریر پیش کی جس میں درج تھا کہ سلطان نے اس غلام کو، مصر میں فلاں تاریخ کو فلاں اشخاص کی موجودگی میں خرید کیا تھا اور یہ معاہدہ اس تاریخ سے پہلے کا تھا جو اس شخص نے پیش کی تھی۔ سلطان کے اس دعویٰ کی شہادت، مصر کے رہنے والے کئی امرا اور معتبر لوگوں نے دی۔

بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص نے محض سلطان کا تقرب حاصل کرنے کے لئے یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ اگر سلطان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس جھوٹے مدعی کو سخت سزا دیتا۔ لیکن سلطان نے اسے حاجت مند پاکر نہ صرف معاف کر دیا بلکہ خلعت عطا کی اور بہت سا روپیہ دیا۔

وہ بہت رحمدل اور نرم مزاج و نرم خو بھی تھا۔ اپنے ماتحتوں پر ہمیشہ نظرِ عنایت رکھتا۔ عماد الدین الکاتب فرماتے ہیں کہ ایک بار ایسا ہوا کہ جب سلطان ایک سفر پر نکلا۔ اس کے ساتھ جو امرا ہم رکاب ہوتے۔ ان میں ایک امیر ایوب بن کنان بھی تھے۔ اس سفر میں وہ سلطان کے ہم رکاب نہ ہوئے پیچھے رہ گئے۔ جب کچھ دن کے بعد آئے تو سلطان نے ان سے پیچھے رہنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ ان کے قرضخواہوں نے انہیں پکڑ رکھا تھا۔ آنے نہ دیتے تھے۔ سلطان نے یہ سن کر عماد الدین الکاتب کو حکم دیا کہ امیر ایوب کے قرض کی فہرست تیار کرے۔ فہرست تیار ہوئی تو بارہ ہزار دینار واجب الادا نکلے سلطان نے یہ رقم اسی وقت ادا کروا دی۔

وہ گنہگار ساتھیوں کی خطائیں بھی نظرانداز کرنے کا عادی تھا۔

عمادالدین نے ایک مثال دی ہے کہ ایک بار اس کے خزانچی کا حساب ہُوا تو ستر ہزار دینار کا حساب نہ ملا۔ سلطان اس دیوان کے بارے میں جانتا تھا کہ وہ یوں تو ایماندار ہے لیکن حساب میں غلطی یا غفلت کر بیٹھا ہے۔ سرکاری روپیہ، سرکاری معاملات میں خرچ کر کے بھول گیا ہے۔ اس لیے سلطان نے اس سے کوئی باز پرس نہ کی۔

سلطان جس طرح روپیہ تقسیم کرتا۔ اس کی کچھ مثالیں بھی عمادالدین نے دی ہیں۔ جن میں سے ایک مثال بہت عجیب ہے۔ عمادالدین کہتے ہیں۔ سلطان نے ایک بار ان سے پوچھا، کہ دروازے پر کتنے مسافر ہیں اور پھر تین سو دینار دیئے کہ ان میں حسب مراتب تقسیم کر دیئے جائیں۔ عمادالدین نے تقسیم سے پہلے ان سب کے نام لکھے اور حساب کئے بغیر ان کے ناموں کے آگے رقم لکھتے گئے۔ حساب کیا تو رقم چار سو دینار بن گئی۔ اب وہ سوچنے لگے کہ کس نام کے آگے سے کتنی رقم کاٹیں کہ سلطان نے ان کو دیکھا اور متفکر پا کر پوچھا، کیا قصہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ آپ نے تین سو دینار دیئے تھے اور میں نے چار سو دیناروں کا حساب غلطی سے لکھ ڈالا ہے۔ سوچتا ہوں۔ ایک چوتھائی رقم ہر نام کے سامنے سے کاٹ دوں۔ سلطان نے فرمایا جو لکھا گیا سو لکھا گیا، کاٹنے کی ضرورت نہیں۔

سلطان مجاہدین کے حق میں بڑا سخی تھا۔ خصوصیت سے سپاہیوں کو گھوڑے عطا کرنے میں تو کبھی کبھی حد سے بڑھ جاتا اور اپنی مخصوص سواریاں بھی دے ڈالتا۔ عکا کے محاصرہ کے دوران میں اس نے کوئی بارہ ہزار گھوڑے لوگوں میں بانٹے۔ یہاں تک کہ وہ جب بھی کسی گھوڑے پر چڑھا۔ اسے اپنے کسی نہ کسی ساتھی کو یا تو چڑھتے ہی ہبہ کر دیا۔ یا اس کے بارے میں وعدہ کر لیا کہ ہم جب اس گھوڑے پر سے اتریں۔ یہ تمہارا ہو گا۔ اس لئے وہ جیسے ہی سواری سے اترتا۔ گھوڑے کا ہونے والا مالک آن پہنچتا اور گھوڑے کو لے کر چلتا بنتا۔

عمادالدین الکاتب، صلاح الدین کے کاتب یا سیکرٹری تھے۔ اس لئے انہوں نے

ایسی بہت سی باتیں ریکارڈ کی ہیں[ل]۔

ل بہاؤالدین ص ۲۳

بہاؤالدین نے بھی سلطان کے حلم اور عفو کے کئی قصے لکھے ہیں۔

ایک بار وہ تھکا ماندہ، تخلیہ میں اپنی خرگاہ کے دروازہ پر اس طرح بیٹھا تھا کہ کوئی اس کے سوا اندر نہ جا سکتا تھا۔ ایسے عالم میں اس کا مخصوص و معتمد خادم اس کے پاس ایک پرچہ لے کر آیا اور اس سے کہا۔ یہ پرچہ پڑھو اور جن لوگوں کے نام اس پر لکھے ہیں، ان کو کچھ دلواؤ۔ سلطان نے تھکاوٹ کی معذرت کی۔ مگر معتمد خادم نہ مانا۔ سلطان کے قریب آیا اور پرچہ اس طرح پرچہ سلطان کے چہرہ کے سامنے کیا کہ اس کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ پہلے ہی نام پر سلطان کی نظر پڑی تھی کہ اس نے کہا

"بھئی یہ آدمی تو مستحق ہے"۔

معتمد نے کہا۔ تو پھر اس کے نام کا رقعہ لکھ دیجیے۔ سلطان نے جواب دیا۔ اس وقت دوات پاس نہیں ہے۔ معتمد نے خرگاہ کے اندر دیکھا۔ دوات صدر میں رکھی تھی اور اتنی دور تھی اور ایسی جگہ تھی کہ سلطان کے سوا کوئی دوسرا آگے بڑھ کر اسے اٹھا نہ سکتا تھا معتمد نے سلطان کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ دیکھیے سامنے دوات پڑی ہے۔

بہاؤالدین یہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اس معتمد خادم نے سلطان کو گویا حکم دیا تھا۔ وہاں پڑی دوات کو آگے بڑھ کر اٹھاؤ اور حکم لکھو

سلطان نے حکم کی تعمیل کی اور کہا۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ آگے بڑھا، دوات اٹھائی اور حکم لکھا۔

بہاؤالدین یہ بات دیکھ رہے تھے آگے بڑھے، سلطان کے خلق کی تعریف کی اور معتمد کی گستاخی پر شکوہ کیا۔ سلطان نے تسلی دی۔

"ہمیں کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ ہم سے کچھ چھنا نہیں۔ اس کی خواہش پوری ہو گئی اور ہمیں ثواب مل گیا"۔

ایک بار بارش ہو رہی تھی۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ میں خچر پر سوار ہو کر سلطان کے پاس آیا میرے خچر نے چلتے وقت خوب چھینٹے اڑائے۔ یہ چھینٹے سلطان تک پہنچے اور اس کے تمام کپڑے خراب کر دیئے۔ سلطان ہنسا۔ بہاؤالدین نے شرمسار ہو کر پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر سلطان نے اسے اپنے ساتھ ملا لیا اور اس کے پہلو بہ پہلو چلنے لگا۔

یہ قصہ بیان کرنے کے بعد بہاؤالدین کہتے ہیں کہ سلطان اتنا حلیم اور نرم خو تھا کہ کبھی بعض دکھی اور ترشی کی اسے سخت سے سخت باتیں بھی کہہ دیتے۔ مگر وہ ناراض نہ ہوتا۔ بہاؤالدین نے اس کی بھی ایک مثال پیش کی ہے۔ کہتا ہے:

یافا کے ناکام محاصرہ کے بعد جب رچرڈ کے متعلق سلطان کو معلوم ہوا کہ وہ تنہا ہے اور وہ ایک جماعت سواروں کی لے کر وہاں پہنچا اور اس جماعت کو حکم دیا کہ رچرڈ پر حملہ آور ہو۔ مگر کسی کرد نے سلطان کو گستاخانہ جواب دے۔ وہ ناراض ہوا اور فوج کو وہیں چھوڑ کر اپنی چھاؤنی میں لوٹ آیا۔

بہاؤالدین نے اس کرد کا نام نہیں لیا۔ یہ وہی تھا جس کا ذکر ہم پیچھے کر چکے ہیں۔ اس نے سلطان کو طعنہ دیا تھا۔ تم اپنے غلاموں سے کیوں نہیں کہتے۔ وہ تمہارے لئے آج لڑیں۔ کل جب غنیمتیں بٹ رہی تھیں تو وہ آگے آگے تھے۔ غنیمتوں کے حصول کے وقت تم انہیں آگے رکھتے ہو اور لڑائی کے وقت ہمیں بلاتے ہو۔

یہ بات کہہ کر اس شخص نے سلطان کو بہت سخت ناراض کر دیا تھا۔ وہ وہاں سے انتہائی غصہ میں لوٹ آیا اور سارے سردار خود وہ کرد سردار بھی جس کے منہ سے بے اختیاری میں الفاظ نکل گئے تھے۔ سخت خوفزدہ ہو گئے اور کتنی دیر تک خوفزدہ رہے مگر سلطان نے تھوڑی دیر بعد ہی اپنے غصے پر قابو پا لیا۔ بہت سے پھل منگوائے اور امرا کو دعوت دی۔ ان امرا میں یہ کرد بھی تھا۔ جس نے گستاخی کی تھی مگر سلطان نے اس سے باز پرس کی اور نہ اس کا شکوہ دوسروں سے کیا۔

یہ صلاح الدین کا بڑا وصف تھا۔ یہ اس کی بڑی خوبی تھی۔

وہ ساتھیوں کے ساتھ ہی نہیں اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی بڑی مروت سے کام لیتا۔ یاد ہو گا۔ اس نے جب بھی کسی عیسائی شہر پر قبضہ کیا۔ اس کے رہنے والوں کو عام معافی دے دی۔ کسی کی جان و آبرو و مال سے تعرض نہ کیا اور ابن اثیر کے بیان کی رو سے، اس نے یہ بے جا، نرمی برت کر صور میں اپنے لئے دشمنوں کا ایک بڑا انبوہ جمع کر لیا۔ وہ اگر دشمنوں کو القدس اور دوسرے شہروں سے مال و متاع سمیت نکلنے نہ دیتا تو نہ صور اس کا مقابلہ کر سکتا اور نہ عکا کی لڑائی اتنی خوفناک صورت اختیار کرتی۔

ابن اثیر کا یہ شکوہ سیاسی لحاظ سے یقیناً جائز ہے۔ لیکن صلاح الدین عام بادشاہوں کی سیاست کا تابع نہ تھا۔ وہ انسان تھا اور انسانوں سے اسے محبت تھی۔ وہ خون آشامی کا قائل نہ تھا۔ وہ صرف اس حد تک لڑتا جس حد تک لڑائی ناگزیر ہوتی۔ اس نے کئی مخالف بادشاہوں کو جن کے آزاد رہنے سے بڑے فساد کا خطرہ تھا محض ان کی بیویوں کی خواہش پر رہائی دے دی تھی۔ جفری اور اس کے ساتھیوں کو اس نے محض اس لئے رہائی بخش دی تھی کہ ان کی بیویوں نے اس سے التجا کی تھی اور وہ اپنے حلم کے سبب اسے رد نہ کر سکا۔ اس جفری نے بعد میں کتنے فتنے اٹھائے۔ کیسی کیسی قیامتیں لہرائیں مگر صلاح الدین کو اپنی فیاضی پر کبھی افسوس نہ ہوا۔

صیدا کے محاصرہ کے دوران میں صاحب صیدا نے اسے کیسے کیسے دھوکے دیئے۔ مگر جب یہ صاحب صیدا اس کے پاس صور کے نواب کا سفیر بن کر آیا تو اس نے اسے بڑی عزت دی۔ صاحب انطاکیہ نے بھی اسے کئی فریب دیئے تھے۔ لیکن جب یہ سائل بن کر اس کے پاس بیروت میں حاضر ہوا اور اس سے کچھ مفتوحہ گاؤں مانگے تو اس نے یہ گاؤں اسے بخش دیئے۔

بہاؤ الدین کہتے ہیں۔ ایک لڑائی میں ایک عیسائی قیدی اس کے حضور پکڑا ہوا آیا۔

اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس لیئے بےچارا ڈر سے کانپ رہا تھا۔ سلطان نے اسے اس عالم میں دیکھ کر پوچھا "یہ ڈر کاہے کا ہے؟" آدمی ذہین تھا۔ جواب دیا۔ یہ ڈر پہلے کا ہے۔ جب سے آپ کو دیکھا ہے۔ سارا ڈر جاتا رہا ہے اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ میرے ساتھ ضرور بھلائی کریں گے۔

سلطان مسکرایا۔ اسے نہ صرف معاف کر دیا۔ خلعت بھی عطا کی اور کچھ نقدی بھی دی۔

حطین کی لڑائی میں کتنے ہی عیسائی قیدیوں کی اس نے جان بخشی کی، خلعتیں عطا کیں اور زادِ راہ دیا۔

بہاؤ الدین نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ عکا کی لڑائیوں میں سے کسی لڑائی میں ایک عیسائی عورت روتی ہوئی اس کے پاس لائی گئی۔ سلطان نے اس کے رونے کا سبب پوچھا۔ اسے بتایا گیا کہ بعض مسلمان ڈاکوؤں نے عیسائی چھاؤنی پر چھاپہ مار کر اس کے خیمہ
بہاؤ الدین ۲۱ سے اس کی بیٹی چرا لی ہے۔ سلطان نے تحقیقات کرائی۔ لڑکی منگوائی اور اس عورت کے سپرد کی۔

بہاؤ الدین کہتے ہیں۔ اس عورت کو روتے دیکھ کر سلطان بھی رو پڑا۔

یہ چند مثالیں دینے کے بعد بہاؤ الدین کہتا ہے۔

وکان حسن العشرۃ لطیف الاخلاق، طیب الفکا ، وکان حسن الخلق لیسال الواحد منا عن مرضہ و مداواتہ ومطعمہ ومشربہ وتقلبات احوالہ وکان طاہر المجلس لا یذکر بین یدیہ احد الا بخیر السمع فلا یحب ان یسمع عن احد الا الخیر وطاہر اللسان فما رایتہ ولع لشتم قط،

وکان حسن العہد والوفا فما احضر بین یدیہ

يستيو الا تزجر على مخلفيه وجبر قلبه واعطاه وجبر مصابه وان كان له من اهليه كبير يعتمد عليه سلمه اليه والا ابقى له من احسن ما يكفي حاجة وسلمه الى من تيقين بتربية ويكفلها

وكان لا يرى اشيخاً الا و يرق له و يعطيه ويحسن اليه ولم يزل على هذه الاخلاق الى ان توفاه الى مقر رحمة،

اس کے طور طریق اچھے اور اخلاق پاکیزہ تھے۔ مزاح بھی کرتا تو پاکیزہ۔ اس قدر اچھی طبیعت کا تھا کہ ہم سب سے ہماری بیماری، علاج کھانے پینے اور حالات کی تبدیلی کے بارے میں پوچھتا رہتا۔ اس کی مجلس بہت صاف ستھری تھی۔ وہ خود بھی لوگوں سے اچھی باتوں کے سوا اور کوئی بات نہ کہتا اور نہ بری باتیں سننا پسند کرتا۔ اس کی زبان بہت پاکیزہ تھی۔ میں نے اسے کسی کو بھی گالی دیتے نہ سنا۔ وہ وعدے کا بہت پابند تھا۔ وفا اس کی عادت تھی۔ اس کے سامنے جب بھی کوئی یتیم آیا۔ اس نے اس پر ضرور رحم کھایا۔ اس کے لئے اس کا دل ضرور پگھلا وہ اسے ضرور دیتا۔ اس کے اعزہ میں اگر کوئی قابل بھروسہ آدمی ہوتا تو اسے اس کے سپرد کر دیتا۔ ورنہ اس کی ضروریات کا اندازہ کر کے اس کے لئے کوئی رقم متعین کر دیتا اور کسی اچھے آدمی کے ذمہ اس کی تربیت کی ذمہ داری سونپ دیتا۔

اس نے جب بھی کسی بوڑھے کو دیکھا۔ اس پر ضرور رحم کھایا۔ اسے دل کھول کر دیا۔ آخر وقت تک اس کی یہی اچھی عادتیں رہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہوا

وہ بڑا صابر اور بہت ہی ضبط کرنے والا تھا۔ تکلیفیں آتیں تو وہ انہیں اس طرح برداشت کرتا جیسے یہ کوئی روزمرہ کی چیزیں تھیں۔ عکا کے محاصرہ میں وہ ایک بار سخت بیمار پڑا۔ اس کے سارے جسم پر پھوڑے نکل آئے۔ وہ کسی کل بیٹھ نہ سکتا تھا۔ یہاں تک کہ دسترخوان پر بھی نہ آسکتا۔ لیکن اس کے باوجود جب لڑائی چھڑی تو وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور میمنہ اور میسرہ میں اس طرح پھرتا رہا جیسے وہ قطعاً بیمار نہ تھا۔

بہاؤالدین کہتے ہیں۔ وہ شروع دن سے لے کر مغرب تک گھوڑے سے نہیں اترا۔ کبھی ایک صف میں آیا، کبھی دوسری میں پہنچا اور اپنی جسمانی تکلیف کی قطعاً پرواہ نہ کی۔

بہاؤالدین نے اس دن اس کی مزاج پرسی کی تو اس نے کہا۔ میں جب سوار ہو جاتا ہوں تو ہر تکلیف بھول جاتا ہوں۔[۱۵]

بہاؤالدین ۱۵

اس سلسلہ میں بہاؤالدین نے ایک اور قصہ بیان کیا ہے۔ مسلمان فوج خروبہ پر اتری تھی کہ سلطان بیمار پڑا اور دشمن کو اس کی بیماری کا علم ہوا تو وہ ہم پر چڑھ آیا۔ سلطان نے سخت دھوپ میں بیماری کے باوجود اپنی فوج کی کمان خود کی۔ اپنے لئے خیمہ تک نصب نہ کرایا کہ دشمن کو اس کی کمزوری کا احساس نہ ہو۔ سورج غروب ہونے تک اس نے ایک لحظہ آرام نہیں کیا۔ البتہ جب رات ہو گئی تو خیمہ نصب کرایا۔ آرام کے لئے لیٹا۔ لیکن گہری نیند نہیں سویا۔ کبھی سوتا، کبھی جاگتا۔ صبح ہوتے ہی سب سے پہلے خود اٹھا۔ سوار ہوا اور فوج کو سوار ہونے کا حکم دیا اور دشمن سے لڑا۔ یہ لڑائی کئی دن تک چلی اور ہر دن سلطان بہ نفس نفیس اس میں شریک ہوا اور کسی سے پیچھے نہ رہا۔

بہاؤالدین کہتے ہیں۔ سلطان اس قدر صابر و رضا بہ دعا بر تھا کہ اس کے بیٹے اسماعیل کا انتقال ہوا اور نامہ بر اس کی موت کا خط لے کر سلطان کے پاس آیا۔ سلطان نے وہ خط پڑھا۔ لیکن اس کے چہرے کے آثار چڑھاؤ سے پاس کھڑے لوگوں میں سے کسی نے بھی اندازہ نہ کیا۔ کہ یہ خبر خوشی کی تھی یا غمی کی۔

یہ تو لوگوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ اس خط میں اس کے بیٹے کی موت کی خبر لکھی تھی۔

لڑائی کے مواقع پر، وہ عموماً اہم کاموں کی نگرانی خود کرتا۔ دھوپ، گرمی، بارش، آندھی طوفان ان سب کو ہنسی خوشی برداشت کرتا۔ سخت سے سخت کام میں سپاہیوں کے ساتھ خود شریک ہوتا۔ ہر نازک موقعہ پر بلکہ اکثر و بیشتر فوج کے سوار ہونے سے پہلے خود سوار ہوتا۔

میدانِ جنگ میں کئی مواقع ایسے آئے۔ جب اس کی فوج منہ موڑ کر بھاگی جا رہی تھی خصوصیت سے ارسوف کے میدان میں اسلامی فوج ایک طرح سے شکست کھا چکی تھی اور سلطان صرف سترہ آدمیوں کی معیت میں میدانِ جنگ میں کھڑا تھا۔ اس کے پائے استقلال میں کوئی تزلزل نہ آیا تھا۔ اور اپنے اس استقلال اور ثبات قدمی کے سبب اس نے ہاری ہوئی بازی پھر جیت لی۔ بھاگے ہوئے سپاہی ایک ایک کر کے اس کے علم تلے پھر اکٹھے ہو گئے اور ان کو لے کر اس نے آگے بڑھتے ہوئے دشمن کو ایسی سخت مار ماری کہ وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوا۔ ابن شداد ۳۰۳

عکا کی جنگ کتنی طویل تھی۔ یہ جنگ اس وقت کی دو بڑی قوموں یا دو بڑے مذہبوں کے مابین آخری بازی کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ سارا یورپ اس کے سارے بڑے عکا میں آن جمع ہوئے تھے۔ چھ لاکھ افراد صلاح الدین کی قوت کو شکست دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے۔ لیکن سلطان نہ صرف اپنی جگہ اڑا رہا۔ اس نے ان کی ہر قوت، ہر شدت توڑ ڈالی، خود ان کے بڑے سفیر بالیان نے مصالحت کی تسوید کے لمحہ اعتراف کیا تھا۔ ٭ابن شداد

"ہم چھ لاکھ آدمی تمہارے مقابلہ میں لے کر آئے۔ ان میں سے اکثر تو نے مار ڈالے۔"

اس کی لڑائی کا انداز دوسروں سے بالکل جدا ہوتا۔ اس پوری لڑائی میں جو اس نے متواتر کئی سال تک دشمن کے ساتھ لڑی۔ بیماری کے دنوں کو چھوڑ کر وہ کبھی سست رو نہ ہوا۔ اس نے کبھی اپنا کام دوسروں پر نہ ڈالا۔ دن میں ایک بار یا دو بار وہ لازماً دشمن کی چھاؤنی کے گرد چکر لگاتا۔

ابن شداد کہتے ہیں۔ ایک رات عکا میں دشمن کے ستر سے اوپر جہاز لنگر انداز ہوئے۔

سلطان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ لازماً مرعوب ہو جاتا۔ مگر سلطان قطعاً مرعوب نہ ہوا۔ دشمن کی کثرت نے اس کے عزائم اور قوی کر دیئے۔ اور اس کی ہمت اور بڑھ گئی۔ اس کی عادت تھی کہ جب لڑائی کی آگ خوب تیز ہو جاتی تو وہ اکیلا ایک آدھ خادم کے ساتھ پورے محاذ کا گشت کرتا۔ تلواروں کی چھاؤں، نیزوں کی بارش اور سنگ باری کے اندر سے راہ بناتا ایک ایک صف میں پہنچتا اور سپاہیوں سے پکار پکار کر کہتا۔ اسلام کی آبرو تمہارے ہی دم سے ہے۔ تم نے ہمت ہار دی تو قوم کی کشتی ڈوب جائے گی۔

اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس نے گو اپنے علم تلے مختلف رنگوں، مختلف علاقوں اور مختلف عادات کے مسلمان جمع کر رکھے تھے۔ مگر ان مسلمانوں میں پورے وقفہ جنگ میں کبھی کوئی باہمی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ کبھی کوئی جماعت دوسرے سے بدظن نہیں ہوئی۔ کردوں، ترکوں، عراقیوں، موصلیوں، مصریوں، شامیوں اور جزیرہ والوں نے ایک ساتھ مل کر پوری یکجہتی و اتحاد کے ساتھ یہ لڑائی لڑی۔ یہ صرف صلاح الدین کی دانائی، ہوشمندی اور مہارتِ جنگ تھی۔ جس نے ان مختلف عادتوں کے لوگوں کو ایک شیرازہ میں پرو رکھا تھا۔

اس پورے وقفہ جنگ میں، ایک موقعہ کے سوا کبھی کسی گروہ یا فرد نے حکم عدولی نہیں کی۔ یہ ایک نرالی مثال ہے۔ اس کے برعکس، رچرڈ نے جو فوج جمع کر رکھی تھی وہ روز آپس میں لڑتی۔ فرانسیسی، انگریزوں سے شاکی تھے اور انگریز فرانسیسیوں کے درپے اور شامی عیسائی دونوں کو قابلِ نفرین سمجھتے۔ اس کے برعکس کوئی مسلمان گروہ کسی دوسرے گروہ سے نہ الجھا اور نہ ان میں کوئی اختلاف پیدا ہوا۔

ابن شداد سلطان کے شوقِ جہاد کا ذکر کرتے ہوئے ایک عجیب بات کہتا ہے:

ولقد ھجر فی محبتہ الجھاد فی سبیل اللہ اھلہ واولادہ

وطنہ وسکنہ وسائر بلادہ وقنع من الدنیا بالسکون

فظلـل خیمتہٖ تھب بھا الریاح میمنۃ و میسرۃ۔

خدا کی راہ میں جہاد کی محبت نے اسے اس کے اہل و اولاد، وطن، مسکن اور اس کی مملکت سے اتنے دور کر رکھا تھا اور اس نے خیمہ کی زندگی پر قناعت کر لی تھی یہاں خیمہ میں اسے پورا سکون ملتا۔ جو ہوا کے زور پر کبھی ادھر اڑتا کبھی اُدھر۔

درحقیقت صلاح الدین کے اس جذبۂ صادق نے اس بڑی لڑائی کو جیتا اور یہی چیز تھی جس کا اظہار اس نے اپنے اس خط میں کیا تھا جو اس نے رچرڈ کے نام یافا کے محاصرہ کے بعد لکھا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

"میں لذاتِ دنیا سے مُنہ موڑ چکا ہوں اور میرا اوڑھنا، بچھونا، اُٹھنا بیٹھنا صرف جہاد ہے۔"

ابن شداد کہتے ہیں۔ جہاد کے متعلق جتنی آیات و احادیث ہیں۔ وہ ساری کی ساری اس نے ایک کتاب میں لکھ کر اپنے پاس رکھ لی تھیں۔ وہ اکثر ان کو پڑھتا رہتا۔

رمضان کے مہینہ میں وہ ہمیشہ پورے روزے رکھتا۔ صرف شدید بیماری میں روزے ترک کرتا۔ پوری زندگی میں اس نے کل ساٹھ روزے ترک کئے تھے اور وہ بھی بیماری کے سبب۔

اسے قرآن سے بڑی محبت تھی، خود بھی پڑھتا اور حفاظ سے بھی سنتا، اور بہت متاثر ہوتا۔ حدیث کے سماع کا بھی بہت شوق تھا۔ بڑے محدثین جب آتے تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث سماع کرتا۔

اسے خدا پر بہت بھروسہ تھا۔ ہر ضرورت اور پریشانی کے وقت خدا سے رجوع کرتا۔ خاص طور پر ایسے مواقع پر جب لڑائی کی آگ سخت تیز ہوتی اور فتح و شکست مشتبہ ہو جاتی تو وہ تلوار ہاتھ سے رکھ کر خدا کے حضور پیشانی زمین پر ٹیک دیتا اور رو رو کر خدا سے مدد مانگتا۔

مختصر یوں سمجھئے کہ صلاح الدین مسلمان بادشاہوں میں ایک نرالا بادشاہ تھا۔ اس میں بادشاہوں کی بس اتنی سی بات تھی کہ وہ تخت پر بیٹھتا اور تاج پہنتا۔ اس کے سوا اس میں

نہ بادشاہوں کا غرور، اور نہ ان جیسی بے اعتدالی اور بے رحمی تھی۔ اس کی زیادہ تر زندگی یقیناً لڑائی کی نذر ہوئی۔ مگر اس نے کبھی ضرورت سے زیادہ خون نہیں بہایا۔ وہ صرف اس وقت تک لڑا جب تک دشمن نے ہتھیار نہیں رکھے۔ اس نے کبھی قتلِ عام نہیں کیا۔ کبھی بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور کمزوروں پر تلوار نہیں اُٹھائی۔ اس نے جب بھی کوئی شہر فتح کیا۔ اس کے باشندوں کو امان دے دی۔ وہ بڑا عابد، زاہد اور مذہب سے محبت رکھنے والا تھا۔ نماز کی سخت پابندی کرتا۔ ابن شداد کا بیان ہے کہ اس نے متواتر دو سال ایک وقت بھی جماعت کے بغیر نماز ادا نہ کی۔ اگر بیمار ہوتا تو امام کو اپنے ہاں طلب کرتا اور خواہ کیسی بھی حالت ہوتی۔ اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا۔ فرائض کے ساتھ ساتھ وہ سنن کا بھی پابند تھا۔ صبح منہ اندھیرے نماز کے وقت سے پہلے اٹھنے کا عادی تھا۔ اسی وقت تہجد بھی پڑھتا اور نمازِ فجر بھی۔ حتےٰ کہ جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھا۔ اس وقت بھی سوائے آخری تین دنوں کے جبکہ اس کے ہوش و حواس جاتے رہے تھے۔ اس نے نماز کی پابندی کی تھی۔ سفر میں بھی اس کی عادت تھی کہ جب نماز کا وقت آجاتا، سواری سے اتر پڑتا۔ نماز پڑھتا اور پھر آگے بڑھتا۔

زکوٰۃ اس پر کبھی فرض ہی نہ ہوئی تھی۔ اس کے پاس سال بھر کبھی اتنی پونجی جمع نہ ہوئی تھی کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی۔ اس کے پاس جتنا روپیہ آتا۔ وہ اسے ساتھ ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا۔ یہاں تک کہ موت کے وقت اس کے خزانہ میں چند درہم اور ایک دینار بچا تھا۔

تعجب ہوتا ہے کہ اس شخص کی زندگی کتنی پاکیزہ اور کتنی سادہ تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کار کا کس قدر پابند تھا اور اس نے خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر کی کس درجہ پیروی کی تھی کہ مرتے وقت خزانہ میں کچھ بھی نہ چھوڑا۔

مورخ ابن اثیر نے جو سلاطین اتابکہ کا نمک خوار تھا۔ اس پر کہیں کہیں سخت جرح بھی کی ہے۔ لیکن اس کے سوا کسی اور مورخ نے صلاح الدین پر جرح پسند نہیں کی۔ ابن اثیر کی

جو رح بھی صرف اس حد تک تھی۔ جس حد تک نورالدین زنگی اور اس کی اولاد صلاح الدین کے مقابلہ میں آئی۔ ابن اثیر کا خیال تھا کہ صلاح الدین کو کسی صورت میں بھی نورالدین زنگی کی جگہ نہ لینی چاہیئے تھی۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں اور ہم پیچھے تفصیل سے اس پر گفتگو کر چکے ہیں کہ صلاح الدین کو ملت کے مفاد نے مجبور کر دیا تھا کہ وہ آگے بڑھتا اور اس تخت پر قبضہ کر لیتا۔ جس کو بہانہ بنا کر شام کے امرا آپس میں لڑ رہے تھے اور جن کی حرکاتِ مذبوحی کے سبب عیسائی اتنے جری ہو گئے تھے کہ دمشق اور حلب کے نواح میں لوٹ مار کرنے لگے تھے۔ ایسے عالم میں اگر صلاح الدین آگے نہ آتا اور ملت کی قیادت نہ کرتا تو ملت کا اتحاد ٹوٹ جاتا اور عیسائی شام پر قابض ہو جاتے۔

خود ابن اثیر نے صلاح الدین کی اس خوبی کا اعتراف کیا ہے اور اسے مسلمانوں کا محسن مانا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے اس کے اخلاقِ کریمانہ کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔ وہ کہتا ہے:

> "اللہ اس پر رحم کرے۔ وہ بڑا کریم، حلیم اور اچھے اخلاق کا مالک تھا۔ متواضع بھی تھا اور صابر بھی، اپنے ساتھیوں کی خطاؤں سے درگزر کرتا۔ اس کے ساتھی اگر کبھی کوئی گستاخانہ بات کہہ دیتے تو وہ اسے بڑے تحمل سے سنتا اور ناراضگی کا اظہار نہ کرتا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بار اس کے حضور مجلس جمی تھی اور اس کے بعض خدام ایک دوسرے پر سر موز پھینک رہے تھے کہ ایک کا نشانہ خطا گیا اور صلاح الدین کو آن لگا مگر صلاح الدین نے یوں دوسری طرف منہ پھیر لیا جیسے کوئی بات نہیں ہوئی۔

ایک بار اس نے پانی مانگا تو کوئی پانی لے کر نہ آیا۔ اس نے دوبارہ مانگا۔ یہاں تک کہ پانچ بار اپنی ضرورت دہرائی۔ مگر کسی نے نہ سنا۔ اس پر بھی اس نے ناراضگی ظاہر نہ کی۔ صرف اتنا کہا۔

یا اصحابنا واللہ قد قتلنی العطش۔

ساتھیو خدا کی قسم مجھے پیاس نے مار ڈالا ہے۔

پانی آیا، اور اس نے پیا۔ مگر شکوہ نہیں کیا۔ شور نہیں مچایا۔

ایک بار وہ سخت بیمار رہا۔ حمام میں نہانے کے لئے داخل ہوا۔ پانی زیادہ گرم تھا۔ اس نے ٹھنڈا پانی منگوایا، جو شخص پانی لے کر آیا۔ اس سے پانی اس کے اوپر چھلک پڑا مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔ دوسری بار جب وہ اور پانی لایا تو سارا ٹھنڈا پانی اس کے اوپر گر گیا، حالانکہ وہ سخت بخار میں مبتلا تھا۔ اس کے باوجود اس نے خادم سے صرف اتنا کہا۔

ان کنت ترید قتلی فعرفنی

اگر تمہارا ارادہ مجھے مار دینے کا ہے تو مجھ سے کہہ دیا ہوتا۔

خادم نے معذرت کی تو اس نے اسے معاف کر دیا۔

ابن اثیر فرماتے ہیں۔ یہ اس کی نرم مزاجی اور خوش اخلاقی کا عالم تھا اور اس کی سخاوت کی کیفیت یہ تھی کہ اس کے پاس کوئی چیز زیادہ نہ ٹھیرتی۔ اس کے پاس جو کچھ آتا اسے بانٹ دیتا۔ موت کے وقت اس کے خزانہ میں چالیس درہم اور ایک دینار پڑا ملا۔ باقی وہ سب خرچ کر گیا تھا۔ عکا کی لڑائی کے دوران میں اس نے اٹھارہ ہزار گھوڑے سپاہیوں میں بانٹے، اونٹ اور خچر اس کے علاوہ تھے۔ جو سامان، کپڑے اور اسلحہ اس نے تقسیم کیا اس کا تو کوئی حساب نہ تھا۔

مصر میں جب علوی حکومت کا خاتمہ ہوا اور صلاح الدین نے علویوں کی جگہ لی تو علوی خزانہ میں بہت دولت جمع تھی۔ بے اندازہ قیمتی سامان تھا۔ یہ سب کچھ صلاح الدین نے خزانوں میں سے نکال کر عوام میں بانٹ دیا۔

وہ بڑا متواضع تھا، جب فقراء اور صوفیا اس کے پاس آتے اور وہ اس سے کچھ کہنا چاہتے تو وہ کھڑا ہو کر ان کی باتیں سنتا جب تک ان کی باتیں ختم نہ ہو جاتیں وہ بیٹھنے کا نام نہ لیتا۔ وہ کوئی لباس ایسا نہ پہنتا۔ شریعت نے جس کے پہننے کی ممانعت کی ہے۔ وہ بڑا عالم، بڑا دانا،

اور اپنی فوج میں بہت محبوب تھا۔ اس میں بڑی خوبیاں تھیں اور اس نے بڑے نیک کام کئے تھے خصوصیت سے اس نے جہادِ عظیم کیا اور اس کی فتوحات اس کی عظمت و بزرگی کی زندہ شہادتیں ہیں۔

(ابن اثیر جز ۱۲ ص ۳۰-۳۰)

ابن خلکان نے اپنی تالیف وفیات الاعیان میں۔ صلاح الدین پر ایک خاصا طویل باب لکھا ہے۔ شروع کے صفحات میں تو اس کی سلطنت کے قیام اور جہاد کی عام تفصیل دی ہے۔ البتہ آخر میں صلاح الدین کے بارے میں کچھ مخصوص باتیں لکھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں

صلاح الدین نے رفاہِ عامہ کے بہت کام کئے۔ وہ جب مصر پر غالب آیا اور اس کی حکومت قائم ہوئی تو اس وقت وہاں کوئی مدرسہ نہ تھا (لم یکن بھا شیٔ من المدارس) کیونکہ دولت المصریہ کا مذہب امامیہ تھا اور انہیں مدارس کے قیام سے دلچسپی نہ تھی۔

(ابن خلکان جلد ۲)

صلاح الدین نے پہلے پہل امام شافعی کے مزار سے متصل ایک مدرسہ قائم کیا۔ پھر دوسرا مدرسہ امام حسین؛ سے منسوب مشہد میں کھولا اور اس کے لئے ایک بہت بڑی جائداد وقف کی۔

اس کے علاوہ سعید السعداء کے عالی شان مکان کو بھی خانقاہ کی صورت دے دی اور اس کے لئے بھی بہت سی جائداد وقف کی۔ عباس کے گھر کو بھی مدرسہ بنایا۔ اس کے لئے بھی ایک بڑی جائداد وقف کی۔ یہ مدرسہ حنفیہ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ زین التجار کے نام سے مصر میں جو مدرسہ ہے۔ یہ بھی صلاح الدین کا وقف ہے۔ صلاح الدین نے شاہی قلعہ کے اندر ایک عظیم ہسپتال بھی کھولا۔ اس کے اخراجات کے لئے ایک بڑی جائداد اور رقم وقف کی۔ قدس میں بھی ایک بڑا مدرسہ کھولا اور اس کے اخراجات کے لئے ایک بڑا وقف قائم کیا۔ مصر میں مدرسہ مالکیہ بھی اس نے قائم کیا۔"

ابن خلکان فرماتے ہیں:

جب میں اس بزرگ شخصیت کے متعلق سوچتا ہوں تو بے اختیار کہتا ہوں۔

انه سعید فی الدنیا والآخرة وہ اس دُنیا اور آخرت دونوں میں سعید تھا۔

اس نے اس دُنیا میں بڑے عظیم کام کیے۔ بہت سی فتوحات کیں اور بہ عظیم اوقاف مرتب کیے۔ عجیب بات ہے کہ ان عظیم اوقاف میں سے ایک بھی اس کے نام منسوب نہیں ہے۔ القرافہ میں جو مدرسہ ہے۔ اسے لوگ مدرسہ شافعی کہتے ہیں۔ مشہد سے متصل مدرسہ بھی المشہد کے سوا کسی دوسرے نام سے معروف نہیں ہے اور خانقاہ سعید السعدا کہلاتی ہے۔ مدرسہ الحنفیہ کو لوگ مدرسہ الصوفیہ پکارتے ہیں۔ زین التجار کا مدرسہ اسی نام سے مشہور ہے۔ مدرسہ المالکیہ کا نام مدرسۃ المالکیہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اور یہ درحقیقت صدقہ سرّ تھا جو اس نے کیا تھا۔ البتہ دمشق میں بیمارستان نوالی کے پہلو میں اس کے نام کا ایک مدرسہ ضرور ہے جو الصلاحیہ کہلاتا ہے۔ ایک اور مدرسہ المالکیہ بھی جو اس کا بنایا ہوا ہے۔ اس کے نام سے مشہور نہیں ہے۔

صلاح الدین وسیع مملکت اور عظیم سلطنت کا مالک ہونے کے باوجود کثیر التواضع اور رحیم القلب[1] تھا۔ وہ لوگوں سے بہت قریب تھا۔ لوگوں سے بڑی محبت اور مدارات سے پیش آتا۔ علما اور نیکوکار لوگوں سے محبت کرتا اور انہیں اپنے قریب رکھتا۔ ان پر احسان فرماتا۔ نیکیاں اور اچھی باتیں اسے بہت پسند تھیں۔ اچھے اشعار کا بڑا قدر دان تھا۔ اسی وجہ سے اس دور کے تمام بڑے شعرا نے اس کے حضور حاضری دی اور اکثر نے اس کے قصیدے لکھے[2]۔ جن میں ابن خلکان نے حسن الشاتانی، ابوحفص عمر ابن الشحنہ، ابن قلاقس، ابن الدوری، ابن المنجم، ابن سنا الملک، ابن الساعاتی، ابن الجرانی، ابن ذہن الجس، محمد بن اسماعیل اور ابن صمدان کے نام لکھے ہیں۔

درحقیقت، صلاح الدین شعرا کا محبوب تھا۔ وہ ان بڑے بادشاہوں میں سے تھا۔ جو اپنی دولت مندی اور سیاسی برتری کے سبب نہیں، اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں کی وجہ سے پسند کیے جاتے ہیں۔

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۲۰۶

[2] ابن خلکان ج ۲ ص ۲۱۰-۲۱۱

صلاح الدین محض اپنوں ہی میں محبوب نہ تھا۔ اسے غیروں نے بھی چاہا۔

لین پول کے قول کے مطابق، صلاح الدین کے ہم عصر بادشاہوں کی سیرت میں بڑی جستجو کے بعد جو بات دکھائی دیتی ہے۔ وہ ان کا شاہی جاہ وجلال ہے مگر سلطان کی سیرت میں یہ بات قطعاً نظر نہیں آئی۔ اس لئے کہ سلطان نے جو عزت پائی۔ وہ محبت کے ذریعہ پائی۔

صلاح الدین، بادشاہی شان وشکوہ اور مراسم خسروانہ کی پروا نہ کرتا۔ اسی وجہ سے اس سے زیادہ دلکش بادشاہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔

لین پول ہی نے عبداللطیف طبیب کا جو صلاح الدین کا بڑا مداح تھا، ایک قول نقل کیا ہے۔ عبداللطیف طبیب کہتے ہیں: لین پول ص ۳۱۲

صلاح الدین کے اقتدار کا راز اس کی رعایا سے محبت میں پوشیدہ تھا۔ وہی چیز جو دوسرے بادشاہوں نے تشدد یا دبدبہ شاہی سے حاصل کی۔ وہ سلطان نے رعایا پر مہربانیاں کر کے حاصل کی۔

اُس کے ساتھی

اُس کے ساتھی

اچھا آدمی، یا وہ شخص جو دنیا میں کسی بڑے کام کی تکمیل کے لئے آتا ہے۔ اپنے گرد و پیش سے اچھے اور کام کرنے والے آدمیوں کا انتخاب ضرور کرتا ہے۔ صلاح الدین نے بھی اپنے گرد کئی اچھے آدمی جمع کئے تھے۔ کچھ اس کے اپنے گھرانے کے لوگ تھے اور یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ اس کے گھرانے کے لوگوں نے کبھی اس کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے۔ وہ مخلص سپاہیوں کی طرح اپنے بھائی کی کامیابی کے لئے ہر لمحہ سرگرمِ عمل رہے اس کے بھائیوں نے کسی وقت بھی اس سے بیوفائی نہ کی۔

تاریخ نے اس کے جن ساتھیوں کے نام گنوائے ہیں۔ ان میں سے الملک العادل تُوران شاہ، شہنشاہ اور تاج الملوک بوری کے نام بہت ممتاز ہیں۔ بوری بھائی کی زندگی ہی میں جب بھائی کا پرچم اقبال حلب کے سب سے اونچے مینار پر پہلی دفعہ لہرایا تھا بھائی کی خاطر شہید ہوا۔ وہ بڑے وفادار بھائیوں میں سے تھا۔ اس کے بھائی نے عماد الدین سے حلب کے دروازوں پر جو لڑائی لڑی تھی۔ اس میں بوری سب سے آگے تھا۔ نوجوان ہونے کے باوجود اس نے انتہائی بہادری دکھائی۔ مگر زخمی ہوا اور عین اس لمحہ جب عماد الدین صلاح الدین کو شہر کی کنجیاں دے رہا تھا اور ایک جشنِ عام منعقد تھا۔ بوری نے اس دنیا کو خیرباد کہا۔

ابن کثیر جز ۱۱
ابن شداد

ابن خلکان جز ۱
۲۶۲

ابن کثیر اور ابنِ شداد کا بیان ہے کہ سلطان کو اپنے بھائی کی موت سے بے حد صدمہ ہوا وہ بہت دیر تک روتا رہا۔ بوری اس کا سب سے چھوٹا بھائی تھا وہ اسے

اپنے بچوں کی طرح پیارا تھا۔

بوری کی جوانی نے بھائی کا صرف اقبال دیکھا۔ لیکن اس کے دوسرے بھائیوں توران شاہ، الملک العادل اور شہنشاہ نے تو صلاح الدین کے ساتھ مل کر اقتدار کی لڑائی لڑی، الملک العادل بھائی کے ساتھ ایک سپاہی کی حیثیت میں مصر آیا تھا اور بھائی کے ہر مشورہ اور ہر کام میں برابر کا شریک تھا اور بھائی جب مصر سے شام کی فضا میں اپنا پرچم لہرانے چلا تھا تو اس نے مصر میں بھائی کی نیابت کی تھی۔

العادل

صلاح الدین کو اپنے سارے بھائیوں میں الملک العادل سے بے پناہ محبت تھی، وہ اس کا احترام بھی کرتا اور ہر جگہ اسے مقدم رکھتا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جب صلاح الدین شام میں تھا اور الملک العادل مصر میں تو صلاح الدین اس کو کبھی کبھی اس طرح خط لکھتا جیسے مصر میں الملک العادل ہی کی حکومت تھی اور وہ بھائی کا نائب نہیں اصل حکمران تھا۔

اس کے باوجود الملک العادل کے دل میں کبھی غرور پیدا نہیں ہوا۔ اس نے کبھی بھائی سے سرتابی نہیں کی اور نہ کبھی بھائی کی خدمت سے کوتاہی کی۔

صلاح الدین نے عیسائیوں کے خلاف جو لڑائیاں لڑیں ان سب میں الملک العادل پیش پیش رہا۔ خصوصیت سے عکا کی لڑائی میں جو متواتر چار سال تک چلی۔ الملک العادل بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ گو اس لڑائی میں الملک الظاہر، الملک الافضل، الملک المظفر اور کئی دوسرے عمائد بھی شریک تھے مگر الملک العادل، ان سب میں ممتاز تھا۔ یہ وہی تھا جس سے رچرڈ نے پہلے اپنی بہن اور پھر اپنی بھانجی بیاہنی چاہی تھی اور جس کے خیمہ میں تقریباً ہر وقت غیر ملکی نمائندے آتے جاتے نظر آتے۔ صلاح الدین کی طرف سے اسے مصالحت کے پورے اختیارات تفویض کئے گئے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ الملک العادل نے ان اختیارات کو استعمال نہیں کیا اور ہر موقعہ پر بھائی سے ہدایت چاہی۔

رچرڈ، جس شہزادہ سے عکا کے محاصرہ کے دوران میں انتہائی متاثر ہوا۔ وہ بھی یہی الملک العادل تھا۔ رچرڈ اسے اپنا بھائی کہتا اور اس سے رشتہ داری کا دل سے متمنی تھا۔

یہ امر واقعہ ہے کہ صلاح الدین کی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی کوئی دوسرا شہزادہ الملک العادل کی ہمسری نہ کر سکا۔ صلاح الدین جب تک زندہ رہا۔ اسے سب شہزادوں پر مقدم رکھا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ الملک الظاہر کو بادشاہ کے محبوب بیٹے ہونے کے سبب باپ کی زندگی میں بڑا مقام نصیب ہوا۔ لیکن سلطان کی موت کے بعد چونکہ شہزادوں میں الملک العادل کی ہمسری کی قوت نہ تھی۔ اس لئے الملک العادل انجام کار صلاح الدین کی سلطنت کے بڑے حصہ کا مالک بنا۔

اسے پہلے مصر کی بادشاہت ملی۔ وہ ۲۱ شوال ۵۹۶ھ میں مصر کا اور جمادی الآخری ۵۹۸ھ میں حلب کا تاجدار بنا۔ پھر سارے بلاد شامیہ و شرقیہ اس کے تسلط میں آ گئے۔ ۶۱۰ھ میں بلاد الیمن پر اس کا قبضہ ہوا۔

ابن خلکان اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکان ملکاً عظیماً ذا رای و معرفۃ تامۃ، قد حنکتہ التجارب حسن السیرۃ جمیل الطویۃ وافر العقل، حازماً فی الامور صالحاً، محافظاً علی الصلوات فی اوقاتہا متبعاً لارباب السنۃ، مائلاً الی العلماء۔

وہ بڑا بادشاہ تھا۔ وہ صاحب الرائے بھی تھا اور ہر بات سے آگاہ تھا۔ تجربوں نے اس کی سیرت خوب سنوار دی تھی۔ وہ بڑا عقلمند اور ہر بات کو سلجھانے والا تھا۔ نیکو کار بھی تھا اور نماز کے اوقات کی پابندی بھی کرتا۔ ارباب سنہ کا پیروکار تھا۔ علماء سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔

فخر الدین رازی جنہوں نے اس دور کے علما میں غیر معمولی شہرت پائی ہے۔ اس کے بڑے مداح تھے۔ انہوں نے ایک کتاب تاسیس التقدیس اس کے لئے لکھی۔ وہ اس سے

ملنے کے لئے خراسان سے آئے۔

خدا نے اسے بڑی اچھی اولاد دی جس نے اس کا نام خوب روشن کیا۔ اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنی سلطنت اپنی اولاد میں بانٹ دی تھی۔ الملک الکامل کو مصر دیا۔ الملک المعظم کو بلادِ شامیہ عطا کئے اور الملک اشرف کو بلادِ مشرقی۔ وہ خود گرمیوں کا زمانہ شام میں کاٹتا اور سردیوں میں مصر چلا جاتا۔

توران

صلاح الدین کے بھائیوں میں توران شاہ نے بڑی شہرت پائی ہے۔ وہ سلطان سے بڑا تھا۔ سلطان ہمیشہ اس کی تعریف کرتا اور عموماً اسے اپنی ذات پر ترجیح دیتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سلطان صلاح الدین کی بادشاہت کے قیام میں توران شاہ کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ بڑے حوصلوں اور صلاحیتوں کا مالک تھا۔ یہ وہی تھا جو یمن پہنچا اور وہاں کے عبدالنبی کو شکست فاش دی اور یمن میں اپنے بھائی کی حکومت قائم کر دی۔ یمن سے وہ بھائی کے ساتھ حلب کی لڑائی لڑنے کے لئے حلب آیا۔ جب صلاح الدین مصر گیا تو اسے دمشق میں اپنا نائب بنایا اور جب مصر سے شام آیا تو مصر میں اسے اپنی نیابت سونپی۔

وہ بڑا سخی اور مال و دولت سے بے نیاز تھا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ جب وہ یمن میں تھا اور پورا ملک اس کے تابع اور تمام خزانے اس کی دسترس میں تھے تو اس وقت بھی وہ شام کے لئے تڑپتا۔ اسے نہ اتنے بڑے ملک کی حکومت مرغوب تھی اور نہ خزانوں ہی سے کوئی انس تھا۔ اس نے بھائی سے اجازت چاہی کہ اسے دمشق آنے دے۔ بھائی نے سفیر بھیجا اور اسے کہلوایا۔ یہاں تمہیں حکومت میسر ہے اور تمہارے پاس بے انتہا دولت ہے تمہیں اور کیا چاہئے۔ اس نے اس سفیر کے سامنے ایک ہزار اشرفی خزانہ سے نکلوائی اور اس کی موجودگی میں یہ ہزار اشرفیاں بازار بھجوانے کا حکم دیا کہ ان کے عوض برف خرید کر اس کی خدمت

یں حاضر کی جائے۔ جو شخص بازار کا نگران تھا۔ اس نے عرض کیا۔ سرکار یہ یمن ہے۔ یہاں برف کہاں۔ اس نے کہا۔ اچھا تو پھر فلاں فلاں پھل خریدنے کا حکم دو۔ وہ شام کے پھلوں کا نام لیتا۔ یہ پھل یمن میں کہاں تھے۔ بازار کا نگران عرض کرتا۔ سرکار یہ پھل یہاں پیدا نہیں ہوتا۔ جب یہ گفتگو ہو لی تو اس نے سلطان کے سفیر سے کہا۔

"آپ ہی کہئے۔ میں اس دولت کو کیا کروں جو میرے کام نہ آئے اور میں جن دل پسند چیزوں کو خریدنا چاہوں۔ وہی دستیاب نہ ہوں۔

ابن خلکان کہتے ہیں۔ سفیر نے یہ قصہ سلطان سے جا کہا اور سلطان نے بھائی کو دمشق واپس بلا لیا۔

اس کا پورا نام شمس الدولہ توران شاہ اور لقب الملک المعظم تھا۔ ۵۷۶ھ میں اسکندریہ میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوا۔ اس کی بہن پھر اس کی نعش دمشق لے آئیں۔

وہ بڑا خراچ تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس پر دو لاکھ اشرفیاں قرض تھیں۔ صلاح الدین نے یہ اس کی طرف سے ادا کیں۔ حالانکہ اس کی بہت سی جاگیر تھی اور یمن سے اسے ہر سال بڑا روپیہ آتا۔

سیف

سلطان کے بھائیوں میں الملک العزیز طغتکین بھی بڑے کام کا آدمی تھا۔ اس نے بھی بھائی کی بڑی مدد کی۔ توران شاہ کی وفات کے بعد سلطان نے اسے یمن بھیجا۔ وہ وہاں ۵۷۷ھ میں پہنچا۔ ۵۹۳ھ تک اس کا والی رہا۔ وہ بڑا سخی اور بہت ہی شریف تھے۔ علما دور دور سے اس کا رخ کرتے اور وہ ان کی جھولیاں خوب بھرتا۔ شعرا نے اس کے خوب قصیدے لکھے اور بڑی بڑی رقمیں انعام میں پائیں۔

المظفر

صلاح الدین کے بہادر ساتھیوں میں اس کا بھتیجا الملک المظفر تقی الدین عمر بن شہنشاہ بھی بہت ممتاز تھا۔ اس بہادر نوجوان نے الملک العادل جیسی شہرت پائی ہے۔ وہ اپنے باپ کی طرح بے مثل بہادر تھا۔ اس نے فرنگیوں کے خلاف قریب قریب ہر لڑائی میں حصہ لیا۔ اور ہر موقعہ پر غیر معمولی بہادری دکھائی۔ وہ جتنا بڑا بہادر تھا اتنا بڑا سیاست دان نہ تھا۔ وہ کئی بار اپنے چچا کی طرف سے مصر کا نائب بنا۔ اور آخر میں حماۃ کی فرمانروائی اسے ملی اور وہیں پر اس نے وفات پائی۔

اس کا ارادہ تھا کہ اپنے باپ کی طرح بڑی فتوحات کرتا۔ وہ اپنی فوجیں لے کر مغرب کی طرف چل پڑا تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے روک لیا۔ ورنہ اس کا نام بڑے فاتحین میں ضرور شامل ہوتا۔

وہ چچا کا مخلص اور فرمانبردار تھا۔ جب اس سے مصر کی نیابت چھنی اور اس کی جگہ الملک العزیز کو ملی تو اسے چچا سے کچھ رنج ہوا۔ مگر جب سلطان نے اسے بلا بھیجا تو وہ سر کے بل حاضر ہوا اور بیٹے کی طرح اس کے حضور سر جھکا دیا۔

۵۸۷ھ میں انتقال کیا۔ ابن خلکان جلد ۳ ۱۹۳

صلاح الدین کے تینوں بڑے بیٹوں نے بھی باپ کا خوب ساتھ دیا تھا خصوصیت سے الملک الظاہر اور الملک العزیز پیش پیش تھے۔ الملک الافضل گو بڑا تھا مگر اپنی بعض عادات کے سبب محبوب خاص و عام نہ بن سکا۔ گو باپ کا جانشین ہوا مگر الملک العادل اور الملک العزیز نے مل کر اس سے بادشاہت چھین لی اور اسے ایک چھوٹی سی جاگیر پر قناعت کرنی پڑی۔

ابن شداد

صلاح الدین کے ساتھیوں میں ابن شداد کی حیثیت الملک العادل سے کسی طرح

کم نہیں ہے۔ یہ وہ عالم فقیہ ہیں جن پر سلطان نے ہر لمحہ بھروسہ کیا اور جنہوں نے عکا کے محاذ پر سلطان کا ہر طرح ساتھ دیا۔ وہ گو عالم تھے۔ لیکن ان کا جذبہ جہاد، کسی طرح کسی سپاہی سے کم نہ تھا۔ انہوں نے عکا کی لڑائی میں ہمیشہ جرأت دکھائی۔

وہ موصل کے رہنے والے تھے۔ وہیں پیدا ہوئے (۵۳۹ھ) بچپن میں قرآن حفظ کیا اور ابن سعدون جیسے بزرگ عالم کے دامنِ علم سے وابستہ ہو کر علوم فقہ و حدیث میں شہرتِ دوام پائی۔ جب وہ حضرت ابن سعدون کی خدمت میں آئے تو ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ ابن سعدون کی موت تک وہ ان سے وابستہ رہے۔

ابن سعدون کے علاوہ انہوں نے شیخ مجد الدین ابو الفضل الطوسی اور شیخ ابن الشیرجی، قاضی فخر الدین الشہر زوری، حافظ سراج الدین الجیانی جیسے بزرگ اساتذہ سے بھی پڑھا۔ بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں بھی حاضری دی اور چار سال تک وہاں رہے۔ اس زمانہ میں امام ابن الشاشی وہاں درس دیتے۔ ابن شداد چار سال تک ان سے حدیث و فقہ کے مسائل سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی اپنی شہرت پھیل نکلی اور وقت کے بڑے علما کی طرح سیاحت پر روانہ ہوئے۔ وہ بیت المقدس آئے۔ حج کیا۔ مدینۂ رسولؐ پہنچے، اور دمشق گئے اور سلطان صلاح الدین سے ملے۔ جبکہ وہ کوکب کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ یہ ملاقات صلاح الدین کی درخواست پر عمل میں ہوئی۔ وہ جب دمشق گئے تو صلاح الدین کو ان کے آنے کی خبر ہوئی۔ وہ ان کی قابلیت سے بہت متاثر تھا۔ ان سے دو بار پہلے بھی مل چکا تھا۔ وہ موصل کے سفیر بن کر اس کے پاس آ چکے تھے۔ اس نے دونوں مواقع پر چاہا کہ وہ اس کے ہاں رہ جائیں۔ لیکن وہ نہ مانے تھے۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ وہ سلطان کے پاس آئے تو سلطان نے ان کی خوب تواضع کی ان سے حدیث کا سماع کیا اور کئی مسائل استفسار کئے۔ ابن شداد نے اس موقعہ پر سلطان کو اپنی ایک تصنیف بھی سنائی، سلطان بہت محظوظ ہوا۔ یہ سلطان سے مل کر رخصت ہوئے تو

ابن خلکان ۸۵

سلطان نے عماد الدین الکاتب الاصبہانی کو ان کے پیچھے بھیجا اور درخواست کی کہ آپ جب زیارت سے فارغ ہو لیں تو ہمیں اپنی واپسی سے مطلع فرمائیے گا۔ ہمیں آپ سے ایک بہت ضروری کام ہے۔ ابن شداد نے نہ صرف سلطان کو اپنی واپسی سے مطلع کیا۔ اس کے پاس خود گئے اور اس کے حضور جہاد کی فضیلت پر ایک کتاب پیش کی۔

ابن خلکان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطان سے مل کر واپس چلے گئے اگلے سال وہ سلطان کے پاس پھر آئے۔ سلطان سے انہیں بے پناہ محبت ہو گئی تھی یہی محبت ان کا تسمہ پا بن گئی اور وہ سلطان سے ایسے وابستہ ہوئے کہ اسے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک وہ اس دنیا میں رہا۔ سلطان نے ان کے آتے ہی انہیں چھاؤنی کی قضاۃ سونپ دی تھی۔ چھاؤنی میں جو جھگڑے ہوتے۔ ان ہی کے حضور پیش ہوتے۔ وہ محض قاضی عسکر ہی نہ تھے۔ سلطان کے سب سے بڑے مشیر، اس کے مصاحب خاص اور اس کے ندیم و ہمراز تھے۔ صبح و شام اور دن رات وہ سلطان کے ساتھ رہتے خصوصیت سے عکا کے محاصرہ میں جو چار سال سے زیادہ دن چلا۔ انہوں نے سلطان کا ساتھ بجز رات کے مخصوص اوقات کے کبھی نہ چھوڑا۔ سلطان ان سے بہت بے تکلف تھا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ ایک دن بارش ہو رہی تھی اور دونوں کی سواریاں ایک ساتھ چل رہی تھیں۔ قاضی صاحب کی سواری نے چھینٹے اڑائے اور یہ چھینٹے سلطان کے اوپر گرے اور اس کا لباس بھیگ گیا۔ قاضی صاحب جھینپ کر پیچھے ہٹ گئے۔ مگر سلطان نے مسکرا کر اپنی سواری ان کے برابر کر لی اور یوں باتیں کرتا رہا جیسے کچھ بھی نہ ہوا تھا۔

ہم پیچھے لکھ چکے ہیں کہ الملک العادل جیسے بڑے شہزادے نے بھی جب رچرڈ کی بہن سے شادی کرنی چاہی تو ان ہی کی وساطت سے اپنی خواہش سلطان پر ظاہر کی۔

وہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ فوج کو لڑانا بھی جانتے تھے۔ یافا کے محاصرہ کے

موقعہ پر انہوں نے ہی فوج کی کمان کی تھی اور کئی بار حملہ کر کے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا تھا۔

جنگ یافا کے بعد جب سلطان دمشق لوٹ آیا تو اس نے القدس کی حکومت ابن شداد کے سپرد کی۔ اس حکومت کے دوران میں وہ سلطان سے جبراً الگ رہے۔ لیکن سلطان کے پاس جانے کے لئے تڑپتے رہے۔ خود سلطان بھی ان کے لئے بیقرار ہوا اور انہیں بلا بھیجا ان کی موجودگی میں سلطان بیمار رہا۔ بیماری کا یہ دور ابن شداد کے لئے بڑا اسعان روح تھا وہ رات رات بھر روتے اور سلطان کے لئے گریہ کرتے۔ سلطان کی موت کے بعد دنیا ان پہ اندھیر ہو گئی اور انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہی۔ لیکن سلطان کے بیٹوں کی باہمی ناچاقی نے انہیں گوشہ نشین نہ ہونے دیا۔ وہ اپنے مرحوم دوست کے بیٹوں کو سمجھانے اور ان میں صلح برقرار رکھنے کے لئے کوشاں ہوتے۔ اسی سلسلہ میں وہ حلب گئے۔[۱]

حلب میں الملک الظاہر کی بادشاہی تھی جو سلطان کے محبوب فرزند تھے۔ الملک الظاہر نے ابن شداد سے بہت کام لئے۔ انہیں اپنا سفیر بنا کر پہلے مصر بھیجا اور پھر حلب کا قاضی القضاۃ اور اپنا وزیر بنا لیا۔ حلب کی وزارت کے زمانہ میں قاضی صاحب نے بڑے مدارس قائم کئے۔ دور دور سے علما کو بلوایا اور انہیں ان مدارس میں جگہ دی۔ الملک الظاہر کی طرف سے انہیں ایک بڑی جاگیر ملی تھی جس سے خوب آمدنی ہوتی۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ یہ ساری آمدنی انہوں نے اپنے ایک ذاتی مدرسہ پر صرف کر دی جو انہوں نے نورالدین محمود زنگی کے مقبرہ کے شافعی طلبا کے لئے تعمیر کیا تھا۔

اس مدرسہ کے ساتھ انہوں نے ایک دارالحدیث بھی قائم کیا۔ یہ بھی ان کے ذاتی روپے سے بنا تھا۔ اس کے تمام اخراجات بھی وہ خود ہی اٹھاتے تھے۔

ابن خلکان کے والد محترم اور ان میں بہت دوستی تھی۔ ابن خلکان فرماتے ہیں کہ اس دوستی کی بنا پر وہ اور ان کے ایک بھائی حلب گئے۔ قاضی صاحب نے ان دونوں کا خیر مقدم کیا۔ انہیں مدرسہ میں آتا اور ان کی تنخواہ مقرر کر دی۔ قاضی صاحب کی وفات تک یہ دونوں

[۱] ابن خلکان وغیرہ

وہیں رہے۔

ابن خلکان کہتے ہیں کہ حلب میں قاضی صاحب کا طوطی بولتا تھا۔ وہی سب سے بڑے حاکم تھے۔ کیونکہ الملک الظاہر انتقال کر چکے تھے اور ان کے وارث کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ گو قاضی صاحب، اس دور میں بہت بوڑھے ہو چکے تھے جسم کے قوی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ مگر دماغ حاضر تھا۔ موت کے وقت تک ان کے ہوش سلامت رہے اور اقبال برقرار رہا۔

وہ بڑے اونچے ادیب اور بڑے بھاری مصنف تھے۔ ان کی کتاب سیرت صلاح الدین سیرت کی کتابوں میں ہمیشہ زندہ رہے گی اور ان کا نام روشن رکھے گی۔ بہاؤ الدین کی یہ تصنیف مصر میں بڑے اہتمام سے چھپی ہے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ ہم نے اپنی اس تصنیف میں اس سے بہت مدد لی ہے۔ ہم سے پہلے مصنفین نے بھی اس سے فائدہ اٹھایا ہے خصوصیت سے لین پول نے تو اکثر و بیشتر مواد ان ہی کی تصنیف سے لیا ہے۔ لین پول نے اپنے مقدمہ میں اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے۔ وہ کہتا ہے :-

ابن خلکان جزء ۲ ص ۹۶

بہاؤ الدین کی تحریر جیسی صحیح و مستند کوئی دوسری دستاویز نہیں۔ جو کچھ بہاؤ الدین کے سامنے وقوع میں آتا۔ بہاؤ الدین اسے لکھ لیتے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کے مشیر اور ساتھی تھے۔

رچرڈ، پادشاہِ انگلستان اور صلاح الدین میں جن معاملات پر بات چیت ہوئی۔ ان کے بیان میں بہاؤ الدین نے جو صداقت و سادگی اختیار کی ہے۔ وہ قابل داد ہے۔

لین پول دیباچہ

الکاتب :-

صلاح الدین کے ساتھیوں میں عماد الدین الکاتب الاصبہانی بھی ہیں۔ جن کی حیثیت گو بادشاہ کے سیکرٹری سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن جن کے مشورے ہمیشہ صائب ہوتے، جو

آنکھیں کھول کر حالات کو دیکھتے اور بادشاہ کو عوام کی شکایات سے آگاہ کرتے۔ دوسرے بادشاہوں کو خطوط زیادہ تر وہی لکھتے۔ سلطان اور دوسرے سلاطین میں جو معاہدے ہوئے ان کی تحریر بھی ان ہی کے ذمہ تھی۔ اس دور میں اور اب بھی سیکرٹری کو بڑی حیثیت حاصل ہے اور انتظامی امور میں وہ اچھا خاصا دخیل ہوتا ہے۔ یہی کیفیت عماد الدین الکاتب الاصبہانی کی تھی۔ الکاتب الاصبہانی نے صلاح الدین کے دور کے حالات بھی لکھے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ محض لفاظی میں اُلجھے رہے اور ان کی تصنیف سیرت کی کتابوں میں بلند مقام حاصل نہ کر سکی۔ ان کی تصنیف بھی چھپ چکی ہے۔ اس کا ایک نسخہ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

عیسیٰ الہکاری :-

فقیہ عیسیٰ الہکاری، نہ صرف صلاح الدین کے ساتھی تھے۔ اس پر حکومت کرتے وہ ان بڑے زعما میں سے تھے جو علم کے ذریعہ سیاست پر حاوی ہوئے۔ ابن خلکان فرماتے ہیں۔ یہ بزرگ فقیہ اسدالدین شیرکوہ کے ساتھی تھے۔ جس زمانہ میں اسدالدین شیرکوہ حلب میں مقیم تھے۔ عیسیٰ الہکاری وہاں کے ایک مدرسہ الزجاجیہ میں طلباء کو فقہ پڑھایا کرتے۔ اسدالدین شیرکوہ محض سپاہی تھا۔ علم میں کچھ بہرہ نہ رکھتا تھا۔ عیسیٰ الہکاری کو اپنا رہنما بنایا۔ وہی اسے نماز پڑھاتے اور جمعہ کا وعظ کہتے۔ یہ تعلق اسدالدین نے زندگی بھر قائم رکھا۔ جب وہ نورالدین کے حکم پر مصر کی فتح کے لئے چلا تو عیسیٰ الہکاری جوجہاد سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے ساتھ ساتھ چلے۔ خدا نے اسدالدین کو فتح بھی دی اور وزارت بھی دلوائی تو اس نے فقیہ عیسیٰ الہکاری کو اپنا معتمد بنا لیا۔ ابن خل ۱۲۵

فقیہ صاحب کی عمر اس وقت کافی تھی۔ صلاح الدین ۱۲ سال کا تھا اور یہ لازمی بات تھی کہ اس پر ان کا اثر ہوتا۔ یوں بھی اس وقت فقیہ صاحب بڑے اونچے منصب پر تھے شیرکوہ ان کے اور بہاؤالدین قراقوش کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتا تھا۔ اس کا جب انتقال

تھا اور اس کے امرا میں اس کی نیابت کا جھگڑا چھڑا۔ تو یہ عیسیٰ الہکاری اور بہاؤالدین قراقوش تھے۔ جنہوں نے صلاح الدین کا انتخاب کیا اور انتخاب کے بعد اٹھنے والے فساد اور جھگڑوں کو یہ فقیہ بڑے ذہین طباع، معاملہ فہم سیاست دان تھے۔ ایمان کی بات ہے۔ صلاح الدین کی وزارت کے قیام میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ انہوں نے صلاح الدین کی رہنمائی بھی کی اور اپنی ذہانت کی مدد سے اس کی راہ سے ہر طرح کے روڑے بھی دور کیے۔

صلاح الدین کو زندگی بھر اس کا احساس رہا۔ وہ فقیہ صاحب کی موت تک ان کا ہر طرح احترام کرتا رہا اور کبھی کوئی موقعہ ایسا نہ آنے دیا جب فقیہ موصوف یہ محسوس کرتے کہ صلاح الدین نے ان کو اپنے دل سے نکال دیا ہے۔

یہ فقیہ عیسیٰ الہکاری تھے۔ جو صلاح الدین کو شام لے کر آئے۔ ان کا مشورہ ہر لمحہ صلاح الدین کی راہ نمائی کرتا رہا۔ صلاح الدین کی فتوحات میں جہاں اس کی بہادری اور جرأت اور غیر معمولی عزم کا بہت حصہ ہے۔ وہاں فقیہ الہکاری کی ذہانت و سیاست کا بھی بہت دخل ہے۔

ابن خلکان کے الفاظ میں فقیہ عیسیٰ

کان کبیر القدر، وافر الحرمۃ — بڑے اونچے اور بڑے بزرگ تھے

ان کی یہ حیثیت آخر وقت تک رہی۔ جب ان کا انتقال ہوا تو صلاح الدین کو بہت رنج پہنچا۔ یہ عجیب بات ہے کہ فقیہ صاحب کا انتقال میدانِ جنگ میں ہوا۔ وہ گو لڑتے ہوئے نہیں مرے لیکن انہوں نے میدانِ جنگ میں مرنے کی سعادت پائی اور الخروبہ میں جو صلاح الدین کی ایک بڑی چھاؤنی تھی۔ دفن ہوئے۔ ابن خلکان جز ۲ ص ۱۶۵، ۱۶۶

مظفر الدین:

صلاح الدین کے جن ساتھیوں نے کبھی جان کی بازی لگانے سے دریغ نہ کیا۔ ان میں

مظفر الدین الملک المعظم سب سے آگے ہیں۔ یہ الملک المعظم وہی سیاستدان ہیں جن کی درخواست پر صلاح الدین ایوبی مصر سے شام اور موصل پر قبضہ پانے کے لئے چلا تھا۔ مظفر الدین اپنی شخصیت کے لحاظ سے صلاح الدین کے زمانہ کے عمائدین میں، الملک العادل کے ہم پایہ تھے۔ ان کی شخصیت حسن سیرت کے اعتبار سے تو دنیا کے بہترین انسانوں کی سی تھی۔ ابن خلکان کہتے ہیں:۔

فلقد کان لہٗ فی فعل الخیرات غرائبٌ لم یسمع انّ احداً
فعل فی ذالک ما فعل لہٗ [1]

ابن خلکان جزء ۴ ۲۵۲

نیکی کے کاموں میں ان سے کچھ ایسی عجیب و غریب باتیں ظہور میں آئیں کہ اس سے پہلے کسی شخص کے بارے میں سنی نہ گئیں۔

وہ اربل کی ایک تیسرے درجہ کی ریاست کے والی تھے لیکن دل کا یہ عالم تھا کہ اربل کے شہر میں کوئی بھوکا نہ رہ سکتا۔ صبح کے وقت شہر کے مختلف مقامات پر ان کے آدمی روٹیوں کے ڈھیر لگائے کھڑے رہتے۔ ہر بھوکے اور ہر محتاج کو وہاں سے پیٹ بھرنے کے لئے روٹی دی جاتی۔ سردیوں اور گرمیوں کے دنوں میں وہ آپ شہر کے لوگوں میں سردی اور گرمی کے کپڑے تقسیم کرتے۔ ہر شخص ان کے پاس آتا اور اپنی ضرورت کے مطابق کپڑے ان سے لے لیتا۔ کپڑوں کے ساتھ ساتھ وہ دو، دو اور تین تین اشرفی بھی فی کس ان لوگوں میں بانٹتے۔ اس کے علاوہ انہوں نے چار بڑے محتاج خانے بھی کھول رکھے تھے جن میں اندھے، لنگڑے، لولے لوگ رکھے جاتے ان کی ضروریات بہت اچھی طرح پوری کی جاتیں۔ وہ ہفتہ میں دو بار ان کے پاس بذاتِ خود تشریف لاتے اور ان میں سے ہر ایک کی مزاج پرسی کرتے۔ ہر ایک کا جی بہلاتے، ہنستے ہنساتے اور کوئی تحفہ بھی دیتے۔ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کے دو ادارے بھی انہوں نے کھول رکھے تھے جن کی جملہ ضروریات اپنے ذمہ لے لی تھیں۔ انہوں نے ایک عجیب بات اور کی تھی۔ یہ بات تاریخ اسلام میں سوائے حضرت فاروق اعظم کے کسی دوسرے نے نہیں کی تھی۔ انہوں نے لاوارث اور بے ماں باپ کے بچوں کے لئے ایک مخصوص ادارہ

بھی قائم کیا تھا۔ یہ بچے، سڑکوں اور باغات میں پڑے ہوئے ملتے۔ ان میں وہ بچے بھی تھے جن کی مائیں انہیں سڑکوں پر پھینک جاتیں۔ اور یوں اپنے گناہوں کی پردہ پوشی کرتیں۔ تاریخ میں حضرت فاروق اعظم نے، اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں ان کے شاملِ حال ہوں۔ اس رسمِ حسنہ کی بنا ڈالی اور سڑکوں پر پڑے ہوئے بچوں کی تربیت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ مظفر الدین نے فاروقِ اعظم کے نقشِ قدم پر چل کر ان معصوم انسانوں کو موت کے چنگل سے چھینا، اور ان کی پرورش اپنے ذمہ لی۔ اس کے لئے انہوں نے دایہ نوکر رکھیں۔ وہ دن میں کئی کئی بار ان بچوں کو دیکھنے آتے۔ انہوں نے ایک ہسپتال بھی کھول رکھا تھا۔ یہاں کے تمام مریضوں کا علاج شہزادوں کی طرح کیا جاتا۔ مظفر الدین خود ہر روز ان بیماروں کی تیمارداری کے لئے ہسپتال پہنچتے۔ ہر ایک کے پاس جاتے۔ اس سے باتیں کرتے اور بیماری کی کیفیت دریافت کرتے۔ ایک شاہی مسافر خانہ بھی انہوں نے قائم کر رکھا تھا۔ یہ شاہی مسافر خانہ، ہر باہر سے آنے والے کو لبیک کہتا۔ کوئی فقیہ، عالم ہوتا یا فقیر ہر ایک وہاں ٹھیر سکتا۔ دوپہر اور شام کو دو وقت سرکاری خرچ سے ان کی خدمت میں کھانا حاضر کیا جاتا۔ اور جب اس میں ٹھیرنے والے مسافر آگے کو سفر کرنا چاہتے تو ان کو سفر خرچ بھی دیا جاتا۔

انہوں نے دو تعلیم گاہیں بھی قائم کی تھیں۔ ایک شافعی خیال طلبا کے لئے اور ایک حنفی مدرسۂ فکر کے لئے دونوں درسگاہوں کے اساتذہ اور متعلمین کے اخراجات تعلیم گاہیں ادا کرتیں۔ وہ خود یہاں اکثر حاضر رہتے اور حدیث و فقہ کا سماع کرتے۔

انہوں نے صوفیہ کے لئے جداگانہ خانقاہیں بھی بنائی تھیں۔ جہاں صوفیہ اور صوفیہ سے متعلق اشخاص کو، ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی جاتی۔

ابن خلکان فرماتے ہیں۔ یہاں آنے والوں کی کثرت تعجب انگیز تھی یہاں جتنے بھی لوگ قیام کرتے۔ ان کے سفر کا خرچ مظفر الدین ادا کرتے۔ وہ خود یہاں قیام فرمانے والے

صوفیہ کی خدمت میں حاضری دیتے اور ان کے وعظ و پند سنتے۔ مکہ مدینہ کے لوگوں پر وہ ہر سال پانچ اور چھ ہزار اشرفی صرف کرتے تھے۔

ابن خلکان فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک عجیب بات تھی کہ مظفر الدین جب بھی کوئی اچھا کھانا کھاتے اور یہ انہیں پسند آجاتا تو اس میں کچھ نہ کچھ کھانا اپنے شہر کے بڑے شیوخ یا محترم خواتین کو ضرور بھجواتے۔

ابن خلکان ان کی سیرت کی خصوصیات گنوانے کے بعد بات ختم کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وکان کریم الاخلاق، کثیر التواضع حسن العقیدۃ سالم البطانۃ۔ لم ینقل انہ انکسر فی مصاف قط ولو استقصیت فی تعداد محاسنہ لطال الکتاب۔

ابن خلکان ج ۳ ص ۲۷۴

وہ بڑے کریم الاخلاق، کثیر التواضع حسن العقیدہ اور بہادر آدمی تھے۔ کسی نے ان کے بارے میں یہ نہیں لکھا کہ وہ کبھی میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹے۔ اگر میں ان کے محاسن کا بیان کرتا تو ایک لمبی کتاب بن جاتی۔

صلاح الدین اور ان میں بڑی گہری دوستی تھی۔ صلاح الدین جب شام آیا تو مظفر الدین نے اس کا دامن تھاما اور ایسا تھاما کہ زندگی بھر اسے نہ چھوڑا۔ صلاح الدین نے بھی ان کی خوب قدر کی۔ ہمیشہ خود سے قریب رکھا، اپنی بہن ان سے بیاہ دی۔ کئی اہم مقامات کی حکومت انہیں سونپی اور فوج کی ایک بڑی جماعت ان کی نگرانی میں رکھی۔

کچھ اور لوگ:

ان لوگوں کے علاوہ عماد الدین صاحب سنجار، اور صاحب موصل کے صاحبزادے، کرد سرداروں اور کئی ترک شیوخ نے اس بڑی جنگ میں جو صلاح الدین نے یورپ کے عیسائیوں کے

خلاف، لڑی، صلاح الدین کا ہاتھ بٹایا۔

یہ بے انصافی ہوگی۔ اگر ہم ان لوگوں کی بہادری، شجاعت اور یکجہتی کا اعتراف نہ کریں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ سارا کرشمہ صلاح الدین کا تھا کہ اس نے مختلف مزاج کے لوگوں کو یکجا کر لیا تھا اور ان میں کوئی باہمی شکر رنجی یا اختلاف پیدا نہیں ہونے دیا تھا!

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ صلاح الدین نے ان سب کو یہ سمجھا دیا تھا کہ یہ وقت بڑا نازک ہے اور تمہاری قوم ایک ایسے دشمن سے لڑ رہی ہے جس نے اسے ہمیشہ نقصان پہنچایا اگر تم نے یہ نزاکت محسوس نہ کی تو تم بھی مر جاؤ گے اور قوم بھی ذلت کے گڑھے میں جا گرے گی۔

تاریخ خوب جانتی ہے کہ صلاح الدین کے یہ ساتھی کبھی آپس میں نہیں لڑے کبھی ان میں مختلف مزاج اور رنگ و نسل کے ہونے کے باوجود کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ صلاح الدین، ہر ایک سردار کو اس کے منصب کے مطابق احترام دیتا۔

صلاح الدین کا عام قاعدہ تھا کہ سردی کے دنوں میں فوج کو چھٹی دے دیتا۔ صاحب سنجار، صاحب موصل، صاحب اربل، صاحب عراق اور دوسرے شہزادے اور سردار، سردیوں میں اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ جب واپس ہوتے تو صلاح الدین شہزادوں کے استقبال کے لئے اپنے بیٹوں کو بھیجتا۔ اور بڑے امرا کا استقبال خود کرتا۔ ہر ایک کے اعزاز میں اعلیٰ درجہ کے خیمے نصب کراتا۔ بڑی دھوم دھام سے انہیں وہاں اتارتا۔ ایک دو دن تک اپنا مہمان رکھتا اور بڑے ٹھاٹھ کی دعوتیں کرتا۔ یہ خصوصی کسی ایک کے ساتھ نہ تھا۔ قریب قریب ہر امیر اور ہر تاجدار سے وہ اسی طرح کا سلوک کرتا پھر کسی کو کسی کے خلاف لڑاتا نہیں۔ نہ شکایت ہی پیدا ہونے دیتا۔ ہر سردار کی جماعت اسی کے تابع رہتی۔ اس کا علم اس کی جماعت کے سر پر لہراتا۔ بڑے تاجداروں اور بہادروں کو وہ کبھی میسرہ، کبھی میمنہ اور کبھی قلب کے بازوؤں کی کمان سونپتا۔ قلب میں رکھتا تو ان کی نگرانی آپ کرتا۔ میمنہ میں رکھتا تو میمنہ کے سردار کو خوب سمجھا دیتا کہ اپنے ماتحت حکام کی دل شکنی نہ ہونے دیں۔

صلاح الدین کی اس حکمت عملی نے اس کے ساتھیوں کے ہمیشہ دل بڑھائے۔ یہی سبب تھا کہ سوائے دو تین مواقع کے اس کی فوج کبھی میدانِ جنگ سے فرار نہ ہوئی۔ جن دو تین مواقع پر اس کے ساتھی بھاگے۔ وہ محض کردوں اور بنجاریوں کی حماقت کے سبب، بہرحال صلاح الدین اتنا اونچا سپہ سالار تھا کہ وہ اپنے ہر ساتھی کے دل پر ہمہ لمحہ ہاتھ رکھتا۔ وہ ہر لحظہ ساتھی سردار کو محسوس کراتا کہ وہ اس کا حاکمِ اعلیٰ نہیں ان کا دوست ہے۔ اس نے کبھی ساتھیوں کے مشورہ کی مخالفت نہ کی۔ اس نے کبھی ساتھیوں کی گستاخی پر انہیں سزا نہ دی۔ اس نے کبھی ساتھیوں پر کے اوپر غیر معمولی بوجھ نہ ڈالا۔ وہ لڑائی کے ہر نازک موقعہ پر آپ سب سے مشکل نقطہ پر پہنچا۔ اور ایک نڈر سپاہی کے انداز میں دشمن کی صفوں میں جا گھسا۔

اس کے ساتھی جب بھی کوئی بہادری کا کام کرتے۔ وہ ان کو خوب دل کھول کر انعام دیتا۔ وہ سینکڑوں ہزاروں اچھے اور قیمتی گھوڑے ہر میدانِ جنگ میں اپنے ساتھ رکھتا اور ساتھی جب بھی کوئی کارنامہ انجام دیتے۔ وہ ان عمدہ گھوڑوں میں سے ان کی پسند کے گھوڑے ان میں بانٹ دیتا۔ اچھا سپاہی اچھے گھوڑے سے بہت پیار کرتا ہے۔ صلاح الدین کے بہادر ساتھی یہ اچھے اور عمدہ گھوڑے انعام پا کر بے انتہا خوش ہوتے اور اسے دعائیں دیتے۔ ابن شداد اور ابن اثیر کہتے ہیں۔ عکا کے میدان میں اس نے ساٹھ ہزار سے اوپر گھوڑے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کئے۔ یہ تقسیم اچھے کارناموں کا صلہ تھی۔

تاریخِ حرب میں یہ نرالی مثال ہے کہ کوئی تیس سال کے لمبے عرصہ میں صلاح الدین کے ساتھیوں میں سے سوائے ایک دو کرد سرداروں کے کسی دوسرے امیر و حاکمِ فوج نے صلاح الدین کی حکم عدولی نہیں کی اور نہ کبھی اس کے خلاف کسی سازش میں حصہ لیا۔ مصر سے شام آنے کے بعد صلاح الدین کو اس کے ساتھی ایک قومی ہیرو سمجھنے لگے تھے اور اس کے خلاف کسی قسم کی سازش کرنے، یا اسے کسی قسم کا دھوکا دینے کو شرافت و نجابت کے خلاف سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ صاحب سنجار، صاحبانِ موصل اور دیار بکر ایسے امرا تھے۔ جن کے خلاف

صلاح الدین نے شروع دور میں تلوار اٹھائی تھی۔ جن کو شکستیں بھی دی تھیں مگر یہ سب کے سب بڑے شوق سے صلاح الدین کے جھنڈے تلے لڑنے کے لئے اپنے ملک سے آئے اور اسے ہمیشہ اپنا دینی اور قومی رہنما مانا۔ کبھی اس کو نیچا دکھانے یا اسے دشمن کے سامنے رسوا کرنے میں شریک نہ ہوئے۔

مختصراً یوں سمجھئے، کہ صلاح الدین گو ایک "بنیادی" تاجدار تھا، ایک شخصی حکمران، ایک وہ شخص جس نے اپنی ہمت اور اپنے بازو کے بل پر اتنی بڑی حکومت قائم کی تھی، لیکن جس نے آخر وقت میں ایک جمہوری ادارہ کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور اس کے تابع حکمران اسے امیر ملت مانتے تھے۔ وہ اس زمین پر، خدا کا نائب، اسلام کا محافظ اور مسلمان قوم کا بے غرض، مخلص اور انتہائی وفادار خادم تھا۔

اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں اس کی روح کے شامل حال ہوں اور دمشق میں جامع اموی کے عقب میں سونے والے اس تاجدار کی نعش ہمیشہ تر و تازہ و خوش رنگ و خوشبودار رہے۔

محمد اقبال عباسی خوشنویس لاہور

15 . 2 . 56